دہلی تا خاکِ بخارا و سمرقند

(سفرنامہ)

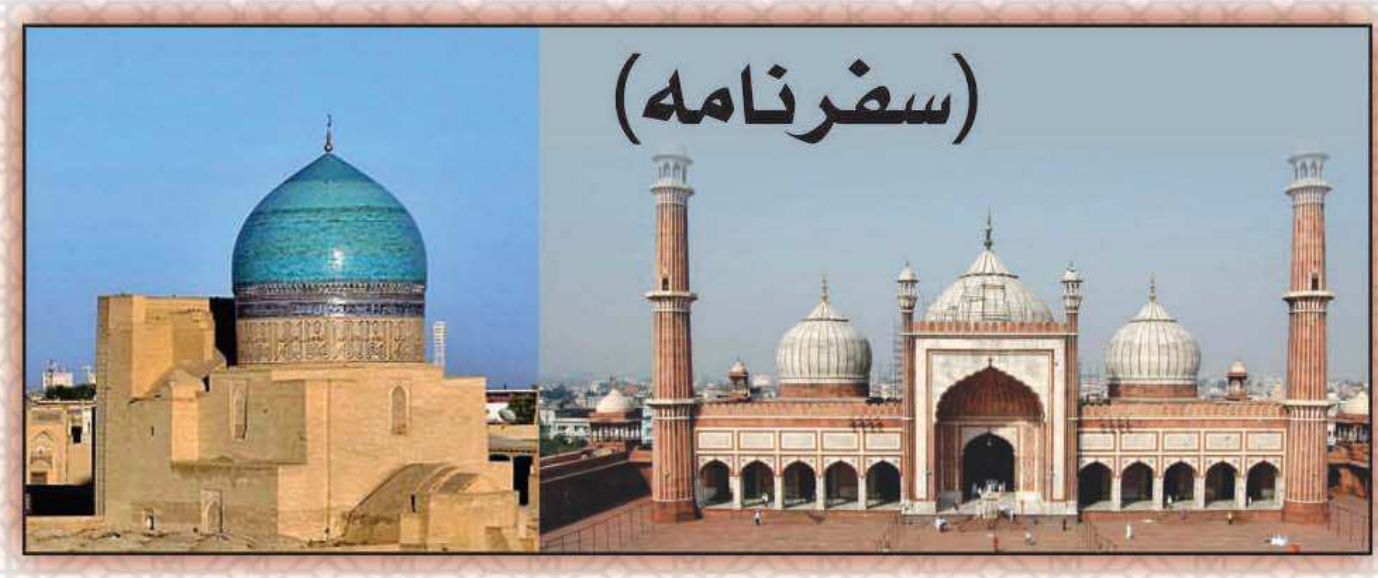

ازقلم

(حضرت مفتی) محمدؐ انعام الحق نقشبندی

دہلی تا خاکِ بخارا و سمرقند

مرتب

(حضرت مفتی) محمد انعام الحق نقشبندی

ادارہ فیضانِ الٰہی

فیضان منزل، کرولیا محلہ، عالی پور، نوساری، گجرات، انڈیا

اللہ اللہ اللہ

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب	:	دہلی تا خاکِ بخارا و سمرقند
مرتب	:	(مفتی) محمد انعام الحق قاسمی نقشبندی
ضمیمے	:	مفتی محمد افضال الحق
صفحات	:	264
طباعت	:	فلاحی پرنٹرس اینڈ بائنڈرس، مالیگاؤں 8980826160
ناشر	:	ادارہ فیضانِ الٰہی، عالیپور، نوساری، گجرات (ہند)
سن اشاعت	:	شوال/ ۱۴۴۲: مئی/ ۲۰۲۱

ملنے کا پتہ

ادارہ فیضانِ الٰہی

فیضان منزل، کرولیا محلہ، عالی پور، نوساری، گجرات، انڈیا

Web : www.faizaneilahi.com, Email : mihaq1967@gmail.com

t.me/faizaneilahiyoutube.com/idarafaizaneilahi

@muftiinaamulhaqQasmi

آئینۂ کتاب

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تقریظ: مولانا مفتی عبید اللہ اسعدی صاحب	۹	دہلی کی پہلی مسجد ''قوۃ الاسلام''	۲۹
تقریظ: سید مولانا طلحہ صاحب نقشبندی	۱۰	پہلی مسجد بھی اذاں کو ترس گئی	۲۹
حرفے چند۔۔۔۔کرم فرمائے من	۱۱	ہندوستان کی پہلی مسجد کہاں؟	۳۰
وہ بھی شریک تھے اس بزم میں	۱۳	پہلی مسجد کیرلا میں	۳۰
V.I.P. حسن انتظام	۱۴	کیرلا میں پہلے تابعی کی آمد	۳۱
سمرقند و بخارا اور دہلی	۱۵	دہلی کی جامع مسجد ''مسجد جہاں نما''	۳۱
توشۂ سفر	۱۶	تعمیراتی انداز	۳۲
مشمولات سفرنامۂ دہلی	۱۷	پہلی امامت کس نے کی؟	۳۳
سرزمین دہلی: اے دہلی تیری عظمت کو سلام	۱۸	فتح پوری مسجد۔۔۔۔موتی مسجد	۳۳
حضرت دہلی	۱۸	**دہلی کے محدثین و مشائخ**	۳۵
صحابہؓ اور تابعین کی قدوم میمنت	۱۹	شیخ عبدالحق محدثؒ کے آستانے پر	۳۵
اولیاء کی جلوہ گاہ بھی، آخری آرام گاہ بھی	۲۰	مزار پر حاضری	۳۵
سرزمین دہلی پر بخارا کے اولیاء	۲۱	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۳۶
اولیائے ہند اور علم حدیث	۲۳	ملائے خشک و ناہموار نہ باشی	۳۶
اولیاء کی تابناک زندگی پر کتابیں	۲۵	علمی تشنگی اور حرمین کا سفر	۳۶
۶۵۰ سالہ مسلم حکومت کا زریں دور	۲۶	۵۵ سال علمی کارنامے	۳۷
ہندوستان کا نقشہ کیوں کر پلٹ گیا	۲۶	تصنیف و تالیف کے تین مقاصد	۳۷
دہلی کی ۹۲ مساجد اذان سے محروم	۲۷	دہلی کے دو ہم نام آفتاب و ماہتاب	۳۸
منبر و محراب کی صدا	۲۸	ملفوظات: دوائے دردِ دل	۳۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
خواجہ قطب الدینؒ کے مزار پر	۳۹	فکر ولی اللہی کے ترجمان علمائے دیوبند	۵۱
خواجہ قطب الدین کاکیؒ	۴۰	قافلۂ اہل دل کی باتیں (ملفوظات)	۵۲
بے مثال جنازہ	۴۱	حضرت مملوک علیؒ کے آستانے پر	۵۳
قطب ہند کے ملفوظات	۴۱	حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے حالات	۵۴
حضرت مفتی کفایت اللہؒ کا مرقد	۴۲	علمی مقام و مرتبہ	۵۴
حالات و کارنامے	۴۲	کون کون تھے آپ کے شاگرد	۵۵
خصوصیات اور سانحۂ ارتحال	۴۲	یہ چراغ بھی بجھ گیا	۵۵
خانوادۂ ولی اللہی کے احسانات	۴۳	خواجہ باقی باللہؒ کے دربار میں	۵۶
رموز شریعت کے پاسبان	۴۳	حضرت خواجہ باقی باللہؒ	۵۶
چشمۂ علم و حکمت	۴۴	مرشد کی تلاش میں کہاں کہاں نہ پہنچے	۵۷
خانوادۂ ولی اللہی کے مزار پر	۴۴	چند مسیحائی ملفوظات	۵۷
شاہ ولی اللہؒ کے حالات	۴۵	ملا جیونؒ کے مزار پر	۵۸
آپ کے کمالات	۴۵	ملا جیونؒ کے حالات	۵۹
باطنی قوت تاثیر	۴۶	وفات حسرت آیات	۵۹
حرمین سے فیضیابی	۴۶	مفسر قرآن شیخ عبدالحق حقانیؒ	۶۰
حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علمی کارنامے	۴۷	حالات و امتیازات	۶۰
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	۴۸	تفسیر حقانی	۶۰
حضرت شاہ رفیع الدینؒ صاحب	۴۹	یہ چراغ بھی گل ہو گیا	۶۱
حضرت شاہ عبدالقادرؒ / شاہ عبدالغنیؒ	۴۹	محبوب الٰہی، نظام الدینؒ کے مرقد پر	۶۱
چاروں بھائیوں کے درمیان مثالی تعلقات	۵۰	حضرت نظام الدینؒ کے حالات	۶۱

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
معیاری تعلیم و تربیت	۶۲	بنگلے والی، مرکز مسجد	۷۴
عشق و محبت کی دکان میں	۶۲	مولانا ابوالکلام آزاد کا مرقد	۷۵
ہنوز دہلی دور است	۶۳	حیات اور کارنامے	۷۵
باتیں ان کی یاد رہیں گی (ملفوظات)	۶۳	میاں سید نذیر حسین دہلویؒ	۷۶
حضرت امیر خسروؒ کے دربار میں	۶۴	کچھ تذکرے، تاریخی مقامات کے بھی	۷۶
شیخ کی عجیب شفقت	۶۵	بہارِ ہند، قطب مینار	۷۷
محنت و مجاہدہ کی بھٹی میں	۶۶	قطب مینار کا اندرونی منظر	۷۷
سوز و ساز پر مشتمل ملفوظات	۶۶	ہمایوں کا مقبرہ اور تاج محل	۷۸
ایک حسرت، ایک حیرت	۶۷	کچھ کچھ باتیں تاج محل کی بھی	۷۹
کچھ کچھ باتیں غالب کی بھی	۶۷	ہمایوں کا دورِ حکومت	۷۹
چند پسندیدہ اشعار	۶۸	فاتحِ زمانہ اور فاتحِ دل میں فرق	۸۰
ایک مایوس کن شعر	۶۸	مولانا الیاسؒ کی خلوت نشینی	۸۰
چتلی قبر۔ درگاہ شاہ ابوالخیر/ حضرت جان جاناںؒ	۶۸	جنگِ عظیم اور انڈیا گیٹ	۸۱
نقشبندِ ثانی، حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ	۶۹	انڈیا گیٹ، ہماری قربانی کی علامت	۸۱
فردِ فرید، شاہ ابوسعید مجددیؒ	۷۰	زینت ہند، لال قلعہ	۸۱
چراغِ نبوی، حضرت شاہ ابوالخیرؒ	۷۰	لال قلعہ پر نظر بد	۸۲
کچھ کچھ باتیں قافلۂ اہل دل کی (ملفوظات)	۷۱	لال قلعہ پر پرچم کشائی	۸۳
مشائخ نقشبند کے عکس جمیل	۷۳	سات سو سالہ حکومت اور لمحۂ فکریہ	۸۳
نواب قطب الدین محدث دہلویؒ	۷۳	مزارات پر یہ سب کیا ہونے لگا	۸۴
داعیٔ کبیر، مولانا الیاس کاندھلویؒ	۷۴	مشائخ کے مزارات پر گنبد	۸۴

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
گنبد خضرا سے استدلال	۸۵	لاشوں کا چبوترہ	۹۸
مزارات کے لئے طویل سفر	۸۶	مینار کلاں	۹۸
مشمولات سفر نامۂ بخارا و سمرقند	۸۸	مدرسہ میر عرب اور درس نظامی	۹۹
تاشقند سے بخارا	۸۹	نصاب تعلیم اور انداز تربیت	۱۰۰
مرشد کی معیت میں بخارا کی سیر	۹۰	مگر انگشت بدنداں رہ گئے	۱۰۰
استقبالیہ پروگرام	۹۰	لب حوض، ایک عبرت خیز علاقہ	۱۰۱
بخارا کا محل وقوع	۹۱	خانقاہ اب میوزیم کے روپ میں	۱۰۱
اسلامی پرچم کب سے لہرایا	۹۱	مارکیٹ کی عجیب بناوٹ	۱۰۲
علم و فضل کا گہوارہ، شہر بخارا	۹۱	سرائے محل	۱۰۲
بخارا کراہ اٹھا، اور بلبلا اٹھا	۹۲	مدرسہ، جہاں اب بکتے ہیں جام و مینا	۱۰۲
بخارا دوبارہ ماتم کدہ بنا	۹۳	چار مینار کے سائے میں	۱۰۳
بخارا پر تیمور کی نظر عنایت	۹۳	چشمۂ ایوب کی روانی	۱۰۳
بخارا پر روس کی نظر عتاب	۹۳	مدرسہ چار مینار	۱۰۴
مسجد و مدرسہ شراب خانے بن گئے	۹۴	اسماعیلی سامانی مقبرہ	۱۰۴
بخارا کی دینی زبوں حالی	۹۴	قاضی حسن بن منصور کا مزارؒ	۱۰۵
خواتین کی چال ڈھال	۹۵	قلعۂ بخارا	۱۰۵
نوخیز جوانوں سے سوالات	۹۵	چالیس ستون والی مسجد	۱۰۵
جامع مسجد کلاں	۹۶	گور غریباں کے آفتاب و ماہتاب	۱۰۶
حیرت کے اتاہ سمندر میں	۹۶	امام ابو حفص کبیرؒ کے مزار پر	۱۰۶
مسجد بخاری اور نماز کی حضوری	۹۷	دو گنبد والی ایک عجیب مسجد	۱۰۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حضرت کعب احبارؒ کے مزار پر	۱۰۷	آٹھ کلمات	۱۱۹
حالاتِ زندگی اور امتیازی شان	۱۰۸	کلماتِ نقشبندیہ، جن پر اس طریقہ کی بنیاد	۱۱۹
علم سے محرومی کیوں؟	۱۰۸	باتیں دلِ دردمند کی (ملفوظات)	۱۲۰
آپ کا مزار کہاں ہے؟	۱۰۸	حضرت عارف ریوگیریؒ کے مزار پر	۱۲۱
عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یاد آئے	۱۰۹	میں حسرت میں ڈوب گیا	۱۲۲
عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جذبات	۱۰۹	ملفوظ: بنام شفائے دل	۱۲۲
بخارا... قصرِ عارفاں	۱۱۰	محمود فغنویؒ کے دربار میں	۱۲۲
بخارا کے سات مشائخ نقشبند	۱۱۱	بخارا کی اسپیشل ڈش سے ضیافت	۱۲۳
سوخار نامی بستی کی طرف	۱۱۲	خواجہ علی عزیزانؒ کے آستانے پر	۱۲۳
حضرت سید امیر کلالؒ	۱۱۲	ملفوظ: بنام دوائے دل	۱۲۴
شیخ کی نظرِ محبت	۱۱۳	خواجہ محمد سماسیؒ کے دربار میں	۱۲۵
قافلۂ اہلِ دل کی باتیں	۱۱۴	حضرت بہاؤالدین پر نظرِ عنایت	۱۲۶
ملفوظ: بنام دوائے دل	۱۱۴	**(افشونا)**	۱۲۶
سید بہاؤالدین نقشبندیؒ	۱۱۵	ابن سینا کی بستی میں	۱۲۶
قصرِ عارفاں میں حضرت جی کا خطاب	۱۱۶	شوقِ مطالعہ اور سجدۂ شکر	۱۲۷
کلامِ دردِ محبت (ملفوظات)	۱۱۷	علمی کارنامے	۱۲۷
شہر غجدوان کی طرف	۱۱۷	مناجات اور آہ و زاری	۱۲۸
شہر کی زیب و زینت	۱۱۸	قابلِ رشک موت	۱۲۸
محبوبِ سبحانی، خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ	۱۱۸	**خرتنگ اور سمرقند کا سفر**	۱۲۹
رحلت و بشارت	۱۱۹	خرتنگ بستی میں	۱۲۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
خوشنما پارک	۱۲۹	ابو منصور ماتریدیؒ کے مزار پر	۱۴۰
آستانۂ بخاری پر سلام کا نذرانہ	۱۳۰	قبر نہیں، کتبے محفوظ رہ گئے	۱۴۱
نور کی کوٹھری میں جا پہنچے	۱۳۱	حالات و کارنامے	۱۴۱
ایصالِ ثواب کا عجیب انداز	۱۳۱	بے موسم پھل فروٹ	۱۴۲
قبر سے مشک کی خوشبو	۱۳۲	عقائد کی اہمیت	۱۴۲
۱۰۵۰ / سال بعد بھی تجلیات کی برسات	۱۳۲	مقبرۂ محمدین	۱۴۳
امام مسلمؒ.... قدم بوسی کی تمنا	۱۳۳	نام محمد ﷺ سے بے مثال محبت	۱۴۳
سہل تستریؒ اور زباں بوسی کی تمنا	۱۳۳	یہ حسرت رہ گئی دل میں	۱۴۴
تفتازانیؒ کو لعاب دہن ملا	۱۳۳	مقبرہ شاہ زنداں	۱۴۴
سمرقند میٹھے میٹھے پھل	۱۳۴	سمرقند میں آپ کی تشریف آوری	۱۴۵
سمرقند جنت نما شہر	۱۳۴	حضرت ابن عباسؓ کی حسرت	۱۴۵
سمرقند۔ مرکز گیتی	۱۳۵	آپ کی چند خصوصیات	۱۴۶
سمرقند کی روشن تاریخ	۱۳۵	آدھی دنیا کا فاتح تیمور لنگ	۱۴۷
سمرقند جب زیر و زبر ہوا	۱۳۵	تیمور لنگ کا دلکش مقبرہ	۱۴۸
تیمور لنگ کا شہر سمرقند	۱۳۶	شیخ و مرشد کے قدموں میں	۱۴۸
آج کا، سرسبز سمرقند	۱۳۷	قبر کی شبیہ اور تعویذ	۱۴۸
مگر ہوٹل میں دل سہم گیا	۱۳۷	اہل نسبت کے پہلو میں دفن کی تمنا	۱۴۹
خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے دربار میں	۱۳۷	اورنگ زیبؒ کا دردِ دل	۱۴۹
خواجہ عبید اللہ احرارؒ	۱۳۸	خطیب بغدادیؒ کی آرزو	۱۵۰
ملفوظ: بنام زبانِ ہوشمند	۱۳۹	شارح ہدایہ کی تمنائے حسیں	۱۵۰

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اُلغ بیگ، ایک نادر شخصیت	۱۵۰	صاحب تحفۃ الفقہاء	۱۵۹
الغ بیگ کے کارنامے	۱۵۱	امام ناصر الدین سمرقندیؒ	۱۶۰
رصدگاہ	۱۵۱	حضرت ملا جامیؒ	۱۶۰
مجسمہ اور میوزیم	۱۵۲	صاحب اصول بزدویؒ	۱۶۰
الغ بیگ کی شہادت	۱۵۲	علامہ تفتازانیؒ	۱۶۱
مسلم شریف کا قلمی نسخہ	۱۵۲	شمس الائمہ حلوانیؒ	۱۶۲
ریگستان چوک	۱۵۳	قاضی بخاری علی بن حسینؒ	۱۶۲
تین مدرسوں کی سسکتی پکار	۱۵۳	خواہرزادہ: محمد بخاریؒ	۱۶۲
مدرسے، نائٹ کلب اور شراب کے اڈے	۱۵۴	**نسف (کرش)**	۱۶۳
مدرسہ الغ بیگ	۱۵۴	نسف کا سفر	۱۶۳
شیر در مدرسہ	۱۵۵	حضرت میمون بن محمدؒ کے مزار پر	۱۶۳
مدرسہ طلا کاری	۱۵۵	شاہانہ ہوٹل میں شادیانے	۱۶۴
مسجد بی بی خانم	۱۵۶	نسف کا ایک عجوبہ	۱۶۵
کھوئے ہوؤں کی جستجو	۱۵۷	صاحب عقائد نسفی	۱۶۵
حضرت امام دارمیؒ کا مدفن	۱۵۷	منکر نکیر کو ایک عجیب جواب	۱۶۶
ایک عجیب امتیازی شان	۱۵۷	صاحب کنز الدقائق	۱۶۶
ولادت اور رحلت	۱۵۷	تین ہم نام نسفی شخصیت	۱۶۷
امام بخاریؒ کا اظہارِ غم	۱۵۸	**ترمذ**	۱۶۸
دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا	۱۵۸	شیر آباد۔ امام ترمذی کے مرقد پر	۱۶۸
فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ	۱۵۸	صاحب سنن امام ترمذیؒ	۱۶۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
شاگرد کے باطن کا اثر استاد پر	۱۷۰	کچھ تو زندہ دل ہیں ابھی	۱۸۲
شہر ترمذ کی دل کشی	۱۷۱	الوداعی پروگرام	۱۸۲
حکیم ترمذیؒ کے دربار میں	۱۷۱	نور کے محل میں	۱۸۲
مزار پر حاضری	۱۷۲	مصحف عثمانی کی زیارت	۱۸۳
گروہِ صوفیاء کے سرخیل حکیم ترمذی	۱۷۲	علامہ قفال شاشیؒ کی چوکھٹ تک	۱۸۴
ہم نام چند شخصیات	۱۷۳	شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ	۱۸۴
کتاب حدیث نوادر الاصول	۱۷۳	لال بہادر شاستری کا مجسمہ	۱۸۵
دوائے دردِ محبت (ملفوظات)	۱۷۴	مرزا غالب کا محلہ	۱۸۵
دریائے جیحون کا نظارہ	۱۷۴	البیرونی محلہ/ البیرونی کی علمی لیاقت	۱۸۵
پانی کی روانی قدرت کی نشانی	۱۷۶	بیرونی بھارت کے دورے پر	۱۸۶
عذاب کا سمندر	۱۷۶	مغل خاندان کا پہلا تاجدار	۱۸۷
چاروں سلسلے جنت کی چار نہروں کی طرح	۱۷۷	خاکِ وطن کو واپسی	۱۸۸
دیناؤں کا خوش گوار سفر	۱۷۸	خاکِ وطن کی خوبی	۱۸۸
حضرت علاء الدین عطارؒ کے دربار میں	۱۷۸	خاکِ وطن کے علماء دیوبند	۱۸۹
خواجہ علاء الدین عطارؒ	۱۷۹	اترا جہاز خاکِ وطن پر	۱۸۹
حضرت جرجانیؒ کی عقیدت	۱۷۹	خوشیاں خاکِ وطن میں مل گئیں	۱۹۰
عطر آمیز روحانی باتیں (ملفوظات)	۱۸۰	دنیا بھر کی نظر بابری مسجد پر	۱۹۰
تا شقند ایک دل ارجمند	۱۸۱	ضمیمے: از قلم محمد افضال الحق [۱۹۲ تا ۲۶۴]	۱۹۲
ترمذ سے تاشقند	۱۸۱	مشائخ نقشبند کا تعارف/ نقشہ حضرات نقشبند/ اُزبک کے حالات	
سمرقند کے مفتی صاحب سے تبادلۂ خیال	۱۸۱	دہلی کے مسلم حکمراں/ میں دلی ہوں [۲۴۸ تا ۲۶۴]	

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب نقشبندی دامت فیوضہم

(خلیفۂ اجل محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم)

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ ومن والاہ۔ امابعد

برادر گرامی قدر حضرت مولانا مفتی انعام الحق صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالی نے بزرگوں کے احوال وآثار سے خاص تعلق اور ان کو پیش کرنے کا اچھا سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ ہم فقیروں نے سرزمین نقشبند (بخارا و سمرقند) کا اپنے حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی عمت فیوضہم کی رہنمائی میں جو سفر کیا تھا، اس کے دوران ہی بزرگوں کے احوال وآثار سے متعلق حضرت مفتی صاحب موصوف کی وسیع معلومات اور گہری دلچسپی کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مفتی صاحب کو کہ انہوں نے اپنے مشاہدات وتاثرات کو صفحۂ قرطاس پر پھیلا کر اکابر اولیاء اللہ کے فیوض وبرکات کا نہ صرف دسترخوان سجایا ہے بلکہ ساتھ میں حضرات اولیاء نقشبند کا تفصیلی تعارف (افادات حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم) شامل کر کے محبت ومعرفت کی اس شراب کو دو آتشہ بھی بنایا ہے، اللہ کرے کہ یہ سفرنامہ جتنی محبت سے لکھا گیا ہے اتنی عقیدت سے پڑھا بھی جائے تو بڑے نفع کی امید ہے۔

نہایت مشغولی وعدیم الفرصتی میں مفتی صاحب کے ارشاد کی تعمیل اور اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے یہ چند غیر مرتب تاثراتی جملے سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالی کتاب کو مقبول ومفید، اور اس کی ترتیب وتالیف، تزئین وتقریظ کے حصہ دار تمام فقراء کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے گے۔۔۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

سید محمد طلحہ قاسمی۔۔۔۔ ۷: ربیع الاول/ ۱۴۴۲ھ

حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی

(شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ، یو، پی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زیر نظر تحریر ایک سفر نامہ ہے، جو دراصل نقشبندی سلسلہ کے ایک کارواں کی روئداد سفر ہے، یہ سفر دراصل حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ کے مزار پر حاضری اور ایک خاص مناسبت سے وہاں تقریب میں شرکت کا تھا، جس میں اس علاقہ کے عالم اسلام کے علمی و روحانی مراکز، نیز ممتاز اہل اللہ وعلماء کے مرقدوں کی بھی زیارت کی گئی۔

قافلۂ ہندو پاک کے سربراہ معروف صاحب سلسلہ پیر ذوالفقار صاحب مدظلہ العالی تھے، اور سفر کے راقم وکاتب ان میں کے ایک بافیض اور صاحب علم۔ خلیفہ مولانا مفتی انعام الحق صاحب مدظلہ العالی ہیں، جنہوں نے از راہ محبت، بلکہ کمال محبت واعزاز مجھکو مکلف بنایا کہ کچھ لکھ دیا جائے۔

یہ سفر نامہ صرف رفتن و ماندن وگذشتن نیز نوشیدن وخوردن کے ذکر پر مشتمل نہیں، بلکہ سفر کی ضروری وواقعی تفصیلات کے ساتھ ان سارے مقامات، نیز بزرگوں کے مختصر اضروری احوال پر بھی مشتمل ہے، اس طرح یہ سفر نامہ بڑا معلوماتی اور عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ودلچسپ ہے۔

دہلی سے لے کر سفر کی آخری منزل تک جن بزرگوں کا ذکر اور جن مقامات کا ذکر آ گیا، مفتی صاحب موصوف نے ہم جیسوں کو ان سب سے متعارف کرانا مناسب سمجھا۔

مفتی صاحب ماشاء اللہ صاحب تصانیف ہیں، درسی مشغولیات نیز تربیتی مجالس، اور جد وجہد کے ساتھ برابر کام کرتے رہتے ہیں، نیز وقیع مضامین وموضوعات پر بھی نظر ہے، یہ ایک نہایت مفید ومعلوماتی کاوش ہے، اللہ تعالی مفتی صاحب کے فیوض کو مزید عام فرمائے اور ان سلسلوں کو وسیع کرتے ہوئے قبول فرمائے۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد عبید اللہ الاسعدی۔ ۲۳/ ۳۔ ۱۴۴۲ھ/ ۱۰/ ۱۱/ ۲۰۲۰ء

اللہ اللہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حرفے چند

مدتوں سے دل کی تمنا تھی کہ سمرقند و بخارا کی دید و زیارت کا موقع ملے، نہ معلوم کتنی دفعہ یہ آرزو دل میں اٹھی اور دب کر رہ گئی، عید قرباں ۱۴۴۰ھ کی تعطیل کے موقع پر، سرہند تین یوم ٹھہرنے کی سعادت ملی، سجادہ نشیں حضرت صادق رضا صاحب زید مجدہ کی عنایت وضیافت سے شرم سار رہا، انہوں نے بتلایا کہ مختلف ممالک کے نقشبندی حضرات، حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ کی سات سو سالہ تاریخ کی مناسبت سے بخارا میں جمع ہو رہے ہیں، میری شرکت تو ممکن نہیں، تاہم محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم کی قدوم میمنت ہوگی، ان کی معیت میں کاروانِ نقشبند کا سفر رہے گا یہ سن کر دل کی آرزو میں تلاطم پیدا تو ہو گیا، مگر کسی عارض کی بنا پر دل کا ارمان تھمنے لگا، جذبات سرد پڑنے لگے، پھر اچانک احوال بدلے اور سفر کا عزم مصمم ہونے لگا۔

کرم فرمائے من

اس پورے نظام سفر کی باگ ڈور شیخ عبدالکریم صاحب (ملیشیا) کے ہاتھ تھی، ان سے گفتگو ایک کارِ دارد تھا، اس لیے کاغذاتی تمام تر کاروائی کے لیے، محب مکرم عزیز القدر وسیم سلمہ العزیز کا نام ذہن میں آیا، جو سنجیدگی، متانت دور اندیشی اور بروقت معاملہ فہمی میں نمایاں ہیں، کلکتہ شہر کے باشندے ہیں، بہ حسن وخوبی تمام کاروائی کرتے بھی رہے، اور بار بار اپنی سعادت کا اظہار بھی کرتے رہے، ان کی اس متواضعانہ خدمت نے ان کی یاد دل میں بسا دی

ہے، ۔۔۔سفر سے چند دن قبل اکابر و مشائخ سے محبت رکھنے والے، ظرافت و خدمت میں ممتاز، محبِ مخلص عزیزم حذیفہ سورتی ہیرا چشمہ والے کو بھنک لگ گئی، بیک دم وہ بھی تیار ہو گئے، انہوں نے دورانِ سفر راحت رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ہر صبح و شام ظرافت کے ساتھ سفر کی کلفت دور کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کرتے رہے اور معذرت بھی، ان دونوں عزیز کی نیاز مندانہ خدمت و رفاقت نے، مجھے سفری ہر دشواری سے بے نیاز کر دیا، نو دن کے مشغول ترین سفر میں میرے کمزور و ناتواں جسم کو، تھکاوٹ کا موقع نہ دیا، اور نہ ہی ذہنی کوفت اور دماغی الجھن سے دو چار ہونے دیا، جا بجا ان دونوں عزیز کے لیے دعائیں نکلیں، اور ہر منزل پر ان کے حق میں نیک تمنائیں ساتھ رہیں۔ جزاھما اللہ خیر الجزاء

روانگی

اپنے وطنِ ثانی عالی پور سے مورخہ ۲۹ / اکتوبر ۲۰۲۱ء کو دہلی کے لیے روانہ ہوا۔ اُزبک فلائٹ سے تین گھنٹے کی مسافت طے کرتے ہوئے، تاشقند کے ائیر پورٹ پہنچے، ائیر پورٹ نہ زیادہ بڑا نہ بالکل چھوٹا، البتہ کچھ کچھ خوشنما ضرور تھا، باہر نکلے اور منی بس سے شہر کی ایک ایسی مسجد پہنچے جس کا صدر دروازہ، نقش و نگار اور تراش و خراش کے عجیب نمونے پیش کر رہا تھا، خانۂ خدا کا اندرونی حصہ شاہی بنگلوں کی طرح اپنی مثال آپ تھا، دیواروں، اور طاقچوں پر لکڑیوں کی انمول، دلکش، دلربا مینا کاری کا عجیب نظارہ تھا، وقت کم تھا اس لیے دوگانہ نمازِ ظہر میں ہی تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی نیت کر لی، اتنے میں چند نوجوان داخل ہوئے اور باجماعت نماز کے لیے صف بستہ ہو گئے، مگر ان کا امام آگے ہونے کے بجائے درمیانِ صف ہی کھڑا ہو گیا، میں نے اپنی نہایت کمزور انگلش میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی، پھر امام نے آگے بڑھ کر نماز ادا کی، ہم لوگ باہر نکلے، بھوک کی صدا تیز ہو رہی تھی، جب کہ ٹرین کا وقت قریب ہوتا جا رہا تھا، بعجلت تمام پھیکا بے ذائقہ چند نوالے لیتے ہوئے تاشقند اسٹیشن پہنچے، جہاں پہلے سے قافلۂ نقشبند ایک ایسے ویٹنگ ہال میں موجود تھا جو کسی سی ایم کے ملاقاتی ہال سے کم آرام دہ نہ تھا۔

بلیٹ ٹرین سرسراتے ہوئے تاشقند پلیٹ فارم پر لگی، ہر ڈبہ کے دروازے پر استقبال کے لیے اسکرٹ میں ملبوس خاتون اس انداز میں موجود تھی جیسے فلائٹ کی ایئر ہوسٹیس ہو، بلیٹ ٹرین سے بخارا کا سفر اس طرح طے ہوتا رہا جیسے فلائٹ میں بیٹھے ہوں اور برق رفتاری سے چل رہی ہو، البتہ کہیں کہیں ہچکولے بھی لیتی رہی پانچ گھنٹے میں ہم لوگ بخارا پہنچے۔

وہ بھی شریک تھے اس بزم میں

امام بخاری کے دیار میں ۹ / دن کا پر کیف اور پر بہار سفر، محبوب العلماء الصلحاء حضرت اقدس پیر ذوالفقار احمد نقشبندی کی بابرکت صحبت ومعیت میں رواں دواں تھا، حضرت کی باطنی توجہات اور روحانی فیضان کے سایہ میں سالکین کا ہجوم چلتا رہا، موسم تو سرد تھا مگر حضرت کی نظر وعنایت سے قلب وجگر گرم رہا، کئی ملکوں کے اصحاب شریک ہوتے گئے قریباً ۱۸۰ حضرات اس بزم نقشبند میں شریک رہے، جس میں بطورِ خاص دمشق کے مشہور ومعروف صاحبِ علم وفضل استاذِ حدیث شیخ محمد رجب دیب، علم ومعرفت کے پیکر قابل قدر شیخ محمد شحادہ، نیز فرانس کے شیخ سلیمان، میرے حضرت کے دونوں صاحب زادے حضرت حبیب اللہ نقشبندی اور حضرت سیف اللہ نقشبندی دامت برکاتہم جو اس قافلہ کی روحانی زیب وزینت تھے اور ہم سب کے لیے مرکزِ نگاہ، ہندوستانی خلفاء میں مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا امان اللہ صاحب، حضرت مولانا بلال صاحب پالنپوری (مقیم حال کینیا)، راقم الحروف، اور حضرت سید محمد طلحہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم شریکِ بزم تھے۔

حضرت مولانا طلحہ صاحب کے ساتھ ان کے تربیت یافتہ مہذب وشائستہ، سلیقہ مندی اور متانت سے آراستہ ایسے فکرمند علماء اور صالح جوان تھے، جو شوق وطلب اور تلاش وجستجو کا شوق حسین رکھتے تھے، جو آدابِ سفر احترام شیخ کو توشۂ سفر بنا کر چل رہے تھے، یقیناً یہ سب ان کے شیخ مکرم کی نگاہِ تربیت اور توجہات کا عکس جمیل تھا۔

اسی طرح حضرت مصطفی کمال صاحب نقشبندی مقیم مکہ مکرمہ بھی میر بزم تھے جو حضرت والا کے نہایت ہی منظور نظر اور احباب میں ہر دلعزیز ہیں نہایت سلیقہ منداور خلیق ہیں ہر ایک کے ساتھ نشاط و بشاشت کے ساتھ ملنے جلنے کا عجیب کریمانہ انداز ہے

VIP حسن انتظام

۹ر دن پر مشتمل اس قدر طویل سفر میں ذہنی کوفت، دماغی الجھن، جسمانی تھکاوٹ اور بدمزگی کا پیش آنا ایک فکری امر ہے، تاہم ٹور والوں کی طرف سے ان سفری دشواریوں سے بچنے کے لیے ہر ممکن بہتر انتظام تھا، چنانچہ ہر دم ایک ایمبولنس اور پولس سکیورٹی کی ایک گاڑی پورے سفر میں ساتھ رہی، تاہم تجربہ ہوا کہ سیر و سیاحت کا بڑے قافلہ پر مشتمل طویل سفر ہم سفر کو قدم قدم پر چیں بجبیں ہونے پر مجبور کر دیتا ہے، اور وقت سے بے وقت نظام ہونے لگتا ہے، تاہم حضرت دامت برکاتہم کی دعاؤں اور معیت کی برکت سے ہم خدام کے لیے ہر دن کا سفر ایک نیا اور پر بہار سفر رہا۔

سمرقند و بخارا اور دہلی

دہلی کا، میرا سفر بار بار ہوا، جب بھی موقع ملتا، اکابر و مشائخ اور تاریخی مقامات پر چلا جاتا، دہلی کی تاریخی مساجد، محدثین و مشائخ کے مزارات، اور کبھی آثارِ قدیمہ کی دید و زیارت کے لیے پہنچ جاتا، اس دفعہ ہر جگہ پہنچنا ممکن نہ تھا، تاہم تاشقند و بخارا کا غیر ملکی سفر یہیں سے شروع ہوا؛ اس لیے ہم نے سفر نامے میں دہلی کو بھی شامل کیا، اور ''دہلی تا خاکِ بخارا و سمرقند'' کے عنوان سے سفر نامہ قلم بند کیا، جس میں دہلی کی علمی، روحانی، تمدنی، سیاسی احوال، تاریخی مقامات، اکابر و مشائخ کے تذکرے اور مساجد و مزارات سے متعلق مشاہدات و احساسات لکھنے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ دہلی اور سمرقند و بخارا کے بارے میں قارئین کے سامنے کچھ معلومات آجائیں، وسط ایشیا (بخارا، سمرقند، ترمذ، ماوراء النہر، نسف، فرغانہ) سے دہلی کا جو علمی، روحانی، تمدنی، ثقافتی ربط

وتعلق تھا، وہ بھی نظر نواز ہو جائے۔

مشائخ ومحدثین کی نسبت سے یہ اہم سفر صرف دید وشنید اور سیر وسیاحت کے لئے نہ تھا، بلکہ عبرت اور دل مردہ کو زندہ کرنے کے لئے تھا، اس لئے جن مشائخ ومحدثین کے دیار اور عبرت پذیری کے لئے ان کے مزارات پر جانا ہوا، تو یہ بات بار بار ذہن میں آئی کہ ان کی زندگی کے واقعات وکرامات نقل کرنے کے بجائے ان کے منتخب ملفوظات بھی سفرنامہ میں شامل کئے جائیں، تاکہ دورانِ مطالعہ ان ملفوظات سے دلوں کی آبیاری ہو، اور اس بات کا یقین بھی کہ ان حضرات کی باتیں قرآن وسنت کے عین مطابق ہوتی تھیں۔

کتاب کے اخیر میں اہل علم اور باذوق حضرات کی دل چسپی کے لیے عزیزم مفتی افضال الحق نے چند اہم معلوماتی مضامین شامل کیے ہیں، مثلاً: حضراتِ نقشبند کا اجمالی نقشہ، حضرت جی دامت برکاتہم کا پچاس صفحے پر مشتمل مشائخ نقشبند کے حالات، ہندوستان پر سلاطین ہند کے دورِ حکومت کے اجمالی خاکے، اور کچھ دیگر چیزیں بطور ضمیمہ شامل ہیں، اللہ تعالی عزیزم کو مشائخ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی صفات حمیدہ سے مزین فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر محب مکرم رفیق محترم جناب مولانا سراج صاحب دیولوی کا تہِ دل سے شکر ادا نہ کروں، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت فارغ کر کے تصحیح کتابت کے فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، اسی طرح مخلص باصفا فن کتابت میں ذوقِ جمیل کے حامل مولانا شعیب صاحب قاسمی زید مجدہ کا بصمیمِ قلب شکر گذار ہوں کہ کتاب کی بہترین سیٹنگ کر کے ممنون ومشکور ہوئے۔

محمد انعام الحق نقشبندی

خادمِ دار العلوم عالی پور

۱۲ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ/ ۳۰/۱۰/۲۰۲۰

اللہ اللہ اللہ

توشۂ سفر

سفر کبھی ذریعۂ سقر ہوتا ہے، مگر مومن کے لئے اکثر ذریعۂ ظفر۔ ایک مسافر جب راہِ سفر کے لئے پا برکاب ہوتا ہے، تو اس کے دل میں، طرح طرح کے خیالات امنڈنے لگتے ہیں، مسافت کی دوری، علاقوں کی اجنبیت، سفر کی کلفت ومشقت، جسم ودماغ کی تھکاوٹ، اور خلاف معمول چیزوں پر کوفت کا خطرہ ہوتا ہے، مگر سفر خواہ فضائی ہو یا دریائی، زمینی ہو یا صحرائی، ایک مومن بندے کو جس چیز سے، سب سے زیادہ سکون وطمانینت، قلبی راحت واطمینان، فرحت و نشاط حاصل ہوتا ہے، وہ ہے پیارے اللہ کا پیارا ذکر، اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری دعائیں، جو توشۂ سفر بنتی ہیں۔

جب بندۂ بے نوا، بے کسی اور تنہائی کے احساس کے ساتھ سفر میں رواں دواں ہوتا ہے اور ذکر خدا کے ساتھ آغازِ سفر کرتا ہے درمیانِ راہ بھی خدا کی یاد میں رہتا ہے، تو رب کریم کو مسافر کی یہ ادا، اس قدر پسند آتی ہے کہ آسمان سے ایک فرشتہ اتر پڑتا ہے، اور اس راہگیر مسافر کا رفیق سفر بن جاتا ہے، جس کی رفاقت اور صحبت سے دلوں کو قرار، اور انبساط وسرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، قدم قدم پر نصرت الٰہی کا احساس ہوتا ہے، سید کائنات فخر دوجہاں امام الانبیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ کلمات حضرت عقبہ بن عامرؓ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

جب کوئی مسافر اپنے سفر میں نکلتا ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ تو فرشتہ اس کا ردیف و ہمسفر بن جاتا ہے۔ (ترغیب وترہیب: ص: ۷۳۱)

یہ کمزور ناتواں مسافر، سفر سے متعلق دعاؤں کو توشہ سفر سمجھتے ہوئے، گاہ بگاہ پڑھتا رہا، کچھ کچھ ذکر بھی کرتا رہا، وقوف قلبی کی کوشش بھی کرتا رہا، اور غفلت سے بچنے کی فکر بھی کرتا رہا۔

اللہ اللہ اللہ

مشمولاتِ سفرنامۂ دہلی

دہلی کی علمی روحانی اور سیاسی جھلکیاں

محدثین و اولیاء کے احوال

مشائخ کی آخری آرام گاہ

تاریخی مساجد اور منبر و محراب

یادگار تاریخی آثار قدیمہ

مسلم سلاطین ہند کا اجمالی نقشہ

مشاہدات و تاثرات

مزارات اور شرعی حدود

میری نظروں میں اب کچھ رنگ دہلی جم نہیں سکتا
وہی مٹی کے تودے ہیں وہی جمنا کا پانی ہے

(اکبر الہ آبادی)

سرزمین دہلی

اے دہلی تیری عظمت کو سلام

دہلی ایک ایسا خوشنما شہر ہے، جو ظاہری اور معنوی کمالات سے بھرپور، مادی اور روحانی ذخیروں سے لبریز، اسلامی عہد کی عظمت و یادگار سے مالا مال ہے، شستہ شیفتہ زبان میں اسے ہندوستان کا دل کہتے ہیں، مگر یہ ایسا دل ہے، جس نے ہر اہل دل کے دل کو موہ رکھا ہے۔

یہ وہ شہر ہے، جس کو دار الاولیاء، بیت الفقراء، قبۃ الاسلام، زینت الاسلام بغداد ہند، خردِ مکہ، اور بائیس خواجہ کی چوکھٹ تک کہا گیا ہے، جو اگر ۶۵۰ سالوں تک اسلامی، سیاسی سلطنت کا مرکز رہا تو وہیں اس شہر کی گلی کوچوں، محلوں، درسگاہوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشیں مشائخ و علماء، علم و معرفت کی شمع روشن کرتے رہے، انسانیت، الفت و محبت، شرافت و آدمیت اخوت و سخاوت، ایثار و ہمدردی اور اخلاق و کردار کی قندیلیں جلاتے رہے، بلکہ ملک کے گوشے گوشے میں بھی روشنی پھیلاتے رہے۔

حضرت دہلی

اس شہر کی انہیں خوبیوں کی بنا پر حضرت امیر خسرو اپنی شیریں زبان سے دہلی کو حضرت دہلی کہا کرتے تھے ایک موقع پر داد تحسین دیتے ہوئے دہلی کے بارے میں فرمایا:

حضرت دہلی کنف دین وداد جنت عدن است کہ آباد

تاریخی جھروکوں پر گہری نظر رکھنے والے، منہاج السراج صاحب اپنی تصنیف لطیف ''طبقات ناصری'' میں دہلی کے لئے بہت ہی والہانہ انداز میں حضرت کا لفظ استعمال کیا ہے، چنانچہ بزبانِ فارسی رقمطراز ہیں:

خلائق اطراف گیتی را بحضرت دہلی کہ دار الملک ہندوستان است۔ (مرکز دائرہ اسلام

طبقات ناصری ص: ۱۶۶ ماخوذ از دہلی کی تاریخی مساجد صفحہ ۱۹)

دہلی شہر کی عظمت وثقافت، علمی وفنی تہذیب وتمدن، سیاسی واخلاقی مرکزیت کا اعتراف واقرار، خاندانِ ولی اللہی کے چشم وچراغ، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اپنے شعر میں اس طرح کہا ہے:

ان البلاد اماء وھی سیدۃ وانہا درۃ والکل کالصدف۔

دہلی تو ملکہ اور رانی کی طرح ہے اور دیگر شہر اس کی باندی، یوں لگتا ہے کہ دہلی ایک چمکدار موتی ہے اور دیگر علاقے سیپی کے مانند۔

جس ذات گرامی کا قول وعمل میزان شریعت پر جچا تلا ہوتا ہو، جن کی نگاہ، نگاہ عارفانہ ہو، جنکی زبان، زبان ترجمان، ان کا یہ تبصرہ دہلی کی عظمت وتقدس کے لئے ایک بہترین مینار ہے۔

شاہجہاں کے دور میں ان کے ہم عصر مؤرخ محترم صادق کشمیری ''ہمدانی'' صاحب نے ہندوستان کی تاریخ لکھی، تو دہلی کی محبت وعقیدت میں ان کا قلم مبالغہ کے بہاؤ میں بہہ گیا، چنانچہ وہ لکھتے لکھتے لکھ گئے:

بعد از حرمین شریفین اگر شرف در مکان وبزرگی در بلدے ہست
ایں بلد شریف از سائر بلدان امتیاز تمام دارد واز بلاد دیگر مستثنیٰ است۔

(ذکر جمیع اولیاء دہلی: ص:۵)

نوٹ: دہلی کے تعارف میں بہت ہی دلچسپ مضمون حضرت خواجہ نظامی دہلوی کا ہے جو اس کتاب کے ضمیمہ ص: ۲۵۵ میں شامل ہے، مسلم دور حکومت کا اجمالی نقشہ ص: ۲۴۸ پر ملاحظہ ہو۔

صحابہؓ اور تابعین کی قدوم میمنت

ملک ہند کی خوش قسمتی، سعادت مندی اور نصیبہ وری ہے کہ جہاں اس خاکِ ہند نے مایہ ناز، ممتاز وبے مثال محدثین وفقہاء، مفسرین ومشائخ، صوفیہ وشعراء کو جنم دیا، وہیں اس زرخیز زمین پر، بیرونِ ہند کے محدثین ومشائخ، مؤرخین واولیاء کی نگاہ فیض رساں بھی پڑتی رہی۔ تکوینی

نظام کے تحت، وہ یہاں قدم رنجہ ہوتے رہے اور یہیں کے پیوندِ خاک ہو کر رہ گئے۔

مورخین نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ۲۵ صحابۂ کرام ہندوستان تشریف لائے، یہ الگ سی بات ہے کہ دورِ نبوت میں ان حضرات کی آمد کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۲ صحابۂ کرامؓ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں، ۵ حضراتِ صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں، ۳ حضراتِ صحابہؓ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں، ۴ حضراتِ صحابہؓ حضرت امیر معاویہ کے دورِ امامت میں، اور ایک صحابی یزیدی دور میں، ہندوستان تشریف لائے، تاہم یہ قدسی حضرات یہیں پیوندِ خاک ہو کر اس سرزمین کو سعادت بخشی ہو اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا، (مشہور مؤرخ محمد اسحاق بھٹی نے اپنی مشہور کتاب ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' میں ان حضرات صحابہؓ کے اسمائے گرامی بھی لکھے ہیں، اور چوالیس تابعین اور اٹھارہ تبع تابعین کا بھی ذکر خیر کیا ہے، البتہ قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اپنی کتاب ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' میں سترہ صحابۂ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے۔

اولیاء کی جلوہ گاہ بھی، آخری آرام گاہ بھی

صحابہ کرامؓ کے بعد حضراتِ تابعین کی آمد کا ایک طویل سلسلہ اس ملک میں شروع ہوا، البتہ محدثین کی آمد میں سب سے پہلا نام نامی حضرت ربیع بن صبیح کا ہے، (م: ۱۶۰ھ) جو دوسری صدی ہجری میں، گجرات کے ضلع بھروچ کے علاقے ''بھاڑبھوت'' نامی گاؤں میں تشریف لائے، یہیں وقت اجل آ پہنچا اور جس سینہ میں حدیث کا خزینہ لے کر آئے تھے، وہ یہیں کا دفینہ بن کر رہ گیا۔

اسلامی سلطنت کا وہ بادشاہ جس نے دہلی کو پہلی بار پایۂ تخت بنا کر حکمرانی کی، دہلی کو علمی، روحانی فضا سے روشن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور خود عبادت و مجاہدہ تہجد و تقویٰ، زہد و ورع اور استقامت میں یکتائے زمانہ تھا، وہ ہے قطب الدین ایبک (م ۱۲۱۰ء) جس نے

دہلی کی پہلی مسجد ''قوۃ الاسلام'' اور ''قطب مینار'' بنا کر اپنی تاریخ کو ہمیشہ کے لئے نقش کر دیا۔

دہلی جس طرح سیاسی سلطنت کا مرکز رہا، مدتوں روحانی سلطنت کا بھی مرکز رہا، مختلف علاقوں سے آئے ہوئے سلاطین نے اگر اپنی شاندار رواداری، بے مثال غیر جانبداری، بلا فرق مذہب وملت، ایثار و ہمدردی کو، اپنا مذہبی، قومی، سیاسی فریضہ سمجھا، اور پوری شان وشوکت کے ساتھ، بلا کسی قومی اور مذہبی جنگ وجدال بادشاہت کی، وہیں ان اولیاء ومشائخ نے بھی، انوار و تجلی اپنے درد و درماں، اپنے سوز وساز، اپنی دعا و دوا سے دلوں پر حکمرانی کی، ان کے گفتار وکردار سے اپنے ہوں یا غیر سب قریب ہوتے گئے، دلوں کی دوائیں لینے لگے۔۔۔ان کی تاریخ کو پڑھیں تو محسوس ہی نہیں بلکہ یقین ہوگا، کہ وہ حضرات مخلوق سے بے نیاز، شریعت و طریقت کے آئینہ دار، معرفت الٰہی کے سرچشمہ، انابت الٰہی کے سفینہ، اور امور شریعت کے دفینہ تھے، وہ صاحب نسبت، امیر شریعت اور روحانی تاثیر کے پیکر تھے، وہ حضرات آفتاب وماہتاب اور چمکتے ستارے کی طرح دہلی میں تشریف لائے، اور ہمیشہ کے لئے وہیں پیوند خاک ہو گئے۔

سرزمین دہلی پر بخارا کے اولیاء

دہلی جسے بیت الہند کہیے، یا بیت الفقراء، شیراز ہند کہیے، یا پھر کچھ اور، یہ وہ شہر ہے جہاں اگر باہر سے آئے ہوئے بادشاہوں، حکمرانوں کی تاجپوشی ہوتی رہی، تو دوسری طرف دلوں کے فاتح، محدثین ومفسرین اور اولیاء کرام کا مرکز بھی رہا، چنانچہ دنیا کے مختلف علاقوں بالخصوص بخارا اور سمرقند سے اہل اللہ یا ان کے آباؤ اجداد آتے رہے، یہاں ولایت کا چراغ روشن کرتے رہے اور عشق ومحبت کی انگیٹھی بھی جلاتے رہے، انہیں خاصان خدا میں:

(۱) حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (م ۶۳۳ / ۱۲۳۵) ہیں جن کا اصل مسکن ومولد وادی فرغانہ ''اوش'' تھا جو بخارا اور سمرقند سے چند سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، آپ کی قدوم میمنت اور تشریف آوری سے دہلی میں، مردہ دلوں میں روح آئی، ہر طرف نورانیت پھیلی، اور حضرت خواجہ اجمیریؒ کا فیض آپ کی زبان ترجمان سے دلوں کی دنیا بدلنے لگا۔

(۲) دہلی کی مشہور و معروف شخصیت، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ (۱۲۴۴ء) ہیں، جو بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور اپنے روحانی فیض سے لوگوں کو فیضیاب فرمایا۔

(۳) حضرت الدین اولیاءؒ (۷۲۵ / ۱۳۲۵) بھی اصلاً بخاری ہیں، آپ کے دادا محترم سید علی اور آپ کے نانا حضرت سید عرب نے بخارا سے ہجرت کر کے لاہور ہوتے ہوئے بدایوں کو اپنا مسکن بنایا، لیکن الدین اولیا نے اپنے شیخ و مرشد بابا فریدالدین گنج شکرؒ (۶۶۶ / ۱۲۶۵) کے حکم پر، دہلی کو فیض رسانی کا مرکز اس طرح بنایا کہ آپ کا جسد خاکی یہیں سپردِ خاک ہوا۔

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ / ۱۶۴۲) آپ کا خاندان بھی بخارا سے ہجرت کر کے دہلی پہنچا آپ نے جہاں علم حدیث کی شمع جلائی درسِ حدیث اور شرحِ حدیث کا ایک روشن باب قائم کیا وہیں اولیائے کرام کے حالات و واقعات لکھ کر لوگوں کو اہل اللہ سے قریب کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی، نیز علمی فیض کے ساتھ روحانی فیض سے بھی لوگوں کے دلوں کو محلی اور مصفی کیا۔

(۵) حضرت خواجہ باقی باللہؒ (۱۰۱۲ / ۱۶۰۳) اصلاً تو تھے کابل کے، مگر آپ نے اپنی باطنی تشنگی اور علمی پیاس بجھانے کے لیے ''ماوراء النہر'' کا اہل دل کی تلاش میں سفر کیا اور اپنے شیخ و مرشد حضرت محمد امکنگی (۱۰۰۸ / ۱۶۰۰) کی خانقاہ میں رہ کر راہ سلوک کی آخری منزل طے کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے شیخ خواجہ محمد امکنگی نے حکم فرمایا، کہ آپ کو دہلی کی روحانی سلطنت کا تاج ملا ہے آپ وہاں جا کر روحانی فیض رسانی کا فریضہ انجام دیں، چنانچہ دہلی تشریف لائے اور خلق خدا کو فیض یاب فرمایا۔

(۶) حضرت چراغ نصیر الدین دہلویؒ (۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) آپ اصلاً خراسانی ہیں، آپ کے جدامجد مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کرتے رہے، پھر دہلی کو آپ نے فیض رسانی کا مستقر بنایا۔

(۷) امیر خسروؒ (۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء) آپ بھی ہزارہ بلخ کے رہنے والے تھے، مگر دہلی کو روحانی افادے کا گہوارہ بنایا۔

(۸) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (۱۱۹۵ھ) کے آباؤ واجداد اصلاً طائف کے رہنے والے تھے، رب کریم کو ان سے اس ملک کو زینت بخشنی تھی تو نظام قدرت بنا کہ اہل خاندان طائف سے ترکستان گئے (یعنی علاقۂ بخارا و سمرقند) وہاں سے دہلی آئے، دہلی میں ولایت کے تخت و تاج کے مالک بن کر حضرت مرزا نمودار ہوئے، اور بے شمار خلائق کو آپ نے روحانی فیض پہنچایا۔

یہ ہیں وہ حضرات جنہوں نے باہر سے آ کر دہلی کی سرزمین کو روحانیت سے سرفراز کیا۔

اولیائے ہند اور علم حدیث

عام طور پر جو شخصیات، ولایت اور بزرگی کے میدان میں مشہور ہوتی ہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا شغف، صرف اور صرف دلوں پر محنت کرنا ہے، علم حدیث سے شغف ان میں نہیں ہوتا حالاں کہ ایسا نہیں۔

- شیخ نظام الدین اولیاءؒ جہاں علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مہارت رکھتے تھے وہیں علم حدیث سے بھی آپ کو زبردست شغف تھا اور چوں کہ بارہویں اور تیرہویں صدی میں ہمارے ملک میں درس حدیث کی معراج مشارق الانوار تھی، اس لیے آپ نے مشارق الانوار کا درس اس دور کے مشہور محدث حضرت کمال الدین صاحب سے حاصل کیا، ۱۲۸۰ء میں آپ کو انہوں نے سندِ حدیث بھی پیش کی، جس کی نقل کتاب سیر الاولیاء صفحہ ۱۰۴ پر موجود ہے۔
- اسی طرح آپ کے جانشیں، شیخ نصیر الدینؒ جو چراغ دہلوی کے نام سے مشہور و معروف ہوئے، جن کی وفات ۱۳۵۶ء میں دہلی میں ہوئی، آپ کو بھی علم حدیث سے شغف تھا، جو درحقیقت حضرت نظام الدین اولیاؒ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے مخصوص لوگوں کو علم حدیث سے دلچسپی اور انہماک رکھنے کی تاکید کرتے تھے، چناں چہ شیخ چراغ دہلویؒ کے جو

ملفوظات ہیں، جنہیں خیر المجالس کہا جاتا ہے، ان کو دیکھنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علم حدیث پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

● اسی طرح شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے جانشین، سید محمد گیسودراز (۱۴۲۲ء) انہوں نے بھی علم حدیث پر گہری معلومات حاصل کیں۔ علم حدیث ان کے مطالعہ کا ایک اہم حصہ رہا کرتا تھا چناں چہ مشارق الانوار کی انہوں نے شرح بھی لکھی، جس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ حدیث کی تاویل وتوجیہ تصوف کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے تھے اسی کے ساتھ مشارق الانوار کا ترجمہ بھی کیا، کتاب الاربعین نامی کتاب بھی لکھی۔

● اسی طرح حضرت شرف الدین منیریؒ جن کی ولادت (۶۶۱ / ۱۲۶۳م :۷۸۶ / ۱۳۸۱) میں بہار شریف سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ''منیر'' نام کے گاؤں میں ہوئی، وہاں آپ نے اپنے استاذ، ابوتوامہ حنبلی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی، ۱۲۵۱ء میں آپ دہلی گئے اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے ملاقات کی، پھر لاہور گئے اس کے بعد تقریباً تیس سال تک خلوت نشینی اختیار کرتے ہوئے عبادت وریاضت میں لگے رہے۔

لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک ممتاز محدث بھی تھے، حدیث سے متعلق بہت سی علمی باتوں مثلاً: حدیث کی سند، راویوں کے حالات، مصطلحات حدیث، تاویل حدیث، اور علم حدیث کے بہت سے علمی مضامین پر گہری نظر رہی، اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے بالمقابل آپ کی نظر علم حدیث پر زیادہ تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے استاذ حنبلی عالم ابوتوامہ تھے، ممکن ہے ان کے پاس بہت سی کتابیں بھی ہوں، چناں چہ شیخ زین الدین ساکن دیوہ نے، آپ کو مسلم شریف کا ایک نسخہ بھی بطور ہدیہ دیا تھا۔ (علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ:۹۶)

ان باتوں کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک ہند میں جن اولیائے کرام سے اللہ تعالی نے انسانوں کے دلوں کو جلا بخشی اور ولایت کا چراغ یہاں جلتا رہا وہ حضرات علم حدیث کے واقف کار بھی تھے اور خدمتِ حدیث میں لگے بھی رہے

اولیاء کی تابناک زندگی پر کتابیں

دہلی جس کو آپ درویشوں کا دیش، خواجاؤں کی چوکھٹ کہتے ہیں، یہ وہ تاریخی قدیم شہر ہے، جس کو ایسے بے شمار اولیاء کرام، اور مشائخ عظام نے اپنا مسکن بنایا، جو عشق الٰہی میں سرشار، محبت الٰہی کے اسیر، انس و محبت، تسلیم و رضا کے پیکر، توکل و قناعت، خلوص و خدمت کے مجسم تھے، جو اسوۂ نبوی کی تعلیم و تربیت میں مصروف بھی رہا کرتے، دلوں میں عشقِ الٰہی کی چنگاری بھی پھونکتے، محبت نبوی کی خوشبو بھی پھیلاتے، اور پھر اسی سرزمین میں پیوند بھی ہو گئے۔

عشق الٰہی کے ایسے متوالوں اور محبت نبوی کے ایسے پروانوں کی صحیح تعداد کون بتا سکتا ہے؟ تاہم مرور زمانہ ایسے نام و ہستی کو مٹا نہ دے، بہت سے اہل دل نے، ان روشن ضمیر حضرات کے احوال قلمبند کئے ہیں، اس عاجز کو سفر سے پہلے ایسی کتابوں کی تلاش ہوئی کہ ان کے آستانوں پر پہنچنے سے پہلے ان کے حالات نظر نواز ہو جائیں۔

اور اس لئے بھی کتابوں کی تلاش رہی کہ خانقاہوں، اور عشق و محبت کی دوکانوں میں یہ بات مشہور ہے، کہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ کہ جہاں صالحین کا تذکرہ ہوتا ہے وہاں رحمت اترتی ہے تو انکا تذکرہ پڑھ کر رحمت الٰہی سے بہرہ ور ہو سکیں، اور اس لئے بھی کتابوں کی تلاش رہی کہ صالحین کے احوال و واقعات پڑھنے اور سننے سے دلوں کو سکون و قرار ملتا ہے، جیسا کہ قرآن کی اس آیت كَلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ سے پتہ چلتا ہے، تلاش کے بعد چند کتابیں میرے ہاتھ آئیں، ان کتابوں کی فہرست دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دہلی اور ہند میں کس قدر اولیاء کرام کی آمد ہوئی اور ان حضرات پر کتنی کتابیں لکھی گئیں۔

- چنانچہ دور شاہجہانی میں سب سے پہلا تذکرہ، کلمات الصادقین کے نام سے لکھا گیا جس میں ۱۲۵ صوفیاء کا ذکر خیر ہے۔
- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں ۲۲۵ اولیاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔
- تذکرہ جمیع اولیاء دہلی میں ۲۰۹ اہل اللہ کا ذکر خیر ہے۔

● اسی طرح دہلی کے ۲۲ خواجہ نامی کتاب میں ۲۲ اہل نسبت کا ذکر جمیل ہے، اس کے علاوہ اگر آپ کتابوں کی دنیا میں جھانکیں، تو بے شمار کتابیں نظر نواز ہوں گی، مثلاً: اخبار الاصفیاء، گلزار ابرار، سفینۃ الاولیاء، مرآۃ الاسرار، کرامات الاولیاء، سیر الاقطاب، زبدۃ المقامات، تاریخ قادریہ، تذکرۃ الکرام، وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کتابوں کا مختصر تعارف اگر درکار ہو تو ''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' کا مقدمہ ملاحظہ فرمایئے اور ان کے حالات سے دلوں کو روشن کیجئے۔

۶۵۰ سالہ مسلم حکومت کا زرین دور

مجھے اگر محدثین و اولیاء کی تاریخ پڑھنے کا شوق ہوا تو وہیں میرے دل میں، بادشاہوں کے مختصر احوال اور کارناموں کو بھی دیکھنے کا شوق جاگا، چنانچہ دوران مطالعہ نظر آیا کہ سونے کی چڑیا دہلی کو سب سے پہلے اگر کسی حکمران نے اپنا پایہ تخت بنایا، تو وہ ہے قطب الدین ایبک۔ ان کی تخت نشینی ۱۱۹۵ عیسوی میں ہوتی ہے، پھر مسلم بادشاہوں کا زریں دور شروع ہوتا ہے، کم و بیش ۶۵۱ سال حکمرانوں نے یہاں حکمرانی کا حق ادا کر دیا، مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر تھے، جو نہایت بے کسی بے چارگی کے عالم میں انگریز کے ہاتھ گرفتار ہوئے، رنگون میں حبس دوام کی سزا کاٹتے ہوئے، خاندان مغل کے اس بے یار و مددگار بادشاہ نے دم توڑ دیا، اور وہیں مدفون ہو کر سپرد خاک ہو گئے۔ مسلم سلاطین کے دور حکومت کا اجمالی خاکہ اخیر کتاب میں ضمیمہ کے تحت ''دہلی نامہ تاریخ و آثار نامی کتاب'' کے حوالہ سے ملاحظہ فرمایئے۔

ہندوستان کا نقشہ کیوں کر پلٹ گیا

ساڑھے چھ سو سالہ دور حکومت کے بارے میں یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ تمام تر بادشاہوں کا شیوہ صرف اپنی حکومت و بادشاہت، طاقت و قوت اور زمام سلطنت کو بڑھانا ہی تھا، بلکہ انہوں نے دینی اسلامی تعلیم و تربیت، علم کی نشر و اشاعت، مساجد و مدارس کا قیام و انتظام، خانقاہ و مکاتب کی بھی فکر کی۔ تاہم اس قدر طویل دور حکومت میں اگر کما حقہ دو کام کئے جاتے۔ تو

مسلمانوں کی وہ زبوں حالی اور سیاسی کمزوری نہ ہوتی جس نے مسلمانوں کی ملی، قومی، سیاسی اور اقتصادی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

(۱) اگر ملکی اور شہری پیمانے پر، دین و شریعت کی نشر و اشاعت، تبلیغ دین اور ترویج اسلام کی کوشش کی جاتی، ہر باشندہ کو محاسن اسلام سے روشناس کرایا جاتا، اور حسن اخلاق کا مظاہرہ ہر دم کیا جاتا۔

(۲) قوم مسلم کی علمی، اخلاقی اور معاشی ترقی کی بھرپور کوشش کی جاتی۔

اگر پوری طاقت وقوت، تدبیر و مصلحت اور حسن اخلاق کے مظاہرے کے ساتھ یہ دو کام بادشاہوں کی طرف سے کیے جاتے تو اس ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

ناخواندگی، بدخلقی، بداعمالی، معاشی بدحالی، احساس کمتری اور فکری پستی نہ ہوتی؛ بلکہ اکثر و بیشتر تعلیم یافتہ، با اخلاق، با عمل اور خوشحال ہوتے نیز تعلیم و ایجوکیشن، تجارت و صنعت اور کاروبار و کمپنی میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہتے، مگر افسوس! ایسا نہ ہوا، شاید اسی کی سزا بھگتنے کے لئے زمانہ دستک دے رہا ہے، ملک کا ہر باشندہ بے چین و بے قرار ہے، مستقبل خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے، اور ظلم و ستم کے منصوبے صرف بنتے نہیں بلکہ بڑی چالاکی سے پارلیمینٹ میں پاس بھی کر لئے جاتے ہیں، رب کریم اپنے فضل و کرم سے نصرت و حفاظت کا سایہ تا دم قیامت اس خاک ہند پر برقرار رکھے۔ آمین

دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رولائے کیوں

دہلی کی ۹۲ مساجد اذان کے لئے ترس گئیں

دہلی کی مساجد کی دید و زیارت کے درمیان آپکی روح تڑپ جائے گی، جب آپ مسجدوں کا وہ حال دیکھیں گے جس کا خواب و خیال بھی نہ ہوا ہوگا، ملک ہند کی آزادی کے بعد جو

دردناک اور خوف و ہراس کا ماحول پیدا ہوا، ہزاروں مسلمان لاپتہ ہو گئے، نہیں معلوم کس کو گور و کفن ملا، اور کون بے کفن زمین میں دب گیا، کون پانی میں بہہ گیا، یا کون آگ میں جل گیا، وہ تو خالق ارض و سماء ہی جانتا ہے، اس ہولناک مناظر سے اکثر و بیشتر دل لرز گئے، بہت سے پاکستان چلے گئے، کچھ علاقے مسلم آبادی سے خالی ہو گئے یا برائے نام رہ گئے، غیروں نے اس پر قبضہ جمالیا، دہلی میں کم و بیش بانوے ایسی مساجد ہیں جن پر دوسروں کے قبضے ہیں یا وہ ویران بنی آج بھی مرثیہ خواں ہیں، نہ اذان و اقامت، نہ نماز و تلاوت، نہ ہی خطبۂ جمعہ، اور نہ خطیبوں کے خطابات۔ (دہلی کی تاریخی مساجد)

اگر آپ چلے جائیں تو روح کانپ اٹھے گی، آپ کی غیرت و حمیت ابھر جائے گی، جوش ایمانی میں طغیانی آجائے گی، اللہ اللہ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ جہاں پیشانی سجدہ ریز ہوتی رہی آج وہاں گوبر و پیشاب بہتے ہیں، جہاں ذکر و مجالس کا غلغلہ ہوتا رہا اب وہاں پرندوں کی آواز ہے، جہاں کبھی اہل تہجد ندامت کے ساتھ سسکیاں لیتے ہوں مگر اب مرد و زن کے خراٹے ہیں جہاں کبھی تلاوت کی آواز ہوتی مگر اب موبائل پر گانے اور رقص و سرور ہے، مسجد کی اس ویرانی اور بے سروسامانی کو دیکھ کر دل کلیجے کو آجاتا ہے؛ مگر کیا کیجئے، بے کسی اور بے بسی ہے، ان مساجد کو خالی کرانے کی نہ کوئی سبیل ہے نہ کوئی شکل۔

منبر و محراب کی صدا

اگر آپ مسجد قرطبہ کی زبوں حالی پر رنجیدہ ہیں اور دیگر علاقوں کی مسجدوں کی ویرانی پر غمزدہ ہیں تو دہلی شہر میں گھوم جایئے، آپ کی آنکھیں ان مسجدوں کو دیکھ کر پتھرا جائیں گی، نقشہ تو مسجد کا ہوگا، مگر ممبر و محراب نہ دارد، آپ کا زندہ دل محسوس کرے گا کہ آپ کو ممبر و محراب صدا لگا رہے ہیں کہ ہماری حالت زار پر تم کو رحم نہیں آتا؟ کیا تمہاری ایمانی غیرت مردہ ہو چکی ہے؟ اسی قسم کے سوالیہ احساس کے ساتھ آپ اپنی بے بسی پر کف افسوس ملتے ہوئے، اور آنکھوں کو

نچوڑتے ہوئے دلوں میں حسرت لئے واپس لوٹیں گے۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحدِثُ بَعدَ ذٰلِکَ اَمرًا

دہلی کی پہلی مسجد "قوۃ الاسلام"

سرزمین ہند پر اسلامی شان وشوکت کی فتح وکامرانی کا اسلامی پرچم لہرانے والا پہلا خوش نصیب بادشاہ، قطب الدین ایبک ہے جس نے دہلی کی سرزمین پر سب سے پہلی مسجد تعمیر کرنے کی سعادت حاصل کی، گویا جس شہر کو ہمیشہ کے لیے دارالسلطنت بننا تھا، اس پر خانۂ خدا بنا کر پہلی بار زینت بخشی، اس کی شاندار تعمیر کا آغاز آج سے قریباً ۸۱۸ سال قبل ۱۱۹۰ میں ہوا، ۲۷ ستونوں پر بنی ہوئی یہ پرشکوہ، بارعب، اور باہیبت مسجد جب تنگ ہونے لگی تو سلطان علاؤ الدین خلجی نے اس کی توسیع کی، اور قطب مینار جو احاطۂ مسجد سے باہر تھا وہ توسیع کے اندر آ گیا، گویا سو سال بعد جو مینار پہلے صحن سے باہر تھا اب اس کا رشتہ صحن مسجد سے ہو گیا۔

پہلی مسجد بھی اذاں کو ترس گئی

مگر اب یہ مسجد کھنڈر کی شکل میں ہے، نہ اذاں ہے نہ سجدے، نہ اس میں تلاوت ہے نہ اعتکاف، نہ تعلیم ہے نہ مجلس ذکر، بلکہ ویران وسنسان ہے، اور اذان واقامت سے محروم، البتہ دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کے لیے دلچسپی کا سامان بن چکی ہے، دنیا کے سب سے اونچے قطب مینار کی سیر وسیاحت کو آنے والے سیاح جب آتے ہیں تو اس کھنڈر مسجد کی بھی زیارت کر جاتے ہیں، اگر مسجد کو آپ جائیں تو آپ کا دل ٹوٹ جائے، ذہن ودماغ غمزدہ ہو جائے گا، کہ جس مسجد کو سینکڑوں سال سلاطین وامراء، عوام وخواص، علماء اور مشائخ ہمیشہ اپنی عبادت وریاضت اور ذکر وتلاوت سے آباد رکھا، آج وہ ایک سجدہ کو ترس رہی ہے، بلکہ سیاحوں کے قدموں سے پامال ہو رہی ہے، قطب الدین ایبک ۱۲۱۰ میں وفات پا گئے، اسی مسجد کی مغربی جانب سلطان التمش کا مزار ہے، جو انہوں نے اپنے جیتے جی اپنے مرقد کے لئے خاص کر لیا تھا۔

ہندوستان کی پہلی مسجد کہاں؟

اہل ایمان کی خصوصیت کہیے، یا ان کی شناخت، ان کی خوبی کہیے، یا ان کی پہچان، جس دیش میں گئے، سیرت و کردار اور حسن اخلاق کے ساتھ اسلامی شعار کو بھی زندہ تابندہ رکھا، نماز واذان، اور مسجد ومحراب ان کا شعار ہے، اہل عرب سرزمین ہند سے زمانۂ قدیم سے ہی وابستہ ہیں، ساحلی علاقوں میں ان کی آمد ورفت رہی، حسن اخلاق سے برادران وطن کے دلوں کو جیتتے رہے، کچھ اہل ایمان کیرلا کے علاقے میں آئے وہاں کے غیر مسلم راجا کے دل کو سیرت و کردار، اخلاق ورواداری سے موہ لیا، اس نے اہل ایمان کی زندگی، معاملات کی درستگی، رفتار وگفتار کی پاکیزگی، تواضع وانکساری کی خوبصورتی، اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار وہمدردی کو بہت قریب سے دیکھا تو ایک بستی میں مسجد بنانے کی اجازت دی، تاریخ میں وہی مسجد ہندوستان کی پہلی مسجد کہلاتی ہے، اور خوش نصیبی یہ ہے کہ وہ مسجد آج تک موجود بھی ہے، سجدوں سے آباد بھی، موجودہ دور کے مسلمانوں کو حسن کردار کی تاثیر بھی سناتی ہے اور برادران وطن کو رواداری کی مثال بھی دے رہی ہے۔

پہلی مسجد کیرلا میں

ہندوستان کے مشہور صوبہ کیرلا کے ضلع ''ترشور'' کے ایک گاؤں پراوُر کوڈنگلور (kodungallur) میں ہندوستان بلکہ برصغیر کی پہلی مسجد ۶۲۹ء میں تعمیر ہوئی، جب کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ۶۳۲ء میں ہوتی ہے، اگر تعمیر کی اس تاریخ کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دورِ نبوت میں ہی اس مسجد کی تعمیر سرزمین ہند پر ہو چکی ہے، گویا نورِ نبوت کسی نہ کسی واسطے سے آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہی یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اُس وقت مسجد کی لمبائی ۶۱ میٹر ۲۰۰ فٹ تھی، اور چوڑائی ۲۴ میٹر ۷۹ فٹ تھی، اندازِ تعمیر دیگر مساجد سے ذرا مختلف تھا، نہ گنبد تھا، نہ مینار، نہ منبر، بلکہ اس علاقہ میں جو ''مالاباری'' طرز

تعمیر سے مکانات بنائے جاتے تھے، اسی انداز پر اس مسجد کی تعمیر ہوئی، البتہ جو تعمیر نو ہے وہ اسلامک کلچر کے مطابق ہے۔

کیرلا میں پہلے تابعی کی آمد

حتمی اور یقین طور پر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کونسے تابعی سب سے پہلے کہاں پہنچے، البتہ حضرت حسن بصریؒ کے تربیت یافتہ، حضرت مالک بن دینار اشاعتِ دین کے لیے کیرلا تشریف لائے، تاریخ میں اس میں تو کوئی اختلاف نہیں، البتہ ان کا مزار کہاں ہے اس میں اختلاف ضرور ہے، کچھ کا کہنا ہے کہ کوفہ میں ہی ہے، اور دیگر حضرات ایک ایسے مزار کی نشاندہی کرتے ہیں جو کیرلا کے اسی مقام پر پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دہلی کی جامع مسجد ''مسجد جہانماں''

وطن عزیز ہندوستان پر ساڑھے چھ سو سالہ، مسلم دورِ حکومت کی شاندار، شان و شوکت سے لبریز، ان کی عظمت کی شاہکار اور ان کے ذوق جمیل کی آئینہ دار، ہندوستان کی بہت ساری تاریخی یادگاریں ہیں جن میں بطور خاص قابل دید، حیرت انگیز، دلکش و دلربا چند تعمیرات ہیں، مثلاً دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، قطب مینار، فتح پوری مسجد، موتی مسجد، ہمایوں کا مقبرہ، مسجد قوۃ الاسلام اور مشائخ کے مزارات۔

تو آیئے! سب سے پہلے ہم جامع مسجد چلتے ہیں، جس کی دید میری آنکھوں میں اس طرح سما چکی ہے کہ لال قلعہ سے مغربی جانب ایک ہزار گز کے فاصلے پر، جامع مسجد ہے جس کو ''مسجد جہاں نما'' بھی کہتے ہیں، دنیا بھر کی اس مشہور و معروف تاریخی مسجد کی بنیاد شاہ جہاں (۱۶۶۶ء) نے، ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ/ ۱۶۵۰ء میں رکھی، ۱۶۵۶ء میں اس کی تکمیل ہوئی، شاہ جہاں کے دل میں خانۂ خدا کی عظمت دیکھئے کہ اس نے اعلان کیا کہ اس کی بنیاد اس شخصیت کے ہاتھوں ہوگی جن کی نماز تہجد اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔ اس اعلان پر کسی نے بھی آگے

بڑھنے کی ہمت نہ کی، وہ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھے کہ اب تو میرا راز فاش ہوگیا، کیونکہ بفضل الٰہی بلوغت کے بعد سے نہ تہجد فوت ہوئی، اور نہ ہی تکبیر اولیٰ۔ چنانچہ اپنے ہاتھوں انہوں نے سنگ بنیاد رکھی۔

تعمیراتی انداز

اس کی تعمیر میں پانچ ہزار مزدور، ۶ رسال تک مشغول رہے، جس پر دس لاکھ روپئے اس زمانے کے لحاظ سے خرچ ہوئے، جبکہ ہر قسم کے پتھر خاص کر سرخ رنگ پتھر راجاؤں اور نوابوں نے اپنی طرف سے بطور نذرانہ بھیجا تھا، گویا پتھروں کے علاوہ تعمیر، پتھر کی تراش وخراش اور مزدوری میں دس لاکھ روپئے آج سے تقریباً تین سو اسی سال پہلے خرچ ہوئے ہیں۔

مسجد کی بلندی اس قدر ہے کہ سطحِ زمین سے صحن مسجد تک اگر جانا ہو تو کسی جانب سے کم از کم، ۳۵ یا ۳۹ سیڑھی چڑھ کر ہی آپ مسجد کے صحن تک پہنچ سکتے ہیں، اس مسجد کی خوشنمائی میں دو مینار کا بہت اہم کردار ہے، جس پر نقش ونگار اس کی بناوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، دونوں مینار کی بلندی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ۱۳۰ فٹ بلند ہے، اس کے اوپری سرے تک پہنچنے کے لئے کم از کم ۱۲۰ سیڑھیاں آپ کو چڑھنی ہوگی۔

یہ وہ مسجد ہے جو اپنی وسعت وکشادگی حسن وجمال زیبائش وخوبصورتی ودل آویزی اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے، ۲۵۰۰۰ ر ہزار سے زیادہ مصلی نماز ادا کر سکتے ہیں، اندرونی حصہ ۲۶۱ فٹ طویل اور ۹۰۰ فٹ عریض ہے، مخروطی اعتبار سے اس کی بلندی، ۴۰۰۰۰ میٹر یعنی ایک لاکھ تیس ہزار فٹ ہے، دنیا بھر کی چند منتخب مساجد میں اس کا شمار ہوتا ہے، آثارِ قدیمہ میں یہ شامل ہے، دنیا بھر کے زائرین اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، یہ مسجد مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگار ہے اور اس کے منبر ومحراب، اس کی در ودیوار مسلمانوں کو اپنی عظمت پر لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں۔

پہلی امامت کس نے کی؟

جب ۱۶۶۵ عیسوی میں شاہ جہاں کی تمنا پوری ہوگئی اور تعمیر اپنے اختتام کو پہنچی تو بادشاہ کے دل میں یہ خیال آیا، کہ پہلی امامت کے لئے، ایک ایسے شخص کو دعوت دی جائے جو تقوی وطہارت، خلوص وللّٰہیت، نسبت وانابت، عبادت ومجاہدہ، اور زہد وورع، میں کامل ومکمل ہو، چنانچہ انہوں نے شہر بخارا کے حاکم سے گزارش کی، انہوں نے سید عبدالغفور صاحبؒ کو بصد احترام بخارا سے دہلی روانہ کیا، جب یہ دہلی پہنچے تو شاہجہان ان کے چہرے کی روحانیت وتابانی، ان کے رفتار وگفتار، وضع قطع، اور بے لوثی سے بہت متاثر ہوئے، انہیں امام السلطان کا خطاب دے کر ان سے عیدالفطر کی امامت کروائی، اس کے بعد پھر وہ ایسے جچے اور دلوں میں ایسے بسے، کہ مستقل امامت کے منصب پر فائز ہوگئے، ان کے خلوص وللّٰہیت کا اثر ہے کہ تا حال ان ہی کا خاندان اس منصب پر اپنی خاص وضع قطع کے ساتھ آج بھی فائز ہے۔

فتح پوری مسجد

دہلی کی مشہور ومعروف اور دلکش ودلفریب ایک اور مسجد ''مسجد فتح پوری'' کہلاتی ہے، جو مغل فن تعمیر کا ایک خوب صورت نمونہ ہے، جس کی تاریخ کچھ اس طرح ہے کہ شاہجہاں کی چار بیگم تھیں، شاہجہاں نے ان چاروں کی طرف سے کوئی نہ کوئی یادگار تعمیر چھوڑی ہے، جن میں ایک بیوی ممتاز محل کی یادگار میں تاج محل بنوایا، اور ایک بیوی جس کا نام فتح پوری بیگم تھا، ان کی یاد میں فتح پوری مسجد، ۱۶۵۰ عیسوی میں تعمیر کرائی، صحن کے اردگرد طلباء کی رہائش کے لئے ۶۹ کمرے بنائے، جس میں قیمتی لائبریری بھی تھی۔ (تفصیل کے لئے دہلی کی تاریخی مساجد صفحہ ۲۳۴ ج:۱ ملاحظہ فرمائیں)

موتی مسجد

دہلی میں بے شمار مسجدیں ہیں، جن سے اس زمانے کے بادشاہوں اور عوام کے ذوق اور شوقِ عبادت کا پتہ چلتا ہے، انہیں مساجد میں ایک اہم مسجد ''موتی مسجد'' ہے..... لال

قلعہ کے اندر، جہاں چند حیرت انگیز یادگار اور نقش و نگار سے بھرپور عمارتیں ہیں، وہیں بہت ہی دیدہ زیب موتی مسجد بھی ہے، جس کے حسن و جمال اور دلفریب فنکاری کی یکتائی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ اگر کسی نے موتی مسجد کو نہیں دیکھا، تو اس نے گویا لال قلعہ کو نہیں دیکھا، یہ وہ مسجد ہے جس کو اورنگ زیب عالمگیر نے (۱۷۰۷ء) بنوائی،، ۱۰۷۰ مطابق ۱۶۵۹ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی، اور ۱۶۶۰ میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار کی لاگت سے تیار ہوئی، صحن کی لمبائی ۴۰ فٹ اور عرض ۶۵ فٹ ہے، البتہ یہ مسجد بیگمات اور شہزادیوں کے لئے خاص تھی۔ (دلی کی تاریخی مساجد ج:۱، ص:۲۴۳)

دہلی کے محدثین ومشائخ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے آستانے پر

گروہ محدثین میں جن قدسی حضرات سے، اس عاجز کو بے پناہ عقیدت ومحبت، اور عظمت وتعلق ہے، ان میں سرفہرست حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ذاتِ گرامی ہیں، کیونکہ کتب احادیث میں سب سے پہلی جو کتاب حدیث پڑھنے کی مجھے سعادت ملی، وہ تھی مشکوٰۃ شریف، شروحات حدیث میں سب سے پہلے جس شرح سے استفادے کا موقع ملا وہ تھی اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ، اور درس حدیث کا پہلا سبق، جس استاذ مکرم سے پڑھنے کا شرف ملا وہ تھے مردم ساز، حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحبؒ (م: ۲۰۱۳ء) کی ذاتِ گرامی، فارسی زبان کی اس شرح کو جستہ جستہ پڑھتا گیا شیخ کی محبت دل میں پیوست ہوتی گئی اسی دور طالب علمی سے ان کے نام میں ایک حلاوت محسوس کرتا رہا اور ان کے خاندان کا نیاز مند رہنے لگا۔

مزار پر حاضری

سب سے پہلے دور طالب علمی میں، مشتاقانہ اور بے تابانہ انداز میں، ان کے مزار پر پہنچا، جو کچھ بن پڑا ایصال ثواب کیا، پھر دوبارہ حضرت شیخ عبدالحق کے انیسویں پشت کے پوتے، محترم منصور حقی صاحب کے ساتھ جانے کا موقع ملا، یہ حاضری کچھ عجیب پر کیف تھی، علم حدیث کے انوارات اور رحمتوں کی عجیب برسات تھی، یاد تو نہیں کہ کس کتاب میں پڑھا تھا مگر پڑھنا یاد ضرور ہے کہ شیخ کے انتقال کے بعد مدتوں اہل دل حضرات نے ان کی قبر پر انوارات کی لکیریں، اور شعاعیں دیکھی تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

۹۵۹ ——— ۱۰۵۲

۱۵۵۲ ——— ۱۶۴۲

آپ مغلیہ دور کے ممتاز محدث، علم حدیث کے نیر تاباں، سیرت وتاریخ کے نامور مورخ ہیں، آپ کی ولادتِ باسعادت دہلی میں ماہِ محرم ۹۸۹ھ/جنوری ۱۵۵۲ء میں ہوئی، قریباً بیس سال کی عمر میں علوم شرعیہ، عقلیہ، نقلیہ میں مہارتِ تامہ حاصل کر چکے تھے، دہلی کے باکمال اساتذہ سے فارسی، عربی، فقہ ومعقولات اور حدیث کی تعلیم مکمل کرنے کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

ملائے خشک ونا ہموار نباشی

بچپن سے ہی ظاہری اور باطنی کمالات کے درجے پر فائز تھے، آپ کے اساتذہ فرمایا کرتے کہ ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں کیوں کہ ہمیں تم سے نورانی، عرفانی فائدہ پہنچا ہے، مطالعہ کا عجیب ذوق آپ کو ملا تھا، خود لکھتے ہیں کہ کتابوں کے مطالعہ کے انہماک کی وجہ سے کئی مرتبہ میری دستار اور بالوں میں چراغ سے آگ لگ گئی، اور مجھے اس وقت پتہ چلا جبکہ حرارت سے دماغ کو گرمی محسوس ہوئی، میں جب تین سال کا تھا اسی وقت سے والد ماجد اہل معرفت، اہل نسبت کی باتیں سناتے رہتے، ظاہری اور باطنی تربیت فرماتے رہتے، ایک موقع پر والد صاحب نے فرمایا کہ ''ملائے خشک ونا ہموار نہ باشی''، اس کا نتیجہ تھا کہ بچپن سے ہی درود وسلام اور اوراد وظائف شب خیزی اور مناجات کی عادت تھی۔ (مدارج النبوۃ: ۴۰۳)

علمی تشنگی اور حرمین کا سفر

۹۹۶ھ/۱۵۸۸ میں علم حدیث میں مزید رسوخ پیدا کرنے، فن حدیث میں یدِ طولی حاصل کرنے، اور علمی روحانی فیوض وبرکات سے، بہرہ ور ہونے کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا، چار سال تک وہاں رہ کر علماء اور مشائخ سے علوم نبوت کے چشمے سے سیراب ہوتے رہے، خاص

کر شیخ عبدالوہاب متقیؒ (۱۰۰۱ھ) خلیفہ شیخ علی متقیؒ (م:۹۷۵ھ) صاحب کنز العمال کی صحبت میں زیادہ تر وقت گزار کر صحاح ستہ کی سندِ تکمیل حاصل کی، اور انہیں سے بیعت وارادت کا سلسلہ قائم کیا، روحانی فیض سے بھی مالا مال ہوئے، آپ کے استاذ وشیخ نے بہت ہی محبت وشفقت اور امیدوں کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا، کہ وہاں علم حدیث کا چراغ روشن کریں، طالبانِ علومِ نبوت کو قرآن وحدیث سے فیضیاب کریں، اور عوام وخواص کو دل کی دولت سے مالا مال کریں۔

۵۵ سال علمی کارنامے

دہلی شہر کو اپنے علمی فیضان کا مرکز بنایا، علم حدیث کی شعاعیں برصغیر سے پھیلنے لگیں، کشاکشاں شائقین کا ہجوم ہونے لگا، علم نبوت بھی پھیلنے لگا اور نورِ نبوت بھی دلوں تک پہنچنے لگا، آپ اس دور کے یکتائے روزگار محدث، سیرت ومغازی اور تاریخ وسوانح کے بلند پایہ مورخ کی نظر سے دیکھے جانے لگے، حرمین سے واپسی کے بعد تقریباً پچپنسال کا طویل عرصہ، علمی، عملی، اصلاحی، اور تصنیفی خدمات کے ذریعہ روح شریعت، مزاج شریعت اور فکرِ آخرت سے واقف کرانے میں گزرا، داراشکوہ نے ''امام محدثانِ وقت'' کے لقب سے آپ کو نوازا تھا۔

تصنیف وتالیف کے تین مقاصد

آپ مغلیہ سلطنت کے جس دور میں نمودار ہوئے، یہ وہ دور تھا جس میں علوم عقلیہ کا ہی زور اور غلغلہ تھا، منطق وفلسفہ، اصول وکلیات، ہیئت وفلکیات اور علم مناظرہ میں مہارت عقل ودانش کی پہچان بن گئی، قرآن وحدیث اور دیگر علوم شرعیہ سے دل چسپی یک گونہ فہم وفراست سے کمی کی دلیل سمجھی جاتی تھی، دنیوی عزت ومرتبہ اور حکومتی منصب کے لائق وہی سمجھا جاتا تھا جو علومِ عقلیہ سے دل چسپی رکھتا تھا۔

حضرت محدث دہلویؒ نے ایسے فرسودہ ماحول کا بہت گہرائی سے جائزہ لیا، اور یہ طے کیا کہ عوام وخواص کو قرآن وحدیث سے، نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے، اور اکابر ومشائخ

سے قریب کیے بغیر اس ماحول کو بدلا نہیں جا سکتا، اس کے بغیر دینی رجحانات کی شمعیں روشن نہیں ہو سکتیں، اسی وجہ سے آپ نے اپنی تصنیف کے بطورِ خاص تین دائرے رکھے، چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ کی شرح عربی اور فارسی دونوں زبان میں لکھی، اس زمانے میں اہل علم کی مرغوب زبان فارسی تھی، ایسے حضرات اپنی مرغوب زبان سے علم حدیث سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اسی طرح مدارج النبوۃ اور جذب القلوب اس مقصد سے لکھا، تا کہ اس کو پڑھ کر تاجدارِ مدینہ ﷺ سے عقیدت ومحبت، اور عظمت والفت پیدا ہو، آپ کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہو، اور رسم ورواج کے بجائے سنت ومستحب پر عمل کا جذبہ پیدا ہو۔

اخبار الاخیار نامی کتاب اس مقصد سے لکھی تا کہ لوگوں کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے پیروکار اور سیرت وکردار کے پیکر، حضراتِ اولیاء کی زندگی لوگوں کے سامنے آئے، ان کو پڑھ کر دل میں کچھ جذبہ ابھرے، اور دین وشریعت کے رجحانات بڑھیں، اسی مقصد کی تکمیل کے لیے مومن کے ماہ وسال نامی کتاب بھی لکھی، تا کہ ہندوستانی رسم ورواج اور توہمات کو چھوڑیں، بے سروپا کی تاریخی روایتوں سے بچیں، اور شریعت وسنت پر عمل کریں۔

دہلی کے دو ہم نام آفتاب ومہتاب

بہت سے اساطین علم وفضل ہم نام ہوتے ہیں، ان کے کارنامے بھی بے مثال ہوتے ہیں، ان کی زندگیاں بھی مشعلِ راہ بنتی ہیں، مگر لوگوں کو ایک دوسرے کے بارے میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس لیے خیال رہے کہ شیخ عبد الحق محدث گیارہویں صدی کے ہیں، جب کہ مفسرِ قرآن شیخ عبد الحق حقانیؒ چودھویں صدی کے ہیں، کیونکہ ان کی وفات ۱۳۳۶ھ میں ہوئی ہے، اس زمانے کے فرق کو سامنے نہ رکھنے کی بنا پر بہت سے لوگ دونوں کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں۔

فائدہ: جس طرح ابوداؤد نام کے دو محدث ہیں، ایک ابوداؤد سجستانی جن کی تصنیف سنن ابوداؤد ہے، یہ بعد کے ہیں اور ایک ابوداؤد طیالسی ہیں جن کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا، یہ

دونوں الگ الگ ہیں، بہت سے لوگ انہیں ایک ہی سمجھ لیتے ہیں۔

ملفوظات: بنام دوائے دردِ دل

- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سلوک کے افضل اعمال اور اقرب وسائل میں یہ طریقہ ہے کہ پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کی جائے، آئندہ گناہوں کے قریب نہ جائے، اور نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا جائے، اور کلمۂ توحید کا کثرت سے ورد کیا جائے۔
- فرماتے ہیں کہ سنت الٰہی اسی طرح سے چلی آرہی ہے کہ وصل الی المقصود مرشد کامل کے بغیر محالات میں سے ہے، اور مرشد کامل کا اس آخری زمانہ میں ملنا مثل وجود عنقا ہے، اور حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے، آخر زمانہ اور اول زمانہ اس کے یہاں برابر ہے، اور اللہ کا فیض ختم ہونے والا نہیں، اور پیغمبر خدا ﷺ کی روشن تعلیم سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔
- فرماتے ہیں جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اوراد و اعمال میں لگا رکھا ہے، اور استقامت و مداومت کی توفیق عطا کر رکھی ہے تو اس کو نظر حقارت سے مت دیکھو اگرچہ عارفوں عاشقوں کی علامت اس کے چہرہ پر نظر نہ آرہی ہو، اور یہ یقین رکھو کہ اس کے باطن میں انجذاب کی آواز پیدا ہوئی ہے، جو اسکے عبادت میں لگنے اور اس پر استقامت کا سبب بنی ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی اور نور توفیق اس کا رہنما نہ ہوتا تو استقامت و دوام کی یہ صورت بھی ظاہر نہ ہوتی۔
- صوفیا کا قول ہے کہ جو دل گرفتار بدعت ہے اس میں ہرگز نور ولایت داخل نہیں ہوسکتا۔
- فرماتے ہیں یہ بات بالکل واضح ہے کہ صراط مستقیم اعتقاداً و عملاً سلف صالح کا راستہ ہے جو کتاب و سنت کے مطابق اور جو چیز کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو وہ باطل اور رد کر دینے کے لائق ہے، بعض صاحب حال بزرگوں کے وہ احوال جو ان سے غلبۂ حال اور بے خودی میں صادر ہوئے اور کتاب و سنت کے موافق نہیں، وہ قابل اقتدا نہیں۔ [ملفوظات مشائخ نقشبند بحوالہ مکتوبات شیخ عبدالحق]

خواجہ قطب الدینؒ کے مزار پر

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مزار پر جاتے ہوئے آپ کے آستانے پر جانے کا موقع ملا، آپ کا نام نامی بہت پہلے سے سنا تھا، آپ کی عظمت کا نقش دل پہ بہت پہلے سے بیٹھا تھا،

روحانی اور عرفانی فیض کے تذکرے بار بار سنے تھے، اس بنا پر عقیدت و محبت کے ساتھ پہنچے، مسنون انداز میں ایصال ثواب کیا، اور پھر اس تمنا کے ساتھ لوٹے، کہ رب کریم ان خاصان خدا کے نقش قدم پر چلنے، دلوں کو گناہوں سے بچانے، اور قلب و روح کو محبت الٰہی سے آباد کرنے کا جذبہ عطا فرما، علم نبوت کے ساتھ نورِ نبوت سے بھی سرفراز فرما۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۵۸۲ھ ـــــــ ۶۳۳ھ

۱۱۷۳ء ـــــــ ۱۲۳۵ء

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (۶۲۷ / ۱۲۳۰) کے منظورِ نظر خلیفۂ اجل، حضرت الدینؒ کے محبوبِ دلبر، اور بابا فرید الدین گنج شکر (۶۶۶ / ۱۲۶۵) کے پیر و مرشد ہیں، عبادت و ریاضت زہد و قناعت، تسلیم و رضا، فقر و فاقہ، شب بیداری اور گوشہ نشینی میں بے مثال تھے، اپنے پیر و مرشد کے اخلاق و کردار اور سیرت کے لاثانی ہم مثل تھے۔

آپ کی ولادت ۵۸۲ / ۱۱۷۳ میں ملک ترکستان کے شہر ''اوش'' میں ہوئی، آپ کا نام نامی سید بختیار، لقب قطب الدین، اور کاکی عرف ہے، جب خواجہ معین الدین چشتی آپ کے علاقہ میں تشریف لے گئے تو آپ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے ان کی صحبت و معیت کے دلدادہ بن گئے، آپ کی باطنی پاکیزگی، روح و قلب کی عمدگی، اور سیرت و کردار کی پختگی نے شیخ کے دل میں آپ کو محبوب بنا دیا، بہت جلد تزکیہ و تحلیہ کے مراحل سے گزرے، اور صرف سترہ سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت خواجہ اجمیری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، شیخ نے رشد و ہدایت کا چراغ دے کر دہلی روانہ کیا، کہ آپ کی خدمت کا مرکز یہی شہر دہلی رہے گا۔

آپ کی روحانی محنت و کاوش کا رنگ حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت علاؤ الدینؒ صابر کلیریؒ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اور حضرت گیسو درازؒ پر بدرجہ اتم ظاہر ہوا، ان حضرات کی

زبان ترجمان سے آپ کا فیض جاری ہوا، آپ کا علمی فیض فوائد السالکین کی شکل میں آج بھی لوگوں کے دلوں کو روحانی غذا پہنچاتا ہے۔

بے مثال جنازہ

آپ کا انتقال صرف ۶۱، ۶۲ سال کی عمر میں ہوا، مہرولی میں آپ کو دفن کیا گیا، نمازِ جنازہ کے لیے ایک ہجوم جمع تھا، کسی نے آپ کی وصیت سنائی کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے، جس میں تین باتیں ہوں:

- کبھی کسی غیر محرم پہ نظر نہ پڑی ہو۔
- ہمیشہ تکبیر اولی کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔
- اور عصر کی سنت کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

اس اعلان کے بعد مجمع میں سناٹا چھا گیا، اس زمانے کے بادشاہ شمس الدین التمش (۱۲۳۶ء) روتے ہوئے آگے بڑھے، کہ میرے شیخ نے میرا راز فاش کر دیا، انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

قطبِ ہند کے ملفوظات

- راہِ سلوک میں چار چیزوں سے کمال آتا ہے:
  کم کھانے، کم سونے، کم بولنے، اور لوگوں سے میل جول کم رکھنے سے۔
- مرید پر لازم ہے کہ اپنے پیر کے طریقے پر ثابت قدم رہے، اس سے ذرہ بھر نہ بڑھے، تاکہ قیامت کو شرمندہ نہ ہوئے۔
- اگر محبت الٰہی چاہئے تو اپنے خواہشوں سے ناامید ہو جائے، تب جا کر مقامات حاصل ہوں گے نیز خوف الٰہی کوڑے کی طرح ہے جو بے ادبوں کے واسطے ہے، اہل سلوک کا قول ہے کہ طریقت کی راہ خوف ہے، جو شخص اس راہ میں قدم رکھتا ہے، اگر وہ اہل سلوک کے فرمان کے مطابق عمل نہ کرے تو خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا۔

- جب لطف الٰہی کی ہوا چلتی ہے تو لاکھوں شرابیوں کو صاحب سجادہ بنا دیتی ہے، اور بخش دیتی ہے، اور اگر قہر کی ہوا چلتی ہے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندۂ درگاہ بنا دیتی ہے، لہٰذا اس راہ سے بے غم نہ ہونا چاہئے، اسی بنا پر اہل سلوک خوف میں رہتے ہیں، کیوں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا؟
- توبہ کرنے کے بعد اس طرح کے گناہوں میں ملوث رہنے والوں سے تعلق نہ رکھے کیونکہ بُری صحبت سے بڑھ کر اور کوئی بری چیز نہیں، اس لئے کہ صحبت کی تاثیر ضرور ظاہر ہوتی ہے۔

(فوائد السالکین فرید الدین گنج شکرؒ)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مرقد

خلوص وللّٰہیت، اور ایثار وقربانی کے پیکر، اکابر دیوبند کے منظور نظر، حضرت گنگوہی کے صحبت یافتہ، مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث، اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مرقد، اور آپکی آخری آرامگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار سے چند فٹ کی دوری پر واقع ہے۔

حالات وکارنامے

آپکی ولادت 1292ھ 1875/ میں شاہ جہاں پور میں ہوئی، تعلیم وتربیت ابتداء آبائی وطن میں، پھر شاہی مراد آباد میں ہوئی، اس کے بعد 1896 میں حضرت شیخ الہند سے درس حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ مدرسہ امینیہ میں پچاس سال تک صدر المدرسین، اور شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز وقائم رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ تھے، کفایت المفتی، اور تعلیم الاسلام یہ دونوں آپکی عجیب علمی شاہکار ہیں۔

خصوصیات اور سانحۂ ارتحال

اللہ رب العزت نے آپ کو گوناگوں صفات وکمالات سے نوازا تھا، حدیث وتفسیر، فقہ

وفتاوی، حالات وزمان، اور سیاست وانتظام پر بڑی گہری نظر تھی، اپنے ہمعصروں کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر دیوبند کے معتمد خاص تھے، انکی نظر میں ایک زبردست، مفکر ومدبر، ومحدث وفقیہ اور خطیب تھے، فراست وبصیرت، اور دوراندیشی کا عجیب ملکہ تھا، اسی بناء پر جب آل سعود کی حکومت قائم ہوئی تو حکومت سازی کے لئے بلائی گئی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت آپنے کی، جمعیۃ علماء ہند کے مقبول ترین صدر رہے، عوام وخواص حتی کہ غیر مسلموں کے دلوں میں آپکی عجیب محبت تھی۔

آپ کا انتقال ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ/۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء میں ہوا، اس موقعہ سے حضرت حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ (۱۴۰۳ھ) تاخیر کی بناء پر نماز جنازہ کے وقت پر نہ پہنچ سکے، لیکن تدفین میں شریک رہے، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور علم وفضل کے اس آفتاب کو قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خانوادۂ ولی اللہی کے احسانات

علمی حلقوں میں، جس خاندان سے بے پناہ عقیدت ومحبت پائی جاتی ہے، جس کی عظمت وتقدس کے سامنے، ہر ایک کی گردن جھک جاتی ہے، اور جن کی بلند روحانیت کو دیکھ کر، ہر ایک کا دل مائل ہو جاتا ہے، اس خاندان کو خاندان ولی اللہی کہتے ہیں۔

پورے برصغیر میں، علم شریعت کی نشر واشاعت، اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس کی نشاۃ ثانیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکے چاروں لائق وفائق صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ) کے دور سے ہوتی ہے۔

رموزِ شریعت کے پاسبان

قرآن وحدیث کے علوم ومعارف، اسرار وحکم اور رموز شریعت کے وہ پاس باں

جن کی پاکیزہ زندگی کا ہر لمحہ، کلام ربانی کی تشریح، مقاصد شریعت کی دل نشیں تفہیم، تعلیم و تدریس کی ترویج، اور عوام و خواص میں سلوک و احسان اور محبت و عرفان کی تلقین میں گزرا، جن میں ہر ایک دہلی کے افق پر آفتاب و مہتاب کی طرح چمکتا دمکتا رہا، درس و تدریس ہو، یا تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت ہو یا عشق و محبت کی پراسرار توجیہات، ہر ایک کی قندیلیں اور شمعیں روشن کیں، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس خانوادے نے تقریباً سو سال تک وہ خدمات انجام دی ہیں کہ رہتی دنیا تک ملت اسلامیہ کا سر، ان کا نیاز مند رہے گا۔

چشمۂ علم و حکمت

شاہ ولی اللہؒ کے والدِ گرامی حضرت شاہ عبد الرحیمؒ (۱۱۳۱ / ۱۷۱۹) نے ایک ایسا بافیض چشمۂ علم جاری فرمایا جس کا سوتا دو صدی تک جاری رہا، جس سے غیر منقسم ہند کے ایسے ایسے طالبانِ علوم نے سیرابی حاصل کی، جو اپنے وقت کے نابغۂ روزگار، علم و فضل، تقوی و طہارت کے امام بنے، جن میں سے ہر کوئی بادل بن کر ملک کے طول و عرض میں، مردہ دلوں کی آبیاری کرتا رہا، فرسودہ ذہن و دماغ کو، نورِ علم سے جلا بخشتا رہا، انابت و للّٰہیت کا دیا جلاتا رہا، دو صدی بیت جانے کے بعد آج بھی وہ مدرسہ، مدرسہ رحیمیہ کے نام سے محبوبِ نظر ہے۔

آپ کے لائق فرزند حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے چاروں فرزند نیز حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ)، حضرت شاہ عبد الغنی مجددی (۱۲۹۶ھ)، حضرت شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۶ / ۱۸۳۱) قاری عبد الرحمن پانی پتی (۱۳۱۴ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ / ۱۸۱۰) وغیرہ اسی علمی سرچشمہ سے اس طرح سیراب ہوئے، کہ ہر کوئی بے مثال بے بدل کارنامہ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا۔

خانوادۂ ولی اللہی کے مزار پر

دہلی کے مشہور علاقہ ''مہدیان'' میں یہ پانچوں قدسی حضرات اپنے والد بزرگوار کے

ساتھ آسودۂ خاک ہیں، ان حضرات کے مزارات بالترتیب اس طرح بنے ہیں کہ کوئی زندہ دل چلا جائے، اور کسب فیض کا واقف کار پہنچ جائے، تو روحانی فیوض و برکات سے ضرور بہرہ ور ہوگا، اور روح و قلب میں فتوحات غیبیہ اور انوارات ربانیہ سے فیض یاب ہوگا۔

یہ عاجز دست بستہ نیاز مندانہ انداز میں کھڑا رہا، کچھ پڑھتا رہا دل ہی دل میں فیض کی نیت کرتا رہا، کچھ دیر بعد ذہن و دماغ پر علمی خدمات کے اوراق الٹنے لگے، جس کے کچھ حصے کچھ اس طرح تھے۔

شاہ ولی اللہؒ کے حالات

۱۱۱۴ھ ـــــــ ۱۱۷۶ھ

۱۷۰۳ء ـــــــ ۱۷۶۲ء

حضرت کی ولادت اس وقت ہوتی ہے، جبکہ والد مکرم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی عمر ساٹھ سال ہو چکی ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ / ۱۶۲۴) کی وفات کے اسی سال گزر چکے ہیں، جبکہ عالمگیر اورنگزیب کی وفات سے چار سال قبل، ۴ شوال ۱۱۱۴ مطابق ۱۷۰۲ میں آپ کی ولادت ہوتی ہے اور ۱۱۷۶ میں محرم کی آخری تاریخ کو، مختصر علالت کے بعد ۶۲ سال کی عمر میں، اس دنیا سے آپ رخصت ہوتے ہیں، دلی دروازہ کے بائیں جانب علاقہ مہدیان میں مدفون ہیں۔

آپ کے کمالات

علمی فکری تربیت کے ساتھ، عملی اور روحانی تربیت بھی والد مکرم نے ابتداء سے فرمائی، بچپن کے زمانے میں ایک دفعہ اپنے احباب کے ساتھ کہیں سیر کرنے چلے گئے، واپسی پر والد صاحب نے فرمایا ولی اللہ تم نے رات دن میں کیا حاصل کیا؟ میں اتنے وقفے میں اتنی مرتبہ درود شریف کا ورد بھی کر چکا ہوں، ظاہر ہے اس بات سے اپنے وقت کو قیمتی بنانے کی جہاں تربیت دینی تھی، وہیں ذات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کرنے کی طرف توجہ بھی دلانی تھی۔

والد مکرم نے ۱۴ سال کی عمر ہی میں آپ کو بیعت فرما کر، اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اوراد کی تربیت فرمائی، آپ نے بے پناہ محنت ومجاہدہ کے ذریعے اپنے قلب کو اس قدر مجلی ومصفی کرلیا اور کسبِ فیض میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی، کہ ۱۷ سال کی عمر میں ہی والد مکرم نے آپ کو خرقہ پہنا کر خلافت سے سرفراز فرمایا، اور راہِ سلوک کی خدمت بھی سپرد فرمادی۔

باطنی قوت تاثیر

آپ کے باطنی احوال بہت بلند تھے، روحانی اور عرفانی فیض سے قلب وروح کو لبریز کر چکے تھے، جس کا احساس اہل دل حضرات کو بھی ہوا کرتا تھا، چناں چہ استاذ خاص شیخ طاہر کردریؒ جنہوں نے بھی آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، ان کا اعتراف تھا کہ ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور معنی کی سند میں ان سے لیتا ہوں۔

درحقیقت یہ باطنی کمالات کی بلندی کا نتیجہ تھا، یہی وہ باطنی دولت ہے جو مشائخ کی تربیت وصحبت سے حاصل ہوتی ہے، اور انوار وتجلیات کے جذب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

حرمین سے فیضیابی

۱۱۴۳ کو حرمین کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے چودہ ماہ قیام کیا روضہ پاک پر جو روحانی مشاہدات ومکاشفات ہوئے، اس کو آپ نے فیوض الحرمین میں، بطور تحدیث نعمت ذکر فرمایا ہے، ''اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا، وہ یہ ہے کہ ۱۱۴۳ اور اس کے بعد کے سال، مجھے اپنے مقدس گھر کے حج کا دو دفعہ موقع نصیب کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی، اس سلسلے میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی سعادت، جو مجھے میسر آئی وہ یہ تھی کہ اللہ پاک نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطنی اور معرفت الٰہی کا ذریعہ بنایا اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کو میرے لیے بصیرت بنادیا''۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی کارنامے

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف و رسائل کی مجموعی تعداد بعض حضرات نے دوسو کے قریب بتلائی ہے جن میں سے چند مایۂ ناز یہ ہیں:

- فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، قرآن کریم کا ترجمہ ان سے پہلے بھی ہوا تھا، مگر اس کے باوجود بعض اعتبار سے فتح الرحمن کو ترجمۂ اول کی حیثیت حاصل ہے، کیوں کہ انہوں نے غایت درجہ احتیاط کے ساتھ، قرآنی الفاظ کے بقدر فارسی کے منتخب الفاظ استعمال کیے، اور ترجمہ میں اعتدال کا ایک عجیب اسلوب اختیار فرمایا۔
- خدمت قرآن سے متعلق، آپ کا ایک دوسرا بڑا کارنامہ، فوز الکبیر ہے، جو برصغیر میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے، جس میں مضامین قرآن کو پانچ ابواب (علم احکام، علم مجادلہ، علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ، علم التذکیر بالموت) پر منقسم کیا ہے۔

خدمت حدیث میں بھی آپ کا ایک الہامی کارنامہ ہے، جس پر برصغیر کے ہر مرتبۂ فکر کے علماء کی گردنیں جھکی اور نیاز مند ہیں کیوں کہ ہر عالم کا سلسلۂ سند آپ تک ضرور پہونچتا ہے۔

- تصنیفی اعتبار سے خدمتِ حدیث میں ام الصحیحین موطا امام مالک کی دو شرح، ایک بزبان فارسی ''مصفی'' اور ایک بزبان عربی ''مسوی'' مشہور و معروف ہے۔
- اسرار و حکم پر مشتمل مایۂ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے۔
- اسی طرح ہمعات، سطعات، لمعات یہ تینوں کتابیں تصوف و سلوک کی گراں قدر علمی مضامین پر مشتمل ہیں۔
- انفاس العارفین، سرور المحزون، الانتباہ فی سلسلۃ اولیاء اللہ، یہ اہل اللہ کے احوال اور ان سے منقول ملفوظات و معارف پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ بھی جو کتب ہیں، ان میں قرآن و حدیث کے اسرار و حکم اسی طرح اصلاح نفس، تزکیہ و تحلیہ، مسلک و مشرب، اجتہاد و تقلید سے متعلق بھی اہم مضامین ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۱۱۵۹ھ ـــــــ ۱۲۳۹ھ

۱۷۴۶ء ـــــــ ۱۸۲۳ء

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے والد گرامی کے سچے جانشیں، اور ان کے علوم ومعارف کے ترجمان تھے، دیگر اہل علم کے مقابلہ میں آپ کا فیض زیادہ پہنچا، آپ نے بھائیوں کے مقابلہ میں طویل عمر بھی پائی، اور خدمتِ دین کا زیادہ نصیبہ بھی آپ کے حق میں آیا۔

آپ کا لقب سراج الہند ہے ۲۵ / رمضان ۱۱۵۹ھ / اکتوبر ۱۷۴۶ء میں ولادت ہوئی اور وفات ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۲۳ء میں ہوئی گویا ۷۷ سال میں وفات پائی عجیب اتفاق کہ آپ کی عمر ۷ سال تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، اور خود پچیس سال کے جب ہوئے تو متعدد امراض میں مبتلا ہوگئے، قرآن سے عجیب شغف تھا، درس قرآن کا جو سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جاری کیا تھا، اس کو قائم ودائم رکھا۔ حسن اتفاق دیکھیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا آخری درس اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى پر ختم ہوا اور ان کا آخری درس اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ پر ختم ہوا۔

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ علمی خدمات قرآن وحدیث پر مشتمل ہے، آپ کا مشہور کارنامہ تفسیر فتح العزیز ہے، جو سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کی ابتدائی چوراسی آیات، اور پارہ انتیس اور تیس کی تفسیر ہے، اس کے علاوہ بھی تفسیری حصے تھے جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں ضائع ہوگئے۔

اسی طرح محدثین کے حالات پر ایک مجموعہ بستانِ المحدثین کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اصولِ حدیث سے متعلق ''عجالۂ نافعہ'' نیز آپ کے فتاوی، اور تحفۂ اثنا عشریہ بھی تصنیف لطیف ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ

۱۱۶۳ھ ـــــــ ۱۲۳۳ھ

۱۷۵۰ء ـــــــ ۱۸۱۸ء

قطار در قطار بنی قبروں میں، ایک نمایاں مزار، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا بھی ہے، آپ کی زندگی بھی درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر میں گزری، تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ، درس وافتاء کا بازار گرم رکھا، ہزاروں تلامذہ فیض یاب ہوئے مکمل قرآن کی تفسیر آپ کے قلم سے منصۂ شہود پر نہ آسکی، لیکن سورۂ نور اور سورۂ بقرہ کی تفسیر، بہت عجیب معلومات پر مشتمل تحریر فرمائی، البتہ قرآن کریم کا تحت اللفظ اردو میں بہترین اور مستند ترجمہ فرمایا، خاندان ولی اللہی میں آپ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ معقولات پر بھی غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، اپنے برادر کبیر حضرت شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں ۱۲۳۳ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ

۱۱۶۷ھ ـــــــ ۱۲۳۰ھ

۱۷۵۳ء ـــــــ ۱۸۱۴ء

مہدیان کے پرنور حصے اور رحمتوں کے جھرمٹ میں آسودۂ خاک ہونے والوں میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ بھی نظر آئے، نہایت خاموش مزاجی، گوشہ نشینی اور یکسوئی ان کا طرۂ امتیاز تھا، بارہ سال محلہ اکبرآباد کی مسجد کے ایک حجرے میں معتکف رہے، اسی دوران برصغیر میں، اردو زبان میں سب سے پہلا ترجمۂ قرآن آپ کے بابرکت قلم سے ہوا، جس کا نام ''موضح القرآن'' ہے دوصدی گزر جانے کے باوجود اس کی اہمیت وافادیت میں کوئی کمی نہیں آئی، بعد میں آنے والے مترجمین نے اسی کو اپنا ماٰخذ بنایا، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ہوں یا حضرت شبیر احمد

عثمانیؒ، دونوں حضرات نے انہیں کے ترجمے اور وضاحت کو اپنے لیے مشعل اور اسوہ بنایا، آپ کی ولادت ۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۳ء اور وفات ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۴ء میں ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ

——— ۱۲۲۷ھ

آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں، عجیب اتفاق کہ فرزندان ولی اللہی میں وفات کی ترتیب الٹی چلی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں ہی تینوں برادرانِ خورد سفرِ آخرت کر گئے، ان میں سب سے پہلے شاہ عبدالغنیؒ کی رحلت ہوئی، آپ علم و شغل اور فیض باطنی میں بہت مشہور و معروف تھے، درس حدیث آپ کا بہترین مشغلہ رہا، حضرت شاہ اسماعیل شہید آپ کے فرزند ارجمند ہیں، جنہوں نے خاندان ولی اللہی کے نام کو روشن رکھا۔

چاروں بھائیوں کے درمیان مثالی تعلقات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے چاروں صاحبزادوں کی علمی تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی اور قلبی تربیت بھی فرمائی، راہِ سلوک کی منازل طے کرا کر وفات سے کچھ پہلے چاروں کے سر پر دستارِ خلافت باندھ دی، یہ چاروں صاحبزادے اپنے والدِ مکرم کے ہم مثل تھے، اور چاروں کے درمیان بے مثال الفت و محبت، اور ایک دوسرے کا عجیب لحاظ و پاس تھا، چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ کا کھانا اکبری مسجد روزانہ شاہ عبدالعزیزؒ کے گھر سے ہی جاتا تھا، وہی اپنے اس متوکل بھائی کے کپڑے بنا دیا کرتے تھے، شاہ عبدالعزیزؒ باوجود بڑے ہونے کے شاہ عبدالقادرؒ کی ولایت کے کس حد تک قائل تھے، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا انتیس کا، اس کا پتہ چلانے کے لئے ہمیشہ شاہ عبدالعزیزؒ رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کر دریافت کراتے کہ میاں عبدالقادرؒ نے آج کتنے پارے پڑھے ہیں، اگر وہ شخص یہ کہتا کہ دو

پارے پڑھے ہیں، تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند ۲۹ ؍کا ہی ہوگا، یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے، اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رؤیت کا حکم نہ لگا سکیں۔

اسی طرح شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے شاہ عبدالعزیزؒ کو جو دلی تعلق تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے، کہ جب شاہ صاحب کو لوگ دفن کر کے فارغ ہوئے اس وقت شاہ عبد العزیزؒ نے ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا کہ رفیع الدین سے میرا چار طرح رشتہ تھا، ایک تو حقیقی بھائی تھے، دوسرے یہ کہ میرے والدِ ماجد نے ایک موقعہ سے میرے سپرد کر کے کہا کہ یہ تمہارا لڑکا ہے، تیسرے یہ کہ ہم دونوں رضاعی بھائی بھی ہیں، چوتھے یہ کہ میرے شاگرد بھی ہیں۔

کسی نے کہا کہ شاہ رفیع الدینؒ کی وجہ سے اس خاندان کی بڑی عزت تھی، اس پر شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا اسی قدر درد ہوتا۔

اسی طرح جب ان کا جنازہ نکلا تو باوجودیکہ شاہ عبدالعزیزؒ نابینا ہو چکے تھے، ان کی چارپائی نہایت ہی درد سے اٹھایا اور کراہ اٹھے، اور فرمایا کہ میں ان کو اٹھانے کی کسی طرح طاقت نہیں رکھتا۔ (تذکرہ شاہ ولی اللہ: ۲۰۳۔ مؤلفہ سید مناظر احسن گیلانی)

فکر ولی اللہی کے ترجمان علمائے دیوبند

غیر منقسم ہند میں خاندان ولی اللہی کے احسانات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، ہر مکتبۂ فکر کا سلسلۂ اسناد، اس خاندان سے گزر کر ہی دربار رسالت تک پہنچتا ہے، علمِ حدیث کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ، مزاج نبوت اور نہج شریعت سے، جس حسین اسلوب میں اہل علم کو واقف کرایا، اور قرآن و حدیث کی جو علمی اور عملی تصویر لوگوں کے سامنے پیش فرمائی، وہ ان کا زندہ جاوید کارنامہ ہے، انہی فکر و نہج اور اسلوب و طریق کو لے کر علمائے دیوبند اٹھے، اور فکر ولی اللہی کے ترجمان کی حیثیت سے پوری دنیا کے علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہوئے۔

قافلۂ اہلِ دل کی باتیں

ملفوظ: شاہ عبدالرحیم دہلویؒ

● فرماتے ہیں کہ عاشق صادق کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ قبر میں جانے تک اپنی عمر کو یادِ مولیٰ میں صرف کرے، اور اس کام میں لگا رہے یہ بات دل میں نہ لائے کہ اس کام سے جلد فارغ ہو جاؤں، جلد بازی کرے گا تو یہ راستہ اس پر کچھ بھی نہ کھلے گا۔

● اگر کیفیت قبض (قلب) میں ہو تو ناامید نہ رہے بلکہ بدستور جد و جہد میں رہے اور شکر کرتا رہے، اگر سالہا سال بھی قبض کی کیفیت رہے تب بھی ناامید نہ رہے، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس استقامت کی برکت سے ایک مرتبہ ہی ایسا بسط عطا فرما دے کہ جو دولت و نعمت سالہا سال میں حاصل نہ ہوتی وہ ایک لمحہ میں حاصل ہو جائے۔

● جو لوگ دل کے اندھے ہیں اور اہل اللہ کے طریق کے منکر ہیں، ان کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھے، ان کی صحبت سے پرہیز کرے۔

● طالب حق اگر بے گانوں کی صحبت میں اگر چلا جائے تو تھوڑی دیر سے زیادہ نہ بیٹھے، اور سالک کو چاہئے کہ رات دن ذکر کا اہتمام کرے۔ [تذکرہ علمائے حق بحوالہ ملفوظات مشائخ نقشبند]

ملفوظ: شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

● فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو علم کی دولت یا کوئی اور نعمت عطا فرمائے تو اس کو چاہئے کہ اس نعمت کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کر کے اس نعمت کو مزید کر لے۔

● عزیز و اقارب اکثر معتقد نہیں ہوتے، اور بعض ہم عصر بھی خواہ مخواہ نفرت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رلواں ملواں اعمال اپنی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور ان سے ہر قسم کا معاملہ بھی پڑتا رہتا ہے، اسی وجہ سے وہ ناخوش بھی رہتے ہیں۔

● توجہ کی چار قسمیں ہیں:

انعکاسی: یہ تمام طرق میں ہے، جب ایک قلب دوسرے قلب کے مقابل ہو تو اس کا اثر ہوتا ہی ہے، جیسا کہ آئینہ جب کسی چیز کے مقابل ہو تو وہ چیز بے ارادہ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے، اس توجہ انعکاسی کے لئے فقط مرید کی صفائی قلب درکار ہے۔

توجہ القائی: جیسے ایک شیشے کی چیز دوسرے شیشے میں انڈیلیں اس میں قصد و ارادہ شرط ہے۔

توجہ جذبی: اس میں قلبِ طالب کو کھینچ کر اپنے قلب کے نیچے رکھتے ہیں وہ اس تدبیر اور ترکیب سے متاثر ہو جاتا ہے، جیسا کہ خشک کپڑا ایک تر کپڑے کے نیچے آجائے تو وہ بھی تر ہو جاتا ہے۔

توجہ اتحادی: مرشد کے اوصاف بھی مرید میں سرایت کر جاتے ہیں حتی کہ یہ توجہ مرید کی صورتِ ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، یعنی مرید صورتاً بہت کچھ پیر و مرشد کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

ملفوظ: شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ

● اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا چاہئے، اور یہ کہ تا امکان خود، حرام اور مشتبہ سے پرہیز کرے۔

● حلال روزی کا خیال رکھنا اول طریقت ہے، اس کی شکل یہ ہے جتنا خرچ کم رکھے گا رزقِ حلال پائے گا، جب رزقِ حلال نہیں تو منزلِ شریعت طے نہیں، پھر طریقت کہاں؟

● نماز تہجد کی چار رکعت ہو یا آٹھ رکعت، سالک طریقت کو اشد ضرورت ہے۔

[ملفوظات مشائخ نقشبند بحوالہ حیات شاہ محمد اسحاق دہلوی]

حضرت مملوک علی کے آستانے پر

محدثین کے پرانور امزارات پر حاضری کے بعد، اس احاطہ سے باہر نکل کر، ملی جمعیت کی آفس سے پیچھے آئے، جہاں حضرت مولانا مملوک العلی کا مزار ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت شاہ اسحاق صاحب کی علمی روحانی شخصیت کے بعد، سرزمین دہلی بلکہ پورے ملک میں، جن حضرات کے علم و فضل اور درس و تدریس کا غلغلہ اور شہرہ تھا، اور جو مرکز و مرجع تھے، ان میں

ایک تو شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور ایک حضرت مولانا مملوک علیؒ تھے۔

خاندان ولی اللہی کے مقبرۂ خاص کے قریب آپ کا مزار ہے، اکثر کو نہ آپ کی شخصیت کا پتہ ہے نہ ہی مرقد و مدفن کا؛ اس لیے اہل علم بھی بہت کم پہنچ پاتے ہیں، جب ہم ان کے مزار پہ پہنچے، چاروں طرف سے اونچی اونچی گھاس بوسیدہ کتبہ کو دیکھ کر حیران تھے، کہ یہ ہیں قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتوی کے استاذ خاص، اور قطب الاقطاب حضرت گنگوہی کے مربیِ خاص، جن کی قبر تک پہنچنا بھی مشکل ہے، تھوڑی دیر محو حیرت بھی رہے، اور چند سورتوں کی تلاوت کا ثواب پہنچاتے بھی رہے، حسرت کے ساتھ دنیائے ناپید کا تصور لیے لوٹ گئے۔

حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ

۱۲۰۴ ـــــــ ۱۲۶۷ھ

ـــــــ ۱۸۵۱ء

آپ کی ولادت نانوتہ گاؤں میں ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم و تربیت گاؤں میں ہوئی، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے بھی شرف تلمذ رہا، علمی تشنگی بجھانے کے لیے دہلی تشریف لائے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے تبرکاً، ہدایۃ النحو کا ایک سبق بھی پڑھا، اور پھر شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور معتمدِ خاص حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب سے بھر پور علمی ادبی استفادہ کیا، اپنے استاذ خاص کے منظور نظر رہے، ہمیشہ نیاز مندانہ انداز میں، پیش آتے رہے جب دہلی میں ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کے نام سے انگریز نے ایک کالج کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد ہر طبقہ کو ہر قسم کی تعلیم دینا تھا، اس وقت نصاب تعلیم میں دینی تعلیم کا غلبہ بھی تھا، اس کے مدرس اول مولانا رشید الدین صاحب اور مدرس دوم حضرت مولانا مملوک علی مقرر ہوئے۔

علمی مقام و مرتبہ

علمی دنیا میں آپ کا تفوق و شہرہ، علم ادب اور علوم عقلیہ میں زیادہ تھا، تدریسی انہماک

بے پناہ تھا دہلی کالج کے وقت کے علاوہ، دیگر اوقات میں، آپ کی رہائش گاہ اور مسجد میں طلبہ کا ہجوم رہا کرتا تھا، چوں کہ آپ کی ذات گرامی مخزنِ کمالات تھی، اس لیے کم وبیش پچاس نامور طلبہ آپ سے استفادہ کے لیے دہلی میں رہا کرتے تھے، رات میں دیر تک درس ہوتا، جب کہ تہجد سے پھر اسباق کا سلسلہ شروع ہوجاتا، دہلی میں آپ نے ۲۶ سال درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، اس درمیان نہ معلوم کیسے کیسے نابغۂ روزگار نے، علمی تشنگی کو بجھایا ہوگا، کہنا مشکل ہے، تاہم چند اہم حضرات جو بعد میں آفتاب ومہتاب بن کر نکلے وہ یہ تھے۔

کون کون تھے آپ کے شاگرد

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (۱۸۸۰ء)، حضرت رشید احمد گنگوہیؒ (۱۹۰۵ء)، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ (۱۸۸۴ء) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (۱۸۸۵ء) حضرت مولانا احسن نانوتویؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (۱۳۲۲ھ) (والد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) مولانا شیخ محمد تھانویؒ (۱۲۹۶ھ)، حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتیؒ (۱۳۱۴ھ)، ڈپٹی نذیر احمدؒ (۱۹۱۲ء) اور بعض لوگوں کے بقول، سرسید احمدؒ (۱۸۹۸ء) بھی آپ کے شاگردوں میں تھے، یہ وہ حضرات ہیں جو صرف سرزمین ہند نہیں؛ بلکہ دنیائے اسلام پر ایک روشن آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔

ان میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو آپ کی ذہانت وفطانت اور شوق علم کو محسوس کرتے ہوئے ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں دہلی لے کر آئے اسی طرح حضرت گنگوہی بھی دہلی تشریف لائے اور چار سال رہ کر مولانا کے علمی دریا سے بھرپور کسب فیض کیا اور روحانی صحبت سے بھی منور ومستفید ہوتے رہے۔

یہ چراغ بھی بجھ گیا

۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء میں علم وگوہر کا یہ مہتاب غروب ہوا، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے معروف قبرستان مہدیان میں پرانی مسجد کے صحن سے متصل سپرد خاک ہوئے۔ تفصیلی احوال

کے لیے سوانح علمائے دیوبند ص: ۱۲۲ تا ۱۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

خواجہ باقی باللہؒ کے دربار میں

اس عاجز کا خاندان سلسلۂ نقشبندیہ سے ہی فیض یافتگاں میں شامل ہے، بچپن میں جن چند مشائخ کے نام بار بار سنتا رہا، ان میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا نامِ نامی سرفہرست تھا، کئی بار مجھے آپ کے مرقد پر حاضری کا موقع ملا، عجیب پر کیف، پر انوار منظر ہے، وہاں اہل رسم کی زیادہ رسائی نہیں، نہ زیادہ ہجوم نہ زیادہ خرافات؛ البتہ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے، جس سے ان پاک طینت کا ضمیر بے داغ اور ان کی ذات بری الذمہ ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ

۹۷۲ھ ـــــــ ۱۰۱۲ھ

۱۵۶۴ء ـــــــ ۱۶۰۳ء

آپ برصغیر ہندو پاک میں، سلسلۂ نقشبندیہ کے گلِ سرسبد ہیں، سرزمین ہند کو نقشبندی فیوض و برکات، معمولات و تعلیمات، اس کے امتیازات و خصوصیات سے روشناس کرانے، اور اس سلسلہ کی نشر و اشاعت کا تاج آپ ہی کے سر ہے، اس سلسلہ کی مقبولیت و محبوبیت کا راز، آپ کی پرکشش شخصیت میں مضمر ہے، آپ کا اسم گرامی سید رضی الدین ہے، تاہم ذکر الٰہی کی کثرت مقام معیت اور حضوری کی کیفیت میں، ہمہ دم منہمک رہنے کی بنا پر، آپ کا نام باقی باللہ مشہور و معروف ہو گیا۔

آپ دسویں صدی کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں، تاریخ ولادت ۹۷۲ھ ہے اصل وطن کابل ہے، ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی، علمی تشنگی بجھانے کے لیے بخارا اور سمرقند کے اطراف (ماوراء النہر) تشریف لے گئے، علوم ظاہری کے ممتاز و نامور علمائے کبار سے خوب کسب فیض کیا، اسی کے ساتھ فیض باطنی اور روحانی انوارات و تجلیات کی تلاش میں، اس علاقے کے

مشائخ کے پاس بھی حاضر ہوتے رہے، منامی اشارہ پاکر، ہندوستان تشریف لائے، اور اشاعتِ دین اور خدمت خلق میں مشغول ہو گئے۔

مرشد کی تلاش میں کہاں کہاں نہ پہنچے

جب روحانی تشنگی کا احساس بڑھتا گیا، ریاضت ومجاہدے کی بھٹی میں تپتے رہے، محبت ومعرفت کی تلاش میں پھر علاقۂ ماوراء النہر کی وہ بستی جس کو اس زمانے میں امکنگ کہتے تھے، اور جسے اب شہر سرسبز کہتے ہیں، وہاں حضرت محمد امکنگی (۱۰۰۸/۱۶۰۰) کے پاس پہنچے، تین یوم توجہات باطنی سے، قلب وروح محلی ومصفی کرتے رہے، حضرت امکنگ نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرماکر، ہندوستان روانہ کیا، اور فرمایا ہندوستان جاؤ، تمہاری ذات سے سلسلہ نقشبندیہ خوب پھیلے گا، شیخ کا حکم اور بشارت پاکر دہلی تشریف لائے، قلعۂ فیروزی کے پاس آپ نے قیام فرمایا، رب کریم نے آپ کو باطنی توجہات کی عجیب تاثیر عطا فرمائی تھی، جس طالب صادق پر نظر وتوجہ جم جاتی اس کے دل کی دنیا بدل جاتی۔

حضرت خواجہ شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴/۱۶۲۴) آپ ہی کی صحبت وفیض کا ثمرہ ہیں، چنانچہ اپنی تمام تر باطنی صلاحیت وتجلیات اور نور نسبت حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو بطور خاص القا فرمایا، صرف اور صرف چالیس سال کی عمر میں ۱۰۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔

چند مسیحائی ملفوظات

حضرت خواجہ باقی باللہؒ فرماتے ہیں:

- اگر کوئی سالک مقام معصیت میں پھنسا ہوا ہے یا دنیا کی طرف اس کی رغبت ہے تو اس کا سبب ان چند اسباب میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا۔

۱] یا تو وہ ضرورت کے مطابق، معاش پر اکتفا کرتا ہوگا۔

۲] یا عوام سے بہت زیادہ اختلاط رکھتا ہوگا۔

۳] یا اس کے اوقات، ذکر الٰہی سے معمور نہیں ہوں گے۔

۴] یا خدا سے غیرِ خدا کا طالب ہوگا۔

۵] یا وہ اپنے نفس سے مجاہدہ نہیں کرتا ہوگا۔

۶] یا وہ اپنے آپ پر، یا اپنے احوال پر یا اپنی قوۃ پر نظر رکھتا ہوگا۔

۷] احکام ازلیہ پر سرِ خم تسلیم کیے ہوئے ہے۔

- اعتقاد کا درست ہونا احکام شریعت کی رعایت ہونا اخلاص کا ہونا اور اللہ کی طرف ہمہ دم متوجہ ہونا عظیم ترین نعمت ہے، اس نعمت عظمیٰ کی بنا پر کوئی ذوق و وجدان نہیں ہے۔
- اہل نسبت کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے فرمایا

کہ اولیاء کبائر سے محفوظ تو ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی کبیرہ ان سے ناگاہ سرزد ہو جائے تو ان کے تمام اقوال کو باطل قرار دینا جہالت کی بات ہے، یہ دیکھنا چاہئے کہ بحیثیت مجموعی ان کا اکثری عمل کیا رہا ہے، اگر کبھی بتقاضۂ بشریت کوئی بات ان سے صادر ہوگئی تو ان کو اس میں معذور قرار دینا چاہئے۔

- فرمایا کہ معرفت کے بہت سے درجات ہیں، اگر سالک حقائق سے حصہ وافر رکھتا ہے فبہا، ورنہ اصل کار شریعت پر قائم رہنا ہے۔
- فرمایا کہ مشائخ کو تربیت و ارشاد پر آمادہ کرنے والی ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہوتی ہے۔

(۱) حق سبحانہ کی طرف سے الہام (۲) شیخ و مرشد کا حکم (۳) خلق خدا پر شفقت

(تذکرہ خواجہ باقی باللہ: ۳۳۸، ۳۴۰)

ملاجیونؒ کے مزار پر

۱۰۴۷ ——— ۱۱۳۰ھ

خواجہ باقی باللہؒ کے مزار سے قریباً ساڑھے چھ فٹ کے فاصلے پر دائیں جانب آپ کے مزار کا کتبہ لگا ہوا ہے، بہت سے اہل علم کا خیال ہے کہ ملاجیون کا مزار، حضرت کے آستانہ کے قریب ہی ہے، آپ کے احسانات برصغیر کے مدارس پر ہیں، اس احسان کا تقاضا تھا کہ ہم آپ

کے مرقد پر بھی پہنچے، اور رفع درجات کے لئے دستِ سوال بارگاہِ قدس میں پھیلائیں، ایصال ثواب کر کے ان کی روح کو مسرور و محظوظ کریں۔

ملا جیونؒ کے حالات

۱۰۴۷ ——— ۱۱۳۰ھ

آپ کا نام نامی احمد عرف ملا جیون ہے، آپ کے آباؤ اجداد، مکہ مکرمہ سے ہندوستان آئے، اور امیٹھی شہر کو اپنا مسکن بنایا، اسی شہر میں آپ کی ولادت ۱۰۴۷ھ میں ہوئی۔

اللہ رب العزت نے ذہانت و فطانت، فہم و فراست کی عظیم دولت سے نوازا تھا، سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں علوم شریعت سے مالا مال بھی۔

۵۸ سال کی عمر میں حرمین شریفین تشریف لے گئے، بہت سے مشائخ سے فیضیاب ہوئے، اسی مقدس سرزمین پر نور الانوار لکھی، جس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ ہمیشہ سے برصغیر کے مدارس کی درسی زینت بنی ہوئی ہے، اسی طرح آپ کا ایک اور علمی کارنامہ، تفسیراتِ احمدیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے جس میں ان ۵۰۰ آیات کی تشریح ہے جو آیات احکام کہلاتی ہیں، اورنگزیبؒ آپ کے بہت ہی قدرداں تھے، اور آپ کے شاگردِ رشید۔

وفات حسرتِ آیات

۸۳ سال کی عمر میں ۱۱۳۰ میں آپ کی وفات ہوئی، وفات کے دن بھی اپنے تمام معمولات و اوراد، اور وظائف کو پورا فرمایا، شام کے وقت جامع مسجد کے جنوبی دالان میں جا کر لیٹ گئے، کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے کرتے جان جان آفریں کے حوالے کر دی، آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو دہلی میں نہیں بلکہ امیٹھی میں دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم

مفسرِ قرآن شیخ عبدالحق حقانیؒ

۱۲۶۵ھ ـــــــ ۱۳۳۶ھ

ـــــــ ۱۹۱۷ء

تفسیر فتح المنان (تفسیر حقانی) کے مصنف عقائدِ اسلام کے مؤلف، حسامی کے شارح، تفسیر وعقائد، اسرار وحکم، اور تصوف ومعرفت کے بحرِ ذخار شیخ عبدالحق حقانیؒ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے آستانے کے قریب ہی غریقِ رحمت ہیں، آپ نہایت ہی خوش مزاج، شیریں دہن خطیب تھے، عقلی اور نقلی دلائل سے بات کرنے کا عجیب ملکہ آپ کو قدرت نے عطا کیا تھا، انگریز بھی متاثر ہوکر شمس العلماء کا خطاب عطا کیا تھا۔

حالات وامتیازات

شوقِ علم اور ذوقِ مطالعہ عجیب تھا، والدین کے پاس سے جب دولتِ علم کے لیے روانہ ہوئے، تو کانپور، مراد آباد، سہارنپور اور دہلی کے اساطینِ علم وفضل سے علمی فیضان حاصل کرتے رہے، گیارہ سال بعد اپنے وطن لوٹے، پھر والدین کی اجازت سے دوبارہ دہلی تشریف لائے اور اشاعتِ علم میں مصروف ہوگئے، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت، کے ذریعہ لوگوں کی علمی اور روحانی خدمت میں منہمک ہوگئے۔

تفسیرِ حقانی

تفسیری مضامین پر گہری نظر رکھنے والوں نے، تفسیر حقانی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی ۱۶ رخصوصیات لکھی ہیں، جن میں بطورِ خاص امتیاز یہ ہے کہ مخالفین کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ مسکت جواب دیا ہے، نیز صوفیائے کرام کے فیوضات وملفوظات اور تصوف کے اسرار ونکات بھی تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کے روحانی اور باطنی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے، نیز توحید والوہیت اور عقائد کے مسائل بھی عقلی زاویہ سے بھی مدلل اور

مبرہن کیے ہیں۔

یہ چراغ بھی گل ہو گیا

آپ کی ولادت ۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ میں صوبہ پنجاب کے شہر انبالہ کے قریب ایک گاؤں ''گمتھلہ'' میں ہوئی، اور ۱۲ رجمادی الاولی ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں آپ اس دنیائے فانی سے ۷۱ سال کی عمر میں کوچ کر گئے، حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ، آپ کے غسل جنازہ میں شامل رہے، اور پھر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے جوار میں، علم وفضل کے اس یکتائے روزگار کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

محبوب الٰہی، نظام الدینؒ کے مرقد پر

تبلیغی مرکز بنگلہ والی مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر، حضرت الدین کی درگاہ ہے، ہزاروں عقیدت مندوں کی آمد ورفت ہمہ دم لگی رہتی ہے، دو چند بار حاضری کی سعادت تو ہوئی، تاہم پیشہ وروں نے جو ماحول بنا رکھا ہے، اس سے میں، انقباض وکدورت سے بچ نہ پایا، اور اس حسرت وغم کے ساتھ لوٹا، کہ جس شخصیت کی زندگی کا ہر لمحہ سنت وشریعت کے احیا میں گزرا، جہاں سنتوں سے انحراف برداشت نہ تھا، بدعت وخرافات، رسم ورواج ان کے لیے سوہانِ روح تھا آج وہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ والی اللہ المشتکی

حضرت نظام الدینؒ کے حالات

۶۳۶ھ ——— ۷۲۵ھ

سفر بخارا سے پہلے، جب میں نے اولیائے دہلی کی تاریخ پڑھنی شروع کی تو بخارا کی عظمت وعقیدت میں اور اضافہ ہونے لگا، کہ خاکِ بخارا نے نہ معلوم کیسے کیسے روشن خانوادے کو جنم دیا، اور کیسی کیسی روحیں وہاں سے وابستہ ہیں۔

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواہ نظام الدین اولیاؒ کے آباء واجداد بھی، وہیں

کے روشن چراغ تھے، آپ کے جد محترم اور نانا جان اصلاً بخارا کے مسند نشیں تھے، وہاں سے ہجرت کرتے ہوئے پہلے لاہور پہونچے، پھر بدایوں آکر مقیم ہوگئے، حضرت محبوب سبحانی الدین نے اپنے شیخ کی نظر عنایت کے بعد دہلی کو فیض رسانی کا دائمی مستقر بنایا۔

معیاری تعلیم و تربیت

آپ کی ولادت ۲۷ سفر ۶۳۶ھ اور وفات ۷۲۵ھ کو ہوئی، ابتدا میں ہی داغ یتیمی کو سہنا پڑا والدہ کی پرسوز تربیت نے علم کا شوق وچسکا پیدا کر دیا، علوم ظاہری (قرآن وحدیث تفسیر وفقہ، بلاغت وحکمت، فلسفہ وہیئت، لغت وادب اور قرأت وغیرہ) میں مہارت حاصل کی، پھر دہلی پہونچ کر حضرت مولانا کمال الدین صاحب محدث سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی، ہم عصر علماء علمی فضل وکمال میں، آپ کا اعتراف بلند وبالا الفاظ میں کیا کرتے تھے۔

دہلی کے حکمرانوں کو کسی لائق وفائق قاضی کی ضرورت تھی، ابتدا میں منصب قضا کی طرف آپ کا میلان ہونے لگا، کہ میں قاضی بن جاؤں، مگر ہاتفِ غیبی نے دستگیری کی، اور زندگی کی کایا پلٹ گئی، ایک دن اذان فجر کے درمیان آپ کو ایسا لگا، کوئی کہہ رہا ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ اس آواز نے دل کی دنیا بدل دی، سینہ انوارِ الٰہی کی تجلی سے معمور ہوگیا منصب وعہدہ کی محبت ختم ہوگئی۔

عشق ومحبت کی دکان میں

محبت ومعرفت، انابت ومعیت، خوف وخشیت اور انوارات وتجلیات کی طلب وتلاش ہونے لگی، اسی تلاش وجستجو میں، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۶۶۶ھ) کی خدمت میں پہونچے، حضرت گنج شکر نے طبعی صلاح اور باطنی صفات کو دیکھ کر روحانی نعمتوں کی بشارت بھی دی، اپنے مرشد کی خدمت میں قریباً سات ماہ مسلسل رہ کر، راہِ سلوک کی وادی طے کیا، اسرار ورموز اور معرفت وحکمت کے چشمے سے بھرپور سیرابی حاصل کی، انوارات وتجلیات سے دل

لبالب ہو گیا، تو پیر و مرشد نے دہلی روانہ کرتے ہوئے، خرقۂ خلافت پہنایا اور فرمایا کہ بحکم الٰہی ان کو ہندوستان کی ولایت عطا کرتا ہوں اور وہاں ان کو اپنا سجادہ نشیں بناتا ہوں۔

(دہلی کے بائیس خواجہ: ص ۱۲۳)

آپ نے خلق خدا کو کس طرح نفع پہونچایا، اور لوگوں کا ہجوم کس قدر رہا کرتا تھا، اس کی تفصیل کے لیے کئی صفحات درکار ہیں، آپ کو اپنے شیخ و مرشد سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی، ان کے ملفوظات بہت ہی والہانہ انداز میں راحت القلوب کے نام سے مرتب فرمایا۔

ہنوز دہلی دور است

اس وقت کا بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق تھا، درباریوں کو آپ کی مقبولیت، محبوبیت، مرجع عام و خاص ہونا، خلق کا ہجوم کہاں پسند ہوتا، بادشاہ لگانے بجھانے میں آ گیا، اس کا دل کدورت سے جلنے لگا، ایک دن اس نے سفر سے لوٹتے ہوئے کہلایا، میں جب دہلی پہونچوں اس سے پہلے آپ دہلی خالی کر دیں، جب آپ کو یہ پیغام ملا، تو آپ نے فرمایا ہنوز دہلی دور است بادشاہ دہلی پہونچے، اس سے پہلے پہلے سفر میں ایک مکان گرا، اور اسی میں دب کر وہ مر گیا، دہلی پہونچنا بھی نصیب نہ ہوا، چنانچہ آج بھی یہ مثل مشہور ہے دہلی دور است۔

باتیں انکی یاد رہیں گی

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

ولایت کے سرتاج اہل باطن کے دلوں کے مرکز رشد و ہدایت کے پیکر حضرت نظام الدینؒ کے حالات زندگی پڑھتے ہوئے یہ خیال بھی گذرا کہ ان کے ملفوظات کا بے مثال مجموعہ فوائد الفوائد (جن کے بارے میں مفکر اسلام حضرت ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جن دو ملفوظات سے مجھے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا ان میں ایک یہ بھی ہے) سے دلوں کی شفایابی کے لئے چند ملفوظ نقل کروں۔

● محبت الٰہی سے متعلق فرمایا کہ جب تک محبت حق غلاف قلب میں ہے امکان معصیت نہیں ہوتا، توبہ اور ندامت حالت جوانی میں کرنا چاہئے، بوڑھا آدمی توبہ نہ کرے گا کیا کرے گا، کہ اس سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

● صبر وتحمل کے تعلق سے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ہیں، نفس اور قلب، جب کوئی شخص نفس کے ساتھ تم سے پیش آئے تو تم کو لازم ہے کہ قلب کے ساتھ پیش آؤ، کیوں کہ نفس میں شر اور خصومت ہے، اور قلب میں نرمی اور ملاطفت ہے، نفس کے ساتھ قلب سے کام لیا جائے تو نفس مغلوب ہوجاتا ہے، اور اگر نفس کا مقابلہ نفس سے کیا جائے تو فتنہ وفساد سے بڑھنے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ (فوائد الفواد: ۲۲۷)

● کسی سے بیعت ہونے سے متعلق ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی کا مرید ہوتا ہے اور عقیدت بجالاتا ہے اس کو تحکیم کہتے ہیں، یعنی پیر کو اپنا حاکم قرار دیتا ہے، پس اگر کوئی حکم دے اور مرید اس کو بجا نہ لائے تو یہ تحکیم نہ ہوگی، بلکہ سخت بے ادبی ہوگی۔ (فوائد الفواد: ۲۵۵)

● کسی نے عرض کیا ایک مرید پنج وقتہ نماز پڑھتا ہے، اور تھوڑا بہت وظیفہ کرلیتا ہے لیکن اپنے مرشد کی محبت بدرجہ کمال اس کے دل میں متمکن ہے، اور ایک دوسرا مرید ہے جو بڑا عابد عمل کرنے والا ہے، حج بھی کیا ہوا ہے لیکن اپنے مرشد سے کم محبت رکھتا ہے اور معتقد بھی کم ہے ان میں افضل کونسا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس کو زیادہ محبت ہے وہ بہتر ہے۔ (فوائد الفواد: ۲۲۲)

● ارشاد فرمایا کہ سلوک کے سو درجے ہیں، ان میں سترہواں درجہ کشف وکرامت کا ہے، اگر سالک راہ سلوک کے اس درجہ میں تماشہ دیکھنے لگا، وہ بقیہ ۸۳ درجہ طے نہ کرسکے گا۔
(فوائد الفواد: ۲۱۹)

حضرت امیر خسروؒ کے دربار میں

——— ۷۲۷ھ

۱۲۵۳ء ——— ۱۳۲۵ء

امیر خسروؒ حضرت الدین اولیاؒ کے نہایت ہی چہیتے، ہر دل عزیز اور محبوب خلیفہ ہیں، آپ کا مزار الدین اولیاؒ کے آستانے سے قریب چبوترہ ''یاران'' کے نام سے مشہور ہے، وہیں

ہے، آٹھ سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ کے دربار میں لے کر حاضر ہوئے اندر پہونچے مگر یہ دروازہ پر ہی بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے ایک شعر لکھا:

تو آں شاہی کہ بر ایوان قصرت کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبِ مستمندِ برآمد بیاید اندروں یا باز گردد

یہ شعر لکھ کر سوچنے لگے کہ اگر آپ شیخ کامل ہیں، تو آپ میرے اشعار کا جواب دیں گے ادھر ان کے دل پر منکشف ہوا اور خادم کے ساتھ حضرت نظام الدین نے لکھ کر بھیجا:

بیاید اندرں مردِ حقیقت کہ با ما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مردِ ناداں ازاں راہے کہ آمد باز گردد

اس شعر کو سننے اور پڑھنے کے فوراً بعد، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت ہو گئے اور محبت و عقیدت کی انتہا کو پہونچے، آپ فنا فی الشیخ کے درجے میں تھے ہمہ دم اپنے شیخ کی خدمت میں ہی رہا کرتے تھے۔

شیخ کی عجیب شفقت

خود حضرت نظام الدین کو آپ سے بے پناہ شفقت و محبت تھی چناں چہ محبت میں آکر آپ کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا، اور ایک موقع پر فرمایا تھا، کہ میں بغیر اس کے یعنی امیر خسرو کے جنت میں قدم نہیں رکھوں گا، اگر دو مردوں کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اس کو میری قبر میں دفن کیا جائے، ایک موقع پر فرمایا تھا کہ روزِ قیامت ہر ایک سے پوچھا جائے گا کیا لائے، مجھ سے پوچھیں گے تو کہوں گا کہ اس ترک اللہ کے سینہ کا سوز، پھر فرماتے کہ خداوند تعالی مجھ کو اس ترک اللہ کے سینہ کے سوز کی برکت سے بخش دے، اس سے اندازہ لگایئے آپ کو کیسی شفقت و محبت تھی مگر عجیب اتفاق یہ ہے کہ جس وقت محبوبِ الٰہی کی وفات ہوئی اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔

محنت ومجاہدہ کی بھٹی میں

سفر سے واپسی کے بعد آپ نے مجاہدہ، ریاضت کی انتہا کردی جس کے نتیجے میں آپ ایک صاحبِ دل، اور صاحب درویش تھے، تہجد کی نماز میں کم از کم سات پاروں کی تلاوت کرتے، ذوق وشوق کے ساتھ بے پناہ اللہ کے حضور رویا کرتے تھے، آپ کی چند کتابیں بھی ہیں، اور اپنے شیخ کے کچھ ملفوظات بھی جمع کیے ہیں، جن کو راحت المحبین کہا جاتا ہے، ہم ان کی قبر پر پہونچے وہ محبوب سبحانی کے پائنتی میں لیٹے ہوئے ہیں، میں بھی ان کی پائنتی میں کھڑا ہوا کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کر کے اس دعا کے ساتھ لوٹا کہ اے اللہ مجھے بھی شیخ ومرشد کی ایسی ہی سچی عقیدت ومحبت عطا فرما۔

سوز وساز پر مشتمل ملفوظات

امیر خسرو کا ذوق سخن عجیب تھا، وہ ایک طرف معنی خیز ظریفانہ شاعری کے دلدادہ تھے تو دوسری طرف دلِ دردمند اور عشق ومحبت سے لبریز قلب بھی رکھتے تھے، عشق الٰہی کے رنگ میں مستانہ وار نظر آتے تھے، ان کی نگاہ عوام وخواص ہر ایک پر تھی، اور ان کی اصلاح کا ایک خاص پہلو جوانوں کی آزاد زندگی بھی تھی، چنانچہ اپنی میٹھی شاعری میں مخصوص لب ولہجہ میں جوانوں کو بھی للکارتے چنانچہ ان کے ان جذبات کا آئینہ دار کتاب ''صوفی امیر خسرو'' ہے، یہاں صرف دو ملفوظ نقل کرتے ہیں، جن سے آپ کچھ اندازا لگا سکتے ہیں۔

- جوانوں میں حلم وبردباری سے متعلق فرمایا کہ وہ آبروشناس اور حلیم ہونا چاہئے، حلم و سکون ہی میں سیرت کی فرزانگی ہے اور خشم وغضب میں دیوانگی ہے، نوجوانوں سے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو، پاک اعتقاد ہو، نیک وپرہیزگار لوگوں کی صحبت میں رہتا ہو۔
- فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان کو شیر کی طرح رہنا چاہئے جو اپنے شکار کے ساتھ مست رہتا ہے، کسی اور طرف نظر نہیں اٹھاتا اسے کتے کی طرح حریص نہ رہنا چاہئے، ایک روٹی پر صبر کر لینا اصل بادشاہی ہے، خزانہ کے پیچھے دوڑنا گدائی ہے، مزید فرمایا کہ جوان کو ہاتھی کی پیشانی کی طرح کشادہ بن کے رہنا چاہئے، چیونٹی کی طرح بن کے نہ رہے۔

(صوفی امیر خسرو: ۱۷۰ تا ۱۷۲۔ مؤلفہ سید صباح الدین)

ایک حسرت ایک حیرت

یہ بندہ عاجز مرکز نظام الدین سے ہوتا ہوا حضرت الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا، مسنون طریقہ پر ایصال ثواب کر کے رخصت ہوا، غالب اکیڈمی کو پار کرتے ہوئے مرزا غالب (۱۸۶۹ء) کے مرقد پر تماشائی بن کر پہنچا حسرت کے بھنور میں ڈوب گیا کہ ان کا مرقد گرچہ سنگ مرمر کا بنا ہے مگر اسی قبر پر چند جانور پھلانگ لگا رہے ہیں، اور اس کے بچے سرمستی کر رہے ہیں اور ایک جانور تو سرہانے گہری نیند سو رہا ہے جب اسے آہٹ محسوس ہوئی تو گھور کر مجھے دیکھا پھر سو گیا، میں حیرت زدہ رہ گیا کہ اللہ اللہ ایک طرف عشق الٰہی کے متوالے حضرت نظام الدین کے مزار پر اہل عقیدت کا ہجوم ہے جبکہ مرزا غالب کی قبر پر ویرانہ ہے اور جانوروں کی پھلانگ ہے، اس فرق کی وجہ خود آپ اپنے ضمیر سے پوچھ لیجئے۔

کچھ کچھ باتیں غالب کی بھی

مرزا غالب کا اصل نام اسداللہ خان ہے ۸ رجب ۱۲۲۲ ہجری کو آگرہ میں پیدا ہوئے ان کے دادا سمرقند کو چھوڑ کر ہندوستان آئے ذہانت و فطانت اور فکری صلاحیت نے بہت جلد بادشاہ، شاہ عالم کے دربار میں مقرب بنا دیا، اسی طرح ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ بھی اپنی صلاحیتوں کی بنا پر حکومت کے عہدے پر فائز ہو گئے تاہم غالب بہت جلد یتیم ہو گئے، لیکن مرزا غالب کے سمرقندی خدوخال، شڈول جسم، کشیدہ قامت اور پروجیہ چہرے نے ان کے ظاہری حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔ مرزا غالب اگرچہ مئے نوشی کے خوگر تھے شراب کا چسکہ رگ و پے میں رچا بسا تھا لیکن اپنی وضع کے پابند، خودداری، حوصلہ مندی، حق گوئی ان کی فطرت تھی آخری دور میں داڑھی بھی رکھ لی تھی سوئے قسمت کہ ان کے سات لڑکے تھے مگر ان میں ہر ایک جوانی کی دہلیز تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑتا چلا گیا، اور بغیر کسی اولاد کے دنیا سے یہ خود ۲ ذو

القعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ کو ۷۳ سال ۴ ماہ کی عمر میں دہلی میں راہی ملک عدم ہوئے مرنے سے پہلے اکثر کہا کرتے تھے:

دم واپسی بر سر راہ ہے عزیزو! اب اللہ اللہ ہی ہے

چند پسندیدہ اشعار

اس عاجز کے مرشد و مربی اور محسن و کرم فرما محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم ان کے چند اشعار بہت ہی پر کیف انداز میں پڑھا کرتے ہیں۔

نہ تو ہجر ہے اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

ایک مایوس کن شعر

غالب سے کسی نے کہا چلو حج کو چلتے ہیں تو غالب نے کہا

کس منہ سے کعبہ جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

اس شعر پر حضرت شاہ احمد پرتاپ گڑھی نقشبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شعر مایوسی پر مشتمل ہے، جبکہ بندے کو خدا سے امید رکھنا چاہیے چنانچہ انہوں نے دوسرے انداز میں فرمایا:

اسی منہ سے کعبہ جائیں گے خاک کو شرم میں ملائیں گے
ان کو رو رو کے منائیں گے اپنی بگڑی کو یوں ہی بنائیں گے

چتلی قبر۔ درگاہ شاہ ابوالخیر

دہلی شہر کو، جن مشائخ و صوفیاء کی توجہات نے، روحانی اور ایمانی شمعوں سے جگمگا رکھا تھا، ان میں سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک عظیم المرتبت، زینتِ زماں، رہبر شریعت و طریقت، حضرت

مرزا جانِ جاناں بھی ہیں، چاندنی چوک سے قریب، علاقۂ چتلی قبر، جو ہر دور میں علمی، تمدنی اور سیاسی سرگرمیوں کا گہوارہ رہا ہے، جہاں اسلامی آثار و نشانات زیادہ نمایاں رہے ہیں، اسی چتلی قبر میں درگاہ شاہ ابوالخیر کے نام سے، بارونق نور و تجلی سے معمور، ایک درگاہ ہے، جس میں ولایت کے چار مشائخ: حضرت مرزا مظہرِ جانِ جاناں، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ ابوسعید مجددی اور حضرت شاہ ابوالخیر مجددی نور و رحمت کے خیمے میں آرام فرما ہیں، ان میں ہر کوئی ولایت و قطبیت میں اپنی مثال آپ، اور پیشوائے نقشبند ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں

۱۱۱۱ھ ـــــــ ۱۱۹۵ھ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی ولادت ۱۱۱۱ھ بمطابق ۱۶۹۹ء میں حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ کے زمانے (۱۱۹۵ھ) میں ہوئی، آپ کے والد گرامی سلسلۂ قادریہ کے شیخ، حضرت شاہ عبدالرحمن قادری سے فیض یافتہ تھے۔

نقشبندِ ثانی، حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ

۱۱۵۶ھ ـــــــ ۱۲۴۰ھ

۱۷۴۳ء ـــــــ ۱۸۲۴ء

حضرت مرزا مظہرِ جانِ جاناںؒ کے منظورِ نظر، عوام و خواص کے مرجع و مرکز، حضرت مرزا صاحب سے چند سال اکتسابِ فیض کر کے محلی و مصفی ہونے والے، حضرت شاہ غلام علی ہیں، جو اپنے شیخ کے پہلو میں، آسودۂ خاک ہیں، اپنے شیخ کی خدمت میں ذکر و اشغال، محنت و مجاہدہ میں ہمہ دم مستغرق رہا کرتے، ظاہری اور باطنی کمالات سے مالا مال، اور یگانۂ روزگار تھے، آپ اسلاف کی مقدس یادگار تھے، قرآن و تفسیر اور علم حدیث مستحضر تھا، شب بیداری، سحر گاہی، نالہ و فریاد میں ممتاز تھے، اپنے شیخ کی خانقاہِ مظہریہ کے ہر دل عزیز سجادہ نشیں تھے۔

وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ غسل جنازہ کے بعد، میرا جنازہ پہلے جامع مسجد لے جانا، اور آثارِ نبویہ کے وسیلہ سے شفاعت نبوی کی دعا کرنا، پھر مجھے دفن کرنا، چنانچہ ۲۲ر صفر ۱۲۴۰ھ بمطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۲۴ء کو ۸۴ سال کی عمر میں، جان جان آفریں کے حوالہ کردی، وصیت کے مطابق جنازہ جامع مسجد پہنچا، پھر چتلی قبر شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے، آپ کی چند تصنیفِ لطیف بھی ہیں، ایضاح طریقت، احوال بزرگاں، رسالہ در طریق، بیعت واذکار، رسالہ مراقبات، سلوکِ مراقبہ نقشبندیہ، کمالاتِ مظہریہ، مقاماتِ مظہری وغیرہ۔

فردِ فرید، شاہ ابوسعید مجددیؒ

۱۱۹۶ھ ــــــــ ۱۲۵۰ھ

حضرت شاہ ابوسعیدؒ، اپنے شیخ مکرم حضرت شاہ غلام علی کے پہلو میں محو استراحت ہیں، آپ کو آفتابِ شریعت، مہتاب طریقت سند المتقین کہتے ہیں، نسبی لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی کے فردِ فرید ہیں، اصل وطن رامپور ہے۔ آپ نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے مشورہ کیا، کہ میں اپنی باطنی تشنگی کن سے بجھاؤں، فرمایا میری نظر میں، اس وقت، حضرت شاہ غلام علیؒ سے بہتر کوئی نہیں، حضرت کو ایک ہیرا مل گیا، خوب چمکایا اور پھر خلعت خلافت سے نواز کر، اپنا جانشیں مقرر فرمایا، آپ بھی مرجع عام وخاص بنے، سلسلۂ نقشبندیہ کی فیض رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ کی رحلت عید الفطر کے دن ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔

چراغ نبوی، حضرت شاہ ابوالخیرؒ

۱۲۷۳ھ ــــــــ ۱۳۴۱ھ

۱۸۵۶ء ــــــــ

آپ کے حالات وکمالات اور اوصاف وخدمات کے لیے مقاماتِ خیر یہ ملاحظہ فرمائیے، آپ کی ولادت ۱۲۷۳ھ مطابق ۶ر جنوری ۱۸۵۶ء میں ہوئی خلق کثیر نے فیض پایا،

وقت موعود پر اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، اسی روحانی، رحمانی گنجینہ میں آپ کا بھی مرقد ہے۔

کچھ کچھ باتیں قافلۂ اہل دل کی

ملفوظ: مظہر جان جاناںؒ

- دل ذکر کثیر کے بغیر نہیں کھلتا، ذکر کرتے وقت اگر کوئی کیفیت یا بے خودی حاصل ہو تو اسے محفوظ رکھنا چاہئے، اور اگر کچھ ظاہر نہ ہو تو بہت عاجزی کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے، اسی طرح اشغال کا اہتمام کرنا چاہئے تا کہ کیفیت دوام حاصل ہو جائے۔
- احادیث صحیحہ سے جو وقتیہ دعائیں ثابت ہیں، ان کا ورد بھی معین کرنا چاہئے، لیکن ان تمام اعمال میں حضور قلب کا ہونا لازم ہے۔
- باطنی صفائی کے لئے خلوت لازم ہے، کیوں کہ درویشی کا سرمایہ صفا کی موجودگی ہی ہے، مشائخ کی اس محبت میں اپنی عقیدت کو مضبوط کرو، کیوں کہ دوستان خدا کی دوستی اللہ کے قرب کا موجب ہوتی ہے۔
- حضرت مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں، تمام اولیاء اللہ کی تعظیم اور تمام مشائخ سے محبت بھی لازم ہے، اگر نفع و استفادہ کی خاطر اپنے پیر کی افضلیت کا نظریہ اختیار کر لے، تو یہ فرط محبت سے بعید نہیں ہے۔
- قرآن مجید کی تلاوت صفائی باطن اور قلب کے قبض رفع کرنے کا موجب ہے، ترتیل حروف اور خوش الحانی ہونی چاہئے، قرآن مجید کی تلاوت متوسط آواز سے کرنی چاہئے، اس سے اذواق پیدا ہوتے ہیں۔
- شکر گذاری کی نیت سے مزیدار کھانا بنانا بہتر ہے، کیوں کہ بدمزگی کی صورت میں تہ دل سے شکر ادا نہیں ہوتا۔
- اعزاء اور اقربا کے حالات سے بے خبر رہنا گناہ ہے۔
- سالکوں کے لئے ہزار بار درود شریف اور استغفار لازم ہے۔

[ملفوظات مشائخ نقشبند بحوالہ مقامات مظہری، معمولات مظہریہ]

ملفوظ: شاہ غلام علیؒ

- جو شخص انبیائے عظامؑ میں سے کسی نبی، یا کسی اولیائے کرام میں سے فاتحہ پڑھ کر ان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے تو یقیناً ان کے فیض سے بہرہ یاب ہوگا۔
- جو ترقی خدمت شیخ کے واسطے سے ہوتی ہے اس مقدار کی عشر عشیر یعنی دسواں حصہ بھی نہیں ہوتی، خدمت ہی ہے کہ چند سالوں کا کام پلک جھپکنے میں میسر ہو جاتا ہے، اور یہ خدمت ہی ہے کہ سالک جذبات الٰہیہ تک پہنچ جاتا ہے۔
- حلقہ (مجلس) کے وقت ذکر نہ کرنا چاہئے بلکہ اپنے مرشد کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ مرشد کی طرف توجہ ذکر سے زیادہ فائدہ مند ہے۔
- طالب کو چاہئے کہ جب وہ زبان سے لا الہ کا ذکر کرے تو ان باتوں کا خاص خیال رکھے کہ الفاظ صحیح ادا ہوں معانی ملحوظ ہوں، دل بیدار رہے، خیالات و وسوسہ نہ آنے پائے، توجہ صرف اللہ کی طرف رہے ورنہ طریقت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسم ذات اور نفی و اثبات بھی معنی کے استحضار کے ساتھ ہو، اس پر مرتب ہونے والے فیوض و برکات کا انتظار کرے۔
- بیعت کی تین قسمیں ہیں:

ایک بیعت توسل: ایک شخص طریقۂ نقشبندیہ قادریہ، وغیرہ کے پیران کبار کا وسیلہ چاہنے کے لئے بیعت کرتا ہے۔

دوسری بیعت گناہوں کے دفعیہ کے لئے ہے، گناہ کر لینے سے یہ بیعت ٹوٹ جاتی ہے پس اس کی تجدید کرنی چاہئے، بلکہ گناہ کے واقع ہونے کے بعد تجدید لازم ہے۔

تیسری بیعت کسب فیض کے لئے ہوتی ہے۔ [ملفوظات مشائخ نقشبند بحوالہ درالمعارف]

ملفوظ: حضرت شاہ ابو سعید صاحبؒ

- جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بغایت کسی بندے کے ساتھ شامل ہوتی ہے تو وہ اپنے دوستوں میں سے کسی ایک کی خدمت میں بھیج دیتا ہے اور وہ بزرگ ریاضات و مجاہدات کا حکم دیکر اس کے باطن کا تزکیہ اور تصفیہ کرتا ہے، اور اذکار و افکار کی کثرت سے اس کے لطائف کو ان کے اصل کی طرف رجوع کرا دیتا ہے۔ [ملفوظات مشائخ نقشبند بحوالہ ہدایت الطالبین]

مشائخِ نقشبند کے عکس جمیل

درگاہ ابوالخیر میں نیاز مندانہ، عقیدتمندانہ انداز میں بار بار حاضری ہوئی، سمرقند و بخارا کے سفر سے پہلے، حاضری کے موقع پر، مسند نشیں حضرت اقدس صاحب معرفت، نمونۂ اسلاف محترم انس صاحب دامت برکاتہم، کی خدمت میں شرف یابی کا موقع ملا، انکی ذرہ نوازی اور خندہ پیشانی سے یہ عاجز شرمسار رہا، حضرت انس صاحب نہایت ہی متواضعانہ رفتار و گفتار کے پیکر، حسن سیرت، حسن کردار کے خوگر، زہد و ورع، اور سادگی میں بے مثال، ہر قسم کے تکلفات سے کوسوں دور، خلوت نشینی کے دلدادہ ہیں، یہ عاجز ایک طرف نور ولایت کے خیمہ میں، ان اکابر کے حالات زندگی کو دیکھتا ہے، اور دوسری طرف حضرت انس کی پر کیف زندگی کو دیکھتا ہے تو یقین کئے بغیر نہیں رہتا، کہ ان حضرات کا عکس جمیل ان میں سرایت کر چکا ہے، اور انکے سچے جانشیں کہے جانے کے لائق اور ان کے کمالات کے امین ہیں، تھوڑی دیر باادب ان مشائخ کی قبروں پر کچھ پڑھنے کا موقع ملا، اور اتباع سنت خلوص وللّٰہیت کی دعاؤں کے ساتھ، یہ کہتے ہوئے لوٹے الٰہی ان خاصانِ خدا کے زمرے میں شامل فرما کر بروزِ قیامت اپنی بارگاہ میں جمع فرمانا۔

نواب قطب الدین محدث دہلویؒ

۱۲۲۹ھ ـــــــ ۱۲۸۹ھ

دہلی کی جن مشہور و معروف شخصیات کا تذکرہ بار بار سنا تھا، ان میں ایک نواب قطب الدین بھی ہیں۔ دہلی شہر کی دید و سیاحت کے دوران، آپ بھی یاد آتے رہے، نواب قطب الدین خاں دہلوی، دہلی کے مایۂ ناز محدث مشکوۃ شریف کے مترجم و شارح ہیں، آپ خاندانی علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ، اپنے استاذِ خاص حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے منظور نظر تھے، ۱۲۲۹ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۸۹ھ میں مکۂ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی، اسی پاک سرزمین کے پیوند ہو کر رہ گئے۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کی خمیر تھی۔

داعیٔ کبیر، مولانا الیاسؒ کاندھلوی

۱۳۰۳ھ ـــــــ ۱۳۶۳ھ

۱۸۸۵ء ـــــــ ۱۹۴۴ء

حضرت مولانا الیاسؒ ان عبقری شخصیات میں شامل ہیں، جنہوں نے وہ کارنامے انجام دئے، جو پوری ایک انجمن انجام نہیں دے سکتی، بے دینی اور بے فکری کے ماحول میں، جس دل سوزی اور ماہیٔ بے آب کی طرح بے چینی اور دردِ دل سے دعوتی سرگرمی کو لے کر اٹھے، کہ پورے عالم میں بے لوث یہ جماعت پھیلتی چلی گئی۔

آپکی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی، اور وفات ۱۳۶۳ھ میں ہوئی، علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد تزکیۂ باطن کی ضرورت محسوس کی، اور سب سے پہلے حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اس کے بعد آپ کی آہ وزاری، سوز دروں، نالۂ وفریاد، اور جذبۂ شفقت میں اضافہ ہونے لگا، حضرت کی وفات کے بعد، بنگلہ والی مسجد کے قریب صحن میں، آپ اس طرح مدفون ہیں، کہ بے شمار لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ پوری دنیا میں دعوتی نظام کے ذریعہ رشد وہدایت کا پیغام دینے والا، مردِ مجاہد چند گز زمین میں یہیں پر آسودۂ خاک ہے۔

بنگلے والی، مرکز مسجد

صرف دہلی نہیں بلکہ پوری دنیا کے تبلیغی حلقوں میں مشہور ومعروف ایک مسجد بنگلے والی کہلاتی ہے جہاں سے دعوت وتبلیغ کی سرگرمی اٹھی، اور دیکھتے دیکھتے پورے عالم میں پھیل گئی، اخلاص وللّٰہیت، اور بے لوثی کے جذبہ نے ایک ہمہ گیر انقلاب پیدا کردیا، نہج اسلاف پر جب تک یہ سرگرمی چلتی رہی، اس کا دامن پرکشش رہا، ہر کسی کو اپنے سایہ میں سموتا رہا، مگر جب نہج اسلاف سے ہٹنے لگا تو وہ نقصان پہنچا، جسکا تصور نہیں کیا جاسکتا، اس عاجز کا گمان ہے کہ طریقۂ درس وتدریس میں اگر نہج اسلاف سے انحراف ہو، تو تدریسی کامیابی نہیں مل سکتی، اور اگر دعوت و

تبلیغ میں نہج اکابر سے منحرف ہوں، تو اس کا نتیجہ اختلاف وانتشار ہے۔

کئی بار اس مسجد میں، عظمت وعقیدت کے جذبات کے ساتھ پہنچا، اکابر سے زیارت کا شرف رہا، تکلفات سے کوسوں دور، سادگی کے پیکر، اکابر کی ملاقات سے دل کی دنیا میں، وعوتی تلاطم پیدا ہوتا، اپنے تئیں امت کے حق میں، کچھ کرنے کے عزم وارادہ کے ساتھ لوٹتا رہا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا مرقد

۱۸۸۸ء ——— ۱۹۵۸ء

جامع مسجد کی زیارت اور دوگانہ ادائیگی کے بعد اس سے باہر نکلے، کچھ دور چلے تو پتہ چلا کہ یہیں پہ فکر ونظر، عزم وہمت کے آفتاب وماہتاب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا مرقد ہے، وہاں پہنچے، یاد تو نہیں کہ کیا کیا پڑھا، مگر اتنا یاد ہے کچھ تو ضرور پڑھا، پھر انکی عظمتوں کے اعتراف کے ساتھ، ان کی خدمت میں ایصال ثواب کیا، اور چند لمحے ان کی حیات وخدمات سوچ کر دنگ ہونے لگے۔

حیات اور کارنامے

ہندوستان کی مشہور ومعروف علمی اور فکری شخصیت، کئی دماغوں کا ایک انسان، مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، جنگ آزادی میں جنکا زبردست کارنامہ رہا، اکابر دیوبند کے بڑے قدرداں رہے، آپکا وطن دراصل مکہ مکرمہ ہے، آپکی پیدائش 1888 میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مصر جاکر مشرقی علوم کی تکمیل کی، پھر ہجرت کر کے ہندوستان آئے، اور کلکتہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، 1912 میں الہلال نامی ہفت روزہ اخبار نکالا، جس کی تعداد تقریبا پچیس ہزار تھی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں، علی برادران، اور مہاتما گاندھی کے ساتھ بہت عمدہ مراسم تھے۔ آزادی کے بعد ملک کے پہلے وزیر تعلیم بنے، غبار خاطر، تذکرہ، ترجمان القرآن، آزاد کی ڈائری، یہ انکی علمی تصانیف ہیں۔

آپ کا انتقال 2 فروری 1958 کو ہوا، جامع مسجد اردو بازار کے احاطہ میں آپ کا مرقد ہے۔

میاں سید نذیر حسین دہلویؒ

۱۲۲۰ھ ـــــــ ۱۳۲۰ھ

۱۸۰۵ء ـــــــ ۱۹۰۲ء

طبقۂ اہل حدیث کے سرخیل، صاحبِ علم وعمل سید نذیر حسین دہلویؒ ہیں۔ آپ کو ۶۰ سال درس حدیث کا موقع ملا اصلاً آپ صوبہ بہار کے ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ھ۔ ۱۸۰۵ء میں ولادت ہوئی اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں سو سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہوا۔ علمی شغل اور مسلک اہل حدیث کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ نتیجۃً شیخ الکل فی الکل کے خطاب سے سرفراز ہوئے، اللہ رب العزت نے آپ کو علم وفضل اور شرح حدیث کا ایک عجیب ملکہ نصیب فرمایا تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بہت ہی مانوس اور متأثر تھے، انہیں کے دست حق پرست پر آپ بیعت ہوئے اور احسان وتزکیہ اور بیعت وسلوک کی طرف اپنے شاگردوں کی توجہ مرکوز کیا کرتے تھے۔ (ہندوستان اور علم حدیث: ۳۰۴)

کچھ کچھ تذکرے، تاریخی مقامات کے بھی

راقم الحروف کو بچپن سے ہی تاریخی مقامات، عجائب گھر، میوزیم، سمندر وصحرا، پہاڑوں کے دامن وچوٹی، اور قدرت کے عجائبات کو دیکھنے کا شوق رہا، اور جب موقع ملا، اس تک پہنچ گیا، لندن کا قدیم میوزیم ہو، یا وہاں کی بے مثال لائبریری، افریقہ کا جنگل ہو یا وہاں کا چڑیا گھر، ابوظبی کا پلٹن ہو، یا دبئی کا فلک بوس محل، وطن عزیز کے آثار قدیمہ ہوں، یا مکۂ مکرمہ اور مدینۂ پاک کے بابرکت میوزیم، ان مقامات پر دل چسپی سے پہنچنا، ان کے تاریخی پس منظر کو جاننا عجائباتِ قدرت میں غور وفکر کرنا، میرے ذوق کا ایک حصہ رہا، ان کی تفصیلات کو لکھنے کا نہ تو

موقع ہے اور نہ ہی ضرورت، البتہ وطنِ عزیز کے چند تاریخی مقامات کا تذکرہ کرنے کو اس لیے جی چاہتا ہے۔

کہ وہ مقامات مسلمانوں کے سات سو سالہ تابناک دورِ حکومت کی یادگار ہیں، سرزمین ہند کو انوکھے لاثانی آثارِ قدیمہ سے زینت بخشتے ہیں، اور دیگر ممالک کے روبرو اس ملک کی عزت و آبرو کو بڑھاتے ہیں، اگر اس ملک سے ان مقامات اور آثارِ قدیمہ کو ختم کر دیں، تو دنیا بھر سے آئے ہوئے قلم کاروں، سیاحوں اور خود اس ملک کے باذوق لوگوں کے لیے، سیر و سیاحت کی دل چسپی، اس ملک کی دل کشی اور دل آفرینی کا کوئی سامان باقی نہ رہ جائے گا، ذیل میں مسلم حکمرانوں کی بے مثال یادگار، اور انوکھے تعمیرات کا تذکرہ اسی مقصد سے کرتے ہیں۔

بہارِ ہند، قطب مینار

دنیا بھر سے آئے ہوئے وہ لوگ، جو آثارِ قدیمہ اور حیرت انگیز عمارات، محلات، گنبد اور ممبر و محراب کو دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں، وہ دہلی پہنچ کر قطب مینار کا مشاہدہ ضرور کرتے ہیں، قطب مینار ۱۱۹۹ عیسوی میں بادشاہ قطب الدین ایبک (۱۲۱۰ء) نے تعمیر کا آغاز کرایا تھا، ابتدا تو قطب الدین ایبک نے کی، سلطان شمس الدین التمش (۱۲۳۶ء) کے زمانہ میں مکمل ہوا، قطب الدین ایبک کی سب سے پہلی تعمیر شدہ مسجد جسے مسجد قوۃ الاسلام کہتے ہیں، اس کے ایک گوشے میں واقع ہے، فرش پر اس کی تعمیر کا حصہ ۴۸ فٹ ۴ انچ ہے، اور مینار کی بلندی ۲۳۸ فٹ ہے، یہ مینار اسلامی فنِ تعمیر کی عظیم یادگار ہے۔

قطب مینار کا اندرونی منظر

قطب مینار میں پانچ منزلیں ہیں، اس کی آخری منزل جو چھتری نما تھی، بجلی گرنے سے تباہ ہوگئی، آخری منزل کا قطر نو فٹ تھا، مینار کے اندر جو سیڑھیاں ہیں، وہ کافی کشادہ ہیں، اور وہ ۳۷۹ ہیں، دیواروں میں روشنی کے جھروکے ہیں، بعض مؤرخین اسے قطب الدین ایبک کے

فتح دہلی کی یادگار کے طور پر دیکھتے ہیں، دنیا کا واحد مینار ہے جو اینٹوں سے بنا ہوا اس قدر بلند و بالا ہے مگر کسی سہارے کے بغیر کھڑا ہے۔

سلطان علاء الدین خلجی (۱۳۱۶ء) نے بھی قطب مینار کے طرز پر ایک مینار بنانا چاہا مگر اس کی ایک منزل ہی بن سکی تھی کہ سلطان کا انتقال ہو گیا اور ان کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

ہمایوں کا مقبرہ اور تاج محل

دہلی کی دلکشی اور سیاحوں کی دلچسپی کا ایک مرکز، ہمایوں کا عالیشان اور پروقار مقبرہ بھی ہے، اس مقبرے کی خوبصورتی، دل آویزی، دلچسپ ڈیزائن اور خوشنما فنکاری میں ایسے لطیف ذوق کا مظاہرہ کیا گیا ہے کہ دہلی کی تمام تاریخی عمارتوں سے، یہ مقبرہ چند قدم پیش پیش نظر آتا ہے، اس کا محل وقوع اور عمارت کی شان و شوکت، شاہ جہاں کو اس قدر پسند آئی کہ جب اس نے اپنی رفیقۂ حیات کی محبت میں، ایک لازوال یادگار، تاج محل کا نقشہ اور ڈیزائن بنوایا تو ہمایوں کے مقبرے کو بھی نمونے کے طور پر سامنے رکھا۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں میں کسی حد تک یکسانیت اور موزونیت نظر آتی ہے، چناں چہ ہمایوں کا مقبرہ اور تاج محل یہ دونوں جمنا ندی کے کنارے ہیں، دونوں کے سامنے پانی کا چشمہ ہے، اور دونوں دلفریب، خوبصورت باغ کے اندر ہیں۔

البتہ فرق اگر ہے تو تاج محل اپنے میناروں کے لاثانی حسن اور میناکاری سے کچھ زیادہ حسین نظر آتا ہے، نیز ایک فرق یہ بھی ہے کہ تاج محل شوہر نے اپنی لاڈلی، چہیتی بیوی کی محبت میں بے خود ہو کر بنوایا، جب کہ ہمایوں کا مقبرہ خود اس نے نہیں، بلکہ اس کی وفا شعار، ناز بردار بیگم حمیدہ بانو نے اپنے شوہر ہمایوں کی وفات کے بعد ۱۵۶۲ء سے ۱۵۷۲ء کے درمیان بنوایا، مگر اب اس کا وہ حسن نہ رہا، کیوں کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، مقبرے کا کچھ نہ کچھ رنگ پھیکا پڑتا گیا، کچھ طوفانی ہوا نے بھی نقصان پہنچایا، چند سال پہلے اس کی تزئین کاری کے لیے ازبکستان

سے ماہرین کو بلایا گیا جنھوں نے مغل طرز سے ہی اس کی زیب و زینت، اور زیبائش میں نقش ثانی کی کوشش کی، مگر وہ دل آویزی کہاں آسکی۔

کچھ کچھ باتیں تاج محل کی بھی

بات آ گئی تاج محل کی تو کچھ کچھ باتیں اس زینتِ ہند کی بھی پڑھتے چلیں۔

شاہ جہاں باہمت، با تدبیر، فولادی طاقت وقوت کا مردِ آہن تھا، تیس سال (۱۶۲۸ تا ۱۶۵۸) ہندوستان پر حکمرانی کرتے ہوئے لاثانی اور لازوال، انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، جن میں جامع مسجد دہلی، جامع مسجد لاہور، لال قلعہ اور تاج محل بھی ہے، تعمیری ذوق جمیل کا یہ پیکر تہجد گزار بھی تھا، اور خدا رسیدہ بھی، علماء کا قدرداں بھی اور علم دوست بھی، اس کی محبوب بیگم ۱۶۲۹ یا ۱۶۳۱ میں وفات پا گئی، اس کی یادگار میں اس زمانے کے لحاظ سے تین کروڑ دس لاکھ روپیہ خرچ کر کے تاج محل کی تعمیر کرائی جو دنیا کے بے مثال عجائب میں سے ایک ہے، اور جو ملک کی زیب وزینت میں چار چاند لگاتا ہے، کم از کم تیس لاکھ لوگ اس کی سیاحت کو سالانہ آتے ہیں، خود شاہ جہاں ۱۶۶۶ میں رحلت کر جاتے ہیں، اور اپنی محبوبہ بیگم کے قدموں میں مدفون ہوتے ہیں۔

ہمایوں کا دورِ حکومت

ہمایوں مغل سلطنت کا دوسرا تاجدار ہے، بابر (۱۵۳۱ء) کا فرزند، اور اکبر (۱۶۰۵ء) کے والد ماجد ہیں، ہمایوں ۱۵۲۶ء سے ۱۵۴۰ء تک ہندوستان کے بادشاہ رہے پھر درمیان میں کچھ زیر وزبر ہوا، سلطنت سے الگ ہونا پڑا، مگر پھر اپنی حسن تدبیر، ہمت وشجاعت سے اس نے دوبارہ ۱۵۵۵ء میں ہندوستان کی زمام حکومت کو سنبھالا، ۱۵۵۶ء تک یہاں کے سیاہ وسفید کا باہیبت مالک بنا رہا مگر تقدیر نے ساتھ نہ دیا اور صرف ۴۹ سال کی عمر میں ۱۵۵۶ء میں تخت وتاج کو الوداع کہتے ہوئے دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

فاتحِ زمانہ اور فاتحِ دل میں فرق

ساڑھے تین سو سال پورے آب و تاب، ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ حکومت کرنے والے مغل خاندان کے اکثر حضرات، اسی احاطہ میں پیوندِ خاک مٹی کے ڈھیر ہیں۔ سیر و سیاحت کے لیے آنے والے تو بیشمار ہیں، لیکن ان کی روحوں کو کوئی نذرانۂ ثواب پہنچادے یہ مشکل سی بات ہے۔

جب کہ اسی شہر میں حضرت نظام الدین اولیا اور امیر خسروؒ کا مزار ہے جہاں زائرین کا ہجوم ہے، عقیدت و محبت کے ساتھ سلام کرنے والوں کا ازدحام ہے، ہر ایک کی زبان پہ نذرانۂ ثواب ہے، اور آسمان سے رحمتوں کی برسات ہے، آپ دونوں مقام پر چلے جایئے اور دیدۂ عبرت سے دونوں منظر کو دیکھ لیجئے، اور اپنے ضمیر سے یہ سوال بھی کر لیجیے کہ ملک کے حکمرانوں اور دلوں کے بادشاہوں کی قبر پر اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟

ہمایوں کے احاطہ میں مولانا الیاسؒ کی خلوت نشینی

انبیائے کرام علیہم السلام ہوں، صحابہؓ، اولیاء ہوں، یا محدثین ہر ایک ہمیشہ اللہ کا ذکر کیا کرتے، یادِ الٰہی میں مشغول رہا کرتے، اور گاہے گاہے انسانوں سے ہٹ کٹ کر خلوت نشینی بھی اختیار کرتے رہے، خلوت نشینی کے بے شمار فائدے ہیں، داعیِ کبیر حضرت مولانا الیاسؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا، اور جن کے دل پر اللہ نے حالات کے تحت دعوت کے کچھ ایسے طریق اور کچھ ایسے اصول منکشف فرمائے، کہ آج پوری دنیا اور دنیا کا ہر گوشہ اس سے استفادہ کر رہا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں حضرت مولانا الیاسؒ (۱۳۶۳ھ) اس خلوت نشینی، اور ذکر الٰہی کے لیے ہمایوں کے مقبرہ پر کس طرح تشریف لے جاتے تھے۔ دہلی میں دعوت و تبلیغ کے مرکز پر رہنے والے، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ جن کا علم و فضل، اور جن کے باطنی کمالات کے، معترف تمام اہل علم حضرات تھے، وہ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے زمانے میں خوب ذکر کیا کرتے تھے، اس

زمانے میں مرکز نظام الدین میں، دور دور تک جنگل ہی جنگل تھا، آبادی کا نام ونشان نہیں تھا، آپ اتنی دور چلے جاتے تھے، جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا ہمایوں کا مقبرہ جہاں پہلے سانپ بچھو رہا کرتے تھے، ہم لوگ جا کر اس کے چاروں طرف کی جگہ کو صاف کیا کرتے تھے، اس جگہ میں جا کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، خدا کی یاد میں، اور ذکر میں ایسے گم ہو جاتے تھے کہ اپنا ہوش نہیں رہتا تھا اس خلوت اور دھیان اور ذکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا بڑا مقام عنایت فرمایا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے میں جب بھی چاہتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلوں تو زیارت کر لیتا ہوں۔ (خانقاہی تقریریں یعنی مواعظ عبیدیہ/ ۳۵)

جنگ عظیم اور انڈیا گیٹ

دہلی کی مشہور و معروف یادگار عمارتوں میں، انڈیا گیٹ بھی ہے جو سیاحوں کا مرکزِ نگاہ ہے، برطانوی دور حکومت میں ان ہندوستانی فوجیوں کی یادگار میں بنایا گیا، جو ہندوستانی پہلی جنگِ عظیم میں کام آگئے تھے۔ لال، بھورے اور گرے نائٹ پتھروں سے اس کی زیبائش کی گئی ہے ۱۱۳ فٹ (۴۲ میٹر) اونچا یہ دروازہ ہے، جس کے اندر ۳۰۰ سے زائد سیڑھیوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان دیواروں پر، شہید ہونے والوں کے نام درج ہیں، پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک ہوئی تھی۔

انڈیا گیٹ، ہماری قربانی کی علامت

انڈیا گیٹ پر ان جانبازوں اور شہیدوں کے تذکرے ہیں جو ہمارے ملک کی طرف سے جنگِ عظیم میں شریک کیے گئے تھے ان کی تعداد کو دیکھے تو ہماری تعداد خود شہادت دیتی ہے کہ اپنے ملک کے لیے ہماری قربانی اور شہادت کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا ہے اور رہے گا۔

زینت ہند، لال قلعہ

دہلی کی شان وشوکت، جاہ وجلال، رعب وداب وقار ہند کا عظیم شاہکار، بھارت کی

عظمت کا سرتاج، مغلیہ دور کی یادگار، سرخ پتھروں کا لبادہ اوڑھے ہوئے وہ دلکش عمارت بھی ہے، جس کو لال قلعہ کہا جاتا ہے، جس کے زیر سایہ بھارت کی تقدیر تقریباً دو سو سال تک لکھی جاتی رہی جہاں تخت طاؤس پر شاہان مغل کی تاج پوشی ہوتی رہی، اور آج بھی جشن آزادی کا پرچم لہرا کر مجاہدین کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

مغل خاندان کے پانچویں بادشاہ، شاہ جہاں (۱۶۶۶ء) ہے، اس کے ذوق تعمیر کی چند حیرت انگیز لاثانی یادگار تعمیرات میں لال قلعہ بھی ہے، ۱۶۲۸ء میں شاہ جہاں کی آگرہ میں تاج پوشی ہوتی ہے، اسے شاہی دربار کی تنگ دامنی کا احساس ہوتا ہے، اور اس کا ذوق جمیل ایک وسیع وعریض کشادہ شاہی دربار بنانے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے، غور وفکر کے بعد اس نے دہلی کے ''جمنا'' ندی کنارے، سرسبز وشاداب جگہ کا انتخاب کیا، اور ۱۶۳۹ء میں اس کی بنیاد رکھی جو دس سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس پر تقریباً دس لاکھ روپے خرچ ہوئے۔

اس عظیم الشان، زرق برق شاہی دربار کا جشن افتتاح ہوا، اور خاندان مغل کے شاہی افراد شان بان، ٹھاٹھ باٹ اور پورے تزک واحتشام کے ساتھ داخل ہوئے تو یہی قلعہ خاندان مغل کا مسکن بن گیا۔

لال قلعہ پر نظر بد

انگریزوں کو مسلمانوں کی ہر اس ادا سے بغض رہا جن سے ان کا جاہ وجلال ٹپکتا ہو، ان کی عظمت وہیبت جھلکتی ہو، ان کی طاقت وسیاست نمایاں ہوتی ہو، چناں چہ لال قلعہ کے اندر پھول بوٹوں خوش نما سنگ مرمر، دل کش ڈیزائن سے سجی دھجی عمارتیں، ان کی نظر عناد کا شکار ہو گئیں، اور منہدم ہو کر اندر کے حسن وجمال میں کمی چھوڑ گئی پھر بھی اگر آپ جائیں، تو اندر کی عمارتوں میں، دیوان عام، دیوان خاص پانچ محل، ممتاز محل، شاہ برج، موتی مسجد وغیرہ کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اگر اصلی حالت پر لال قلعہ رہتا تو کیسا جاہ وجلال کا نظارہ پیش کرتا

کہ دنیا سے آنے والا ہر سیاح دم بخود ہو کر واپس جاتا۔ گونا گوں سجاوٹ کی بنا پر ایک جگہ آپ کو پڑھنے کا موقع ملے گا کہ

گر فردوس بروئے زمین است ہمیں است ہمیں است ہمیں است

اس کو پڑھیے اور ذہن و فکر کے دریچہ کو کھولیے کہ یہ زیر و زبر کیوں ہوا اور ہماری عظمت رفتہ کی واپسی کی شکل کیا ہو سکتی ہے؟

لال قلعہ پر، پرچم کشائی

۱۶۳۹ء سے لے کر تقریباً دو سو سال تک مغلیہ پرچم یہاں لہراتا رہا ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء نوے سال تک انگریزوں کا یونین جیک پرچم لہرانے لگا آزادی کے بعد ۱۹۵۰ء میں جمہوریت قائم ہوتی ہے اور ترنگا، جھنڈا ہمیشہ کے لیے لال قلعہ کی پیشانی کی زینت بنتا ہے۔

سات سو سالہ حکومت اور لمحۂ فکریہ

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اگر ۱۱۷۱ء میں ہوتی، اور ان کی حکمرانی ۱۸۵۷ء میں ختم ہوتی، تو ۱۱۷۱ء سے ۱۸۵۷ کا وقفہ ۷۱۱۴ سال ہوتا ہے، اس لحاظ سے ۱۱۴۶ سال ہندوستان کی تاریخ مسلمان اور مسلم حکمرانوں سے وابستہ ہے۔ اور ۱۸۵۷ سے ۲۰۲۰ء تک، تقریباً ۱۶۳/ سال ہو گئے، لیکن پھر کوئی اس پوری مدت میں مسلم ہندوستان کا حکمران نہیں بن سکا، حسرت تو اس پر ہے کہ ۱۸۵۷ سے ۱۹۴۷ تک کل ۹۰ سال تک تو ہم انگریزوں کے غلام رہے لیکن ۱۹۴۷ء سے ۲۰۲۰ تک ۷۳ سال آزاد ہوئے ہو گئے، مگر ہم مسلمانوں کی حالت بدتر ہو گئی، کل ہم نے ہزاروں سال حکومت کی مگر اب اس قدر کمزور، کہ نہ حکومت ہے نہ قیادت نہ سیاسی طاقت ہے نہ حفاظت و ضمانت۔ بلکہ اب تو اپنے ہندوستانی وجود کو ثابت کرنے کی فکر لاحق ہے کہ۔ CAA, NPR اور NRC کے سیاہ قانون کی بنیاد پر نہ معلوم کیا ہو گا۔ الامان والحفیظ

مزارات پر یہ سب کیا ہونے لگا

دہلی کے بہت سے مزارات پر بھی، خلاف سنت بلکہ خلاف شریعت ایسے افعال ناکردنی ہوتے ہیں، جن سے روح کانپ اٹھتی ہے، رسم ورواج بدعات وخرافات سے قلب و دماغ مکدر ہوجاتا ہے، سجدوں، نذر ونیاز، حاجت روائی کی پکار ودعا کو سن کر، دل لرز جاتا ہے، کہ اللہ اللہ ان خاصانِ خدا کی تربت پر کیا ہو رہا ہے، جن کی پوری زندگی، اتباع سنت احیاء سنت اشاعتِ دین اخلاق نبوی کی ترویج، اور اسوۂ رسالت کی عملی تصویر تھی، جن کے شب وروز نبی آخرالزماں ﷺ کے شب وروز کے ہم مثل اور مشابہ تھے، جہاں سرِ مو آداب شریعت سے بھی انحراف ممکن نہ تھا، بلکہ ان کے زیر سایہ رہنے والے، سالکین ومریدین اور محبین سے بھی خلاف سنت دانستہ یا نادانستہ کچھ سرزد ہوجاتا تو ان کی پیشانی پر بل آجاتا، دل پہ تکدر ہوتا، اور فوراً تنبیہ فرماتے، ان حضرات کے مزاج ومنہج، اسلوب زندگی کو سنت وشریعت کے ڈھانچے میں ڈھلے ہونے کو دیکھنا ہو تو ان کی کتابوں، انکے مواعظ اور ملفوظات کو پڑھیے، یا ان کے تربیت یافتہ خلفاء اور سالکین کی زندگی میں دیکھئے، کھلی کتاب کی طرح نظر آئے گا کہ ان پاکیزہ روحوں کو، رسم ورواج غیر اللہ کے لئے نذر ونیاز، بدعات وخرافات سے کیسی نفرت بلکہ کیسا بغض فی اللہ تھا، اس لئے یقین رکھنا چاہیے کہ ان غیر مشروع اعمال سے ان کی روح پاکیزہ، اور وہ بری الذمہ ہیں، ان امور کے ذمہ دار اور جواب دہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایجاد کیا ہے، یا جو اس کو سند جواز دیتے ہیں۔

مشائخ کے مزارات پر گنبد؟

ان اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری کے دوران، ذہن ودماغ میں یہ بات کھٹکتی رہی، کہ مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کے مزارات کو، گنبد یا ان کی قبر کو سنگ مرمر سے دیدہ زیب بنانا یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے، جبکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عن جابر نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وان يقعد عليه

وان یبنی علیه (مسلم شریف ج:۱ص:۳۱۲)

اس سے قبروں کو پختہ بنانے پر تعمیر کرنے کی شدت سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، یہ ایک تاکیدی حکم ہے اسی بنا پر شارحین حدیث ہوں، یا فقہائے کرام، اولیاء عظام ہوں یا مفتیان کرام، ہر ایک نے اس کو ناپسند کیا اور ان میں سے کسی نے بھی، اپنے زمانے کے کسی علم و فضل کے امام، یا کسی شیخ و مرشد کی قبر کو پختہ، یا قبر پر گنبد بنایا ہو، ایسی کوئی مثال نہیں مل سکتی، بلکہ فقہاء کرام نے تو اس کی شدت یہاں تک ظاہر فرمائی کہ ایسی عمارت کو ڈھا دینا چاہئے

(مرقات:۱۷۷، ج:۴، رقم الحدیث:۱۶۹۶، ۱۶۹۷، بذل المجہود ۶، ۵، ج:۱۰)

لہذا جن مشائخ و اکابر کی قبریں پختہ ہیں، یا جن پر گنبد ہے، اس سے وہ حضرات بری الذمہ ہیں، ہاں! اس خلاف شرع امر سے ان لوگوں کو دامن داغدار ہے جنہوں نے بنایا یا سند جواز دی ہے۔

گنبد خضراء سے استدلال

کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضراء کو دیکھ کر، اولیاء کرام کی قبروں پر بنے ہوئے گنبد کو سند جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں، لیکن سنئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آج بھی بحمد للہ کچی ہی ہے، قبر شریف ہرگز ہرگز پختہ نہیں اور چونکہ ہر نبی کا مدفن وہی ہوتا ہے جہاں وہ دنیا سے پردہ فرماتے ہیں، اسلئے آپ کی قبر مبارک حضرت عائشہؓ کے اسی حجرے میں بنائی گئی، جس حجرہ کی در و دیوار اس کی چھت پہلے سے تھی، گویا پہلے سے تعمیر شدہ جو مکان تھا، اس مکان میں آپ کو دفن کیا گیا، آپ کے دفن کے بعد تعمیر نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے بنی ہوئی تعمیر میں تدفین ہوئی۔

البتہ اس وقت روضۂ اقدس پر جو شاندار عمارت اور دیدہ زیب گنبد بنا ہوا ہے یہ اسی سابقہ اور پہلے سے بنے ہوئے مکان کی تجدید ہے، جس کی تعمیر ہجرت نبوی کے ۶۶۷ سال بعد

شروع ہوئی اور گنبد خضراء تو صرف دو صدی پہلے یعنی ۱۲۳۳ یعنی آج سے تقریباً ۲۰۷ سال پہلے بنا ہے اس پر قیاس کر کے اولیاء کرام کے مزارات کو پختہ بنانے، یا گنبد بنانے کی گنجائش نہیں نکل سکتی، فقہی عبارتوں کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب النوازل: ج:۶، ۲۳۷ تا ۲۴۴) اسی مسئلہ کے لئے نہایت ہی مدلل و مفصل کلام اور مثبت و منفی تحریر کے لیے ملاحظہ فرمائیں فتاوی دار العلوم زکریا ص:۲۷۲ تا ۲۷۶ ج:۱) گنبد خضراء کی تعمیر اور تعمیری اشیاء کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد عبد المعبود صاحب کی تاریخی مفصل کتاب تاریخ المدینۃ المنورہ: ۲۵۸۔

مزارات کے لئے طویل سفر

قبروں اور مزارات سے گزرتے ہوئے لاتشد الرحال الا لثلاثة المساجد والی حدیث یاد آئی کہ بعض مکتبۂ فکر کے لوگ، اس حدیث کی روشنی میں، اس قسم کے سفر کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں جہاں مجھے یہ حدیث یاد آئی، وہیں امام غزالیؒ کی بات بھی ذہن میں آئی کہ زیارت قبور کے لئے سفر کا جواز اُس حدیث سے ثابت ہے جس میں آپ نے فرمایا: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها یعنی ابتداءً زیارت قبر سے ممانعت مطلقاً تھی پھر بعد میں جب زیارت کی اجازت، مذکورہ حدیث کے ذریعہ آئی، تو یہ اجازت بھی مطلقاً ہوئی، لہذا جس طرح قریبی جگہ کے لیے زیارت قبور کی اجازت ہوئی اسی طرح بطور عبرت و موعظت دور دراز کے علاقے میں بھی جانے کی اجازت ثابت ہوتی ہے، رہ گئی بات شد رحال والی حدیث کی، تو اس کا تعلق صرف اور صرف ان تین مساجد کے علاوہ دیگر اور مسجدوں سے ہے، کہ دیگر اور مسجد کے لئے اجر و ثواب کی نیت سے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ ان تین مسجدوں کی فضیلت کچھ اور ہی زیادہ ہے، اس کے علاوہ ہر مسجد برابر ہے، لہذا حصول ثواب کی غرض سے کسی اور مسجد کے لئے سفر ممنوع ہے، لیکن اس حدیث کا تعلق مسجد کے علاوہ دیگر اور مقام و محل کے سفر سے ہرگز ہرگز نہیں، ورنہ اگر اس حدیث کو مطلق رکھا جائے، تب تو طلب علم کے لئے سفر، اقربا کی ملاقات

کے لئے سفر، والدین کی زیارت کے لیے سفر، مصیبت زدہ کی خبر پرسی کے لیے سفر، بھی ممنوع ہو جائے گا اور گھر سے دور دراز سفر کے لئے نکلنا یہ بھی محل غور ہوگا۔

لہذا جن ایام میں ان مزارات پر خرافات نہ ہوں، بلا التزام بلا اعلان عبرت کی نیت سے سفر کر لیا جائے اور مسنون طریقے پر ایصال ثواب کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شد رحال سے متعلق حدیث پر نہایت عالمانہ محققانہ بحث و گفتگو کے لئے فتاوی دار العلوم زکریا جلد ۳ ص: ٤٨٦ سے ٤٩٦ تک ملاحظہ فرمایئے اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت بھی پیش نظر رہے جو صفحہ ۲۴۱ جلد ٦ پر مذکور ہے۔

اللہ اللہ اللہ

مشمولاتِ سفر نامۂ بخارا و سمرقند

بخارا سمرقند کی علمی، ادبی اور تاریخی جھلکیاں

محدثین و فقہاء اور مشائخ کے احوال

مساجد و مدارس اور خانقاہوں کے مرثئے

دینی تعلیم و تربیت اور یورپی تہذیب

مشاہدات و تأثرات

ایک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند (اقبال)

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخال ابرواش بخشم سمرقند و بخارا را (حافظ شیرازی)

اللہ اللہ اللہ

تاشقند سے بخارا

تاش قند سے بخارا کیلئے بلیٹ ٹرین سے روانہ ہوئے، برق رفتار ٹرین کبھی دوسو، تو کبھی ڈھائی سو کیلومٹر کی اسپیڈ سے دوڑتی رہی، تاش قند سے بخارا چھ سو کیلومٹر کی مسافت ۴ گھنٹے میں طے کرتے ہوئے بخارا کے خوشنما، خوبصورت صاف شفاف پلیٹ فارم پر آ پہنچی۔

جس بخارا کا تذکرہ عقیدت ومحبت سے بار بار سنا تھا آج وہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے ٹرین سے اترے باہر نکل کر محبت بھری طائرانہ نظر سے بخارا کو دیکھا تو یوں لگا، کہ شہر بخارا، دل کو مسرت، روح کو فرحت، اور تھکے جسم کو راحت کا حسین گلدستہ پیش کر رہا ہو۔ اور قافلۂ نقشبند کی آمد پر پھول برسا رہا ہو۔

اسٹیشن سے باہر ٹورو والے چشم براہ تھے، ان کی بس میں بیٹھے، بس نے ہلکا سا ہچکولا لیا، اور بغیر سمع خراشی سڑک پر دوڑنے لگی۔ دن کا اجالا کب کا جا چکا تھا، رات کے اندھیرے کا بسیرا تھا، مگر مصنوعی روشنی سے پورا شہر جگمگا یا ہوا تھا، ابھی رات کے دس بجے تھے، مگر پورے شہر میں سناٹا تھا، جلد سونے، جلد بیدار ہونے والے، نرم خو، نرم گفتار، نرم رفتار، اہل بخارا آغوش نیند میں جا چکے تھے۔ دلفریب عمارتوں سرسبز درختوں، پھول کی کیاریوں سے بس بل کھاتے گزرتی رہی، تھوڑی دیر میں ایک شاندار ہوٹل کے صحن میں جا کر تھم گئی۔

بس سے اترے، تو دل مچل رہا تھا، مگر جسم ناتواں تھک چکا تھا، اپنے روم پہونچے، اور بلا تکلف نرم گرم بستر پر دراز ہو گئے، چند گھنٹوں کے بعد بخارا کی صبح نمودار ہوئی، دل میں شوق وتمنا کا تلاطم تھا، کہ چلیں اس تاریخ ساز منزل کو دیکھیں جہاں سید المحدثین نے قال الرسول کی دلنواز صدا لگائی، اس جگہ کو چھوئیں جہاں نور نبوت کی بارش ہوتی رہی، مگر اس صبح نو میں نہ کوئی رہبر تھا، نہ انتظام، جبکہ کچھ کچھ نیند کا خمار باقی تھا، لہذا دوبارہ محو خواب ہو گئے۔

مرشد کی معیت میں بخارا کی سیر

خوش نصیبی اور سعادت مندی کا اس سے بہتر اور کیا حسین موقعہ ہوگا، کہ مرشد و مربی شیخ طریقت عارف باللہ محبوب العلماء والصلحاء، حضرت اقدس پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی صحبت و معیت، اور زیر سایہ بخارا کی سیر و سیاحت، اور زیارت کا موقعہ ملے۔ جس ذات گرامی نے ان گنت ملکوں، قوم کے عروج و زوال کی داستانِ ہوش ربا کو دیکھا اور پڑھا ہو، حالات و زماں کا در دِ دل سے مشاہدہ کیا ہو، ایسی شخصیت کی معیت میں تاریخی مقامات کے مشاہدے، مشائخ نقشبند، محدثین اور فقہاء کے مزارات پر حاضری، دلوں کی آبیاری، روح کی پاکیزگی اور ذہن و دماغ کی تازگی کا ذریعہ کیوں کر نہ ہو۔

استقبالیہ پروگرام

حضرت کی قیادت و سیادت میں قافلہ بذریعہ بس ہوٹل سے باہر نکلا، خوبصورت عمارتوں، دلکش بلڈنگوں، درخت کی قطاروں، پارکوں اور آنکھوں کو اچک لینے والے بازاروں سے گزرتے ہوئے ''افشونا'' نامی ہوٹل میں بس ٹھہر گئی، جہاں ٹور آرگنائزیشن کی طرف سے ضیافت بھی تھی اور استقبالیہ پروگرام بھی۔

کھانا تو رنگ برنگ کا تھا، مگر بے مرچ و مصالہ اور سادہ از حد سادہ، میزبان خوش تھے کہ ہم نے دسترخوان خوب سجایا ہے، مگر ہم جیسے مرچ و مصالہ کے خوگر کو کہاں پسند؟ چار و ناچار کھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ کچھ اچار ساتھ لائے ہوتے۔ اسی درمیان میزبان نے پوچھ لیا کیسا لگا ہمارا یہ ڈش، تو سر ہلا کر کہنا پڑا سبحان اللہ کیا کہنا!، ایسا کھانا تو پہلی بار ملا، وہ بے چارہ تو پھولے نہ سمایا کہ میرے حسن انتظام اور بے مثال کھانے کی تعریف ہی نہیں بلکہ پل بندھ رہے ہیں، مگر اشارہ تو کچھ اور ہی تھا۔

فراغت کے بعد استقبالیہ پروگرام منعقد ہوا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر سمرقند

کے لائق وفائق مفتی ایوب صاحب تشریف فرما تھے، انہوں نے ازبکستان کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے مہمانوں کو خوش آمدید کہا، اور اس ملک کی آمد پر کلمات تشکر بھی۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی دعاء پر اس مجلس کا اختتام ہوا، اور قافلہ وہاں سے قصر عارفاں کیلئے روانہ ہوا۔

بخارا کا محلِ وقوع

بخارا ازبکستان کے دار السلطنت تاشقند سے ۵۷۵ کیلومیٹر، سمرقند سے ۲۷۸ کیلومیٹر اور ترمذ سے ۴۳۷ کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی ۷۵۰ فٹ ہے، یہ شہر ایسے دریا کے قریب ہے جس کو زرِافشاں کہتے ہیں۔

اسلامی پرچم کب سے لہرایا

یہ شہر نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے، ساتویں صدی عیسوی کے چینی ماخذ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سب سے پہلے اہل عرب نے عبید اللہ بن زیاد کی قیادت میں اس شہر کو فتح کیا تھا، لیکن گرفت مضبوط نہ ہوسکی، اور باگ ڈور ان کے ہاتھ سے نکل گئی، پھر اس کے بعد ۹۱ھ/۷۱۰ء میں قتیبہ بن مسلم حملہ آور ہوئے، نہایت ہی طاقت وقوت اور شان وشوکت کے ساتھ اس شہر کو اپنے زیرِنگیں کرلیا، اور اسلامی پرچم لہرانے لگا، دورِ عباسی، دورِ سامانی، اور دورِ غزنوی میں اس شہر کی علمی شان وشوکت، اور تہذیب وتمدن کا شہرہ آفاق عالم میں پھیلتا گیا، ڈھائی سو مدرسوں، تین سو مساجد پر مشتمل یہ شہر دنیا کے ممتاز شہروں میں شامل ہوکر مدرسوں، مسجدوں کا شہر کہلانے لگا، اور علمی خدمات کی عظیم تاریخ سے وابستہ ہوگیا، مگر زوال وانحطاط کی نظر بد سے یہ شہر بھی بچ نہ سکا، آیئے ذرا اس کے فضل وکمال اور انحطاط پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

علم وفضل کا گہوارہ، شہر بخارا

بخارا اپنے روشن اور تابناک دور میں، تعلیمی اداروں، درسگاہوں، خانقاہوں کا مرکز تھا،

آفتاب و مہتاب کی طرح یہ شہر درخشاں تھا، طالبان علوم نبوت آتے، علم و معرفت کے چشموں سے سیراب ہوتے، علوم نبوت کے ساتھ انوارِ نبوت سے بھی فیضیاب ہوتے، اور چراغ محبت سے دلوں میں عشق و محبت کی انگیٹھی جلاتے۔ خاک بخارا پر چلتے پھرتے اس عاجز کے جذبات کچھ اس طرح تھے:

- یہ وہی بخارا ہے جس کی خاک سے سید المحدثین امام بخاری نمودار ہوئے۔
- یہ وہی بخارا ہے جہاں سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ نے دلوں کو گرمایا۔
- یہ وہی بخارا ہے جہاں خانقاہیں ذکر سے آباد رہا کرتی تھیں۔
- یہ وہی بخارا ہے جہاں تین سو مساجد کے ممبر و محراب اور منارے تھے۔
- یہ وہی بخارا ہے جہاں درس و تدریس اور وعظ و خطابت کے غلغلے تھے۔
- یہ وہی بخارا ہے جہاں آہ سحر گاہی سے آفت و مصائب دب جاتے تھے،
- یہ وہی بخارا ہے، جو مجمع الفقہا، معدن الفضلا، منبع الفضلا، اور قبۃ الاسلام کہلایا۔
- یہ وہی بخارا جو زیرک بخارا، بخارا شریف، اور مرکزِ دانش کہلایا۔
- یہ وہی بخارا ہے جسے کسی نے عجائب گھر کہا، تو کسی نے یادگار میوزیم۔

بخارا کراہا اور بلبلا اٹھا

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری قوم، جب تیز و تند آندھی کی طرح ظلم و بربریت کے ساتھ پھیلی، تو اس نے دیگر اسلامی ممالک کی طرح بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس کی شان و شوکت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے نشانات کو خاک میں ملادیا، مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہوں کو نذر آتش کردیا۔ انسانوں کی گردنوں کو گاجر مولی کی طرح کچل کر رکھدیا۔ بے گور و کفن لاشیں، گڑھوں، کنوؤں، نہروں میں ڈھکیل دی گئیں، ہاں کرم کیا تو اتنا کہ امام بخاری کی مسجد اور چند مکانات کو ہاتھ نہ لگایا، اسکے ظلم کی تاب نہ لاکر حاکم بخارا نے ۴/ذی الحجہ ۶۱۶ھ

مطابق ۱۲۲۰ میں چنگیز خان کے لشکر کو حوالہ کر دیا۔ چنگیزی فوج نے درندگی کے ایسے ننگے ناچ ناچے، کہ آسمان نے کبھی ایسا بھیانک منظر نہ دیکھا ہوگا۔ پورا شہر خون سے لت پت اور ظلم سے کراہتا رہا کوچہ کوچہ بلبلاتا رہا۔

بخارا دوبارہ ماتم کدہ بنا

ایک عرصہ ظلم و ستم قتل و غارت گری کے غم میں نڈھال رہا، پھر آہستہ آہستہ اس شہر کی کمر سیدھی ہونے لگی۔ درسگاہوں کی قندیلیں روشن ہونے لگیں، خانقاہوں کی انگیٹھی جلنے لگیں۔ مگر پھر اس کو دوبارہ نظر بد لگی، چناں چہ ایک دوسرا تاتاری حکمراں الجلخان کو جلال چڑھا، اس کا غصہ اس طرح ٹوٹا کہ باشندگان بخارا اتھل پتھل ہو گئے، اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگے، کوئی بلبلا اٹھا کہ کیا ہو گیا؟ ہمارے نصیب کو؟ اور کیا ہوا ہے ہمارے مقدر کو۔

بخارا پر تیمور کی نظرِ عنایت

تیمور بادشاہ (۱۳۳۶ء) علاقہ سمرقند کا رہنے والا تھا جب اس کا دورِ اقتدار آیا تو اس نے لٹے پٹے اور کھنڈر بنے بخارا کو حوصلہ مند نگاہوں سے دیکھا، اور ذوق جمیل سے اس شہر کو بسانے سجانے، دیدہ زیب بنانے، اور علم و ہنر کا گہوارہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بخارا اپنے تابناک دور کی یاد دھرانے لگا۔ مدارس، مساجد، دانش گاہوں کی حیرت انگیز تعمیرات ہونے لگیں، علم و فضل کی شمعیں اور تہذیب و تمدن کی کرنیں پھر پھیلنے لگیں، ایک عرصہ تک بخارا علم و ہنر کا روشن مینار بنا رہا۔

بخارا پر روس کی نظرِ عتاب

۱۹۱۷ء میں جب روس نے اپنے اطراف کے چھوٹے بڑے ممالک کو ھضم کر کے پندرہ ملکوں کی مشترکہ حکومت ''سوویت یونین'' کے نام سے بنائی تو بخارا بھی اس کا حصہ بن گیا۔ پھر کیا تھا، روسیوں نے اس شہر کے تقدس کو اسی طرح پامال کیا جس طرح تاتاریوں نے نیست و

نابود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ۔ سینکڑوں نہیں ، ہزاروں علماء ، طلباء، صلحاء ، خطباء، مصلحین، اور ایمانی حمیت وغیرت رکھنے والے عام مومنوں کو بندوقوں ،توپوں سے بھون دیا۔ ان کے پرخچے اڑا دئے ، بے گور وکفن حوض یا صحراء میں ڈھکیل دیا۔

مسجد و مدرسے شراب خانے بن گئے

مساجد و مدرسے منہدم ہو گئے یا شراب خانوں میں یا رقص وسرور کے اڈے بنا دئے گئے ، کس کی مجال تھی؟ کہ چوں چرا کر سکے، کس کی ہمت! کہ اذان ونماز یا کلمہ پڑھ سکے ، ہر اسلامی عمل کی سزا بندوق نال، ہر طرف بندوق، رائفل اور توپوں کی جھنکار نے ، ہر دل کو دھلا دیا تھا، ہر جسم کو لرزاں اور ترساں بنا دیا تھا، ہر دل کو خوف زدہ ، ہر ذہن و دماغ کو ماؤف کر دیا تھا، اسی پر بس نہیں ، بلکہ دنیا بھر سے اس طرح کاٹ دیا تھا کہ نہ کوئی آہ سن سکے، نہ فریاد، نہ کوئی مدد کر سکے نہ زخم پر پٹی رکھ سکے، ستر سال اس طرح بے سہارا مظلومانہ، بے چارگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا کہ احساس کمتری کے بھنور میں اس طرح ڈوبے کہ ذہن وفکر سے بھی معذور ہو گئے۔

روس ۱۹۹۱ء میں گرچہ نادم وشرمندہ ہو کر بھاگا، مگر اپنے مقصد میں کامیاب رہا، کہ بخارا کے فکر ونظر کو، ذہن و دماغ کو، عقل ودانش کو اس طرح بدل دیا کہ اسلامی لباس، وضع قطع، طور وطریق، اسلامی تہذیب وتمدن یکسر ختم ہو گئے ۔ خواتین اور بچیوں نے بھی لباس کے ساتھ اپنی چال بھی یورپین بنا کر یورپی طریقہ زندگی کو ہی اصل زندگی تصور کرنے لگے۔

بخارا کی دینی زبوں حالی

جس شہر کی عظمت ورفعت ، شان وشوکت، آسمان کی بلندی کو چھوتی ہو۔ جسکی اسلامی تہذیب وتمدن دینی فکر ونظر، اور مذہبی شعار آسمان کے افق تک پھیل چکے ہوں ۔ آخر کیا ہوا کہ چمکتا نصیب ایکدم سے پھوٹ گیا، علم وعمل، اخلاص وروحانیت کا سورج ڈوب گیا، اور اب درس

عبرت یا پھر سیاحتی دلکشی کا شہر بن گیا، اگر آپ زندہ دلی، بیدار مغزی، اور عبرت پذیری کے ساتھ سیر کو جائیں تو آپ کا ضمیر پکار اٹھے گا، کہ یہ وہی بخارا ہے، جہاں بے شمار مساجد مکاتب مدارس خانقاہیں منہدم بے نام ونشان یا ویران ہوگئیں، منبر ومحراب اور منارے اذان وخطابت کے لئے ترس کر رہ گئے، اسلامی لباس اور وضع قطع کے بجائے، یورپی لباس پسندیدہ بن چکے ہیں۔

خواتین کی چال ڈھال

اسی فیصد خواتین کے لئے بالوں کا کاٹنا محبوب مشغلہ ہے۔ حجاب تو درکنار دوپٹے کا تصور بھی دقیانوسی سے کم نہیں، بلکہ یورپی لباس مغربی زیب وزینت کے ساتھ آفسوں، ہوٹلوں کی حسن کارکردگی میں پیش پیش ہیں، اور حد تو یہ ہے کہ ان مسلم خواتین کی چال ڈھال کو دیکھیں تو محسوس ہوگا، کہ آپ ماسکو یا کیپ ٹاؤن کی سڑکوں پر کھڑے ہوں، اور علماء اور طلباء کو دیکھیں تو کسی کے چہرے پر داڑھی نہیں، بلکہ ہر کوئی پینٹ شرٹ، اور کچھ ٹائی کے ساتھ نظر آتے ہیں، ہاں امامت کے وقت سر پر صافہ اور جبہ زیب تن ضرور کر لیتے ہیں، امامت ہوگئی، اب دونوں الگ۔

نوخیز جوانوں سے سوالات

۹۵ رفیصد عورتوں میں بال کی تراش وخراش، اسکٹ اور جنس ولباس تو عام سی بات ہے اس عاجز نے جہاں جہاں نوجوان لڑکوں، اسکول کی نوخیز بچیوں، بازاروں، پارکوں، اور مزارات پر آنے والی خواتین سے بات چیت کی تو یہ محسوس ہوا کہ ان کی فکر ونظر بدل چکی ہے، ان کو پتہ ہی نہیں کہ یہ سب اسلامی تہذیب کے سراسر خلاف ہے، کلمہ یا قرآنی سورتوں، یا چند مختصر دعاؤں کا یاد ہونا یہ تو دور کی بات ہے، بہت سے بارہ پندرہ سال کے بچوں سے میں نے سوالات کئے، مگر یہ حسرت رہ گئی، کہ مجھے تحیات، درود شریف اور دعاء ماثورہ نہیں سنا سکے، جن سے پوچھتا ندامت بھری مسکراہٹ کے ساتھ خاموش رہ جاتے۔

جامع مسجد کلاں

گجرات احمد آباد کی شاہ عالم مسجد کے نقش و نگار کو دیکھ کر سیاح محو حیرت رہ گئے، تاج محل، چار مینار، لال قلعہ کو دیکھ کر ماہرین کو کہنا پڑا کہ یہ کسی اور مخلوق کی بناوٹ تو نہیں؟ پتھروں سے بنی جامع مسجد دہلی کو دیکھ کر ششدر رہ گئے، اگر آپ بخارا کی جامع مسجد کے سایہ میں کھڑے ہوں، تو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں، صدیاں بیت گئیں، نہ رنگ مدھم پڑا، نہ پھول پھیکا پڑا، بلکہ دور سے دیکھیں، تو ایسا لگے کہ الگ الگ پھول جڑے ہیں، جو کلیوں کے ساتھ مسکرا رہے ہیں۔

اس مسجد کی وسعت و لمبائی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کم از کم بیس ہزار مصلی ایک ساتھ باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں، اس کی وسعت کی بنا پر اس کا وصف جمیل ''مسجدِ کلاں'' ہے۔

یہ مسجد، مسجد بخاری کے نام سے مشہور ہے، سب سے پہلی اس کی سنگ بنیاد، ۷۱۳ء میں رکھی گئی، اور اس کی تکمیل بادشاہ ارسلان خان نے کی، پھر الغ بیگ کے دور میں ۱۵۱۴ء میں دوبارہ تعمیر ہوئی، یہ مسجد منفرد طرزِ تعمیر کی خوب صورت مثال ہے، مسجد کے دونوں جانب دو بڑے نیلے رنگ کے دیدہ زیب گنبد ہیں، مسجد کے اندرونی صحن میں دو سو آٹھ ستون ہیں، اور سہدری کے اوپر چھوٹے چھوٹے دو سو اسی گنبد ہیں، جن سے یہ مسجد دوسری تمام مساجد سے ممتاز اور بے مثل نظر آتی ہے۔

حیرت کے اتاہ سمندر میں

مگر آپ حسرت زدہ رہ جائیں گے یہ دیکھ کر کہ مسجد کا اکثر و بیشتر حصہ ویران و سنسان ہے، ہر آنے والا بلا تکلف چپل اور بوٹ کے ساتھ اس کی دید و زیارت کر لیتا ہے، خیال بھی نہیں گزرتا کہ ہم اس جگہ پہ ہیں جہاں نہ معلوم کیسے کیسے مشائخ اولیاء، علماء، صلحاء نے بار بار سجدے کیے ہوں گے، البتہ سات دروں پر مشتمل ایک حصہ نماز کے لیے خاص کر دیا گیا ہے،

جس میں گنتی کے چند نمازی نظر آئیں گے، روس کے ظالمانہ قبضہ کے ختم ہوئے قریباً سو سال ہو چکے، مگر اب تک نماز و روزہ کا ایک عام مزاج نہ بن سکا، میں اس مسجد میں چلتا رہا، حسرت بھری نگاہوں سے در و دیوار کو دیکھتا رہا، اور حیرت کے اتاہ سمندر میں ڈوبا رہا۔

مسجد بخاری اور نماز کی حضوری

امام بخاری کی اس تاریخی مسجد میں نہ معلوم کیسے کیسے آفتاب و مہتاب، علم و فضل کے درخشاں ستارے، تقوی و طہارت کے امام آتے ہوں گے، اور اپنی جبیں جھکا جھکا کر سر بسجود ہو کر ، رب کریم کے سامنے، کیا کیا فریاد و مناجات کرتے ہوں گے، اس عالی شان خانۂ خدا میں آج ہمیں داخل ہونے کا موقعہ ملا، مغرب کی نماز ہو چکی ہے، خانہ خدا کا حق ادا کرتے ہوئے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہوئے اندر پہنچے، دل میں یہ جذبہ تھا کہ آج امام بخاری جیسی نماز پڑھنے کی کوشش کریں گے، کیا تھی ان کی نماز ذرا سنئے۔

نماز میں مقامِ احسان ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کے آپ مصداق تھے، حضوری، انابت، مراقبہ اور مشاہدہ کا اعلی درجہ آپ کو اس طرح حاصل تھا کہ گویا تصور جاناں میں آپ کھوئے کھوئے ہوئے ہیں، نہ ٹھنڈک کا احساس، نہ کسی جانور کے ڈسنے کا خیال، چنانچہ ایک مرتبہ نفل نماز سے فارغ ہوئے اور کسی عقیدت مند سے فرمایا کہ ذرا میری قمیص میں دیکھو کیا ہے؟ جب دیکھا تو پتہ چلا ایک بھڑ ہے، جو سولہ جگہ آپکو ڈنس چکا ہے، اور وہ حصے ورم ہو چکے ہیں، اس نے کہا کہ حضرت کیا اچھا ہوتا درمیان نماز نیت توڑ دیتے، فرمایا جس سورت کی تلاوت کر رہا تھا، اس میں ایسی لذت و حلاوت اور کیف و سرور محسوس ہو رہا تھا کہ ڈسنے کی تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا، اندازہ لگایئے کہ نماز میں کیسی دل جمعی، کیسا خشوع خضوع، کیسا انہماک اور کیسی حضوری تھی، اللہ تعالی ہمیں بھی ان کی طرح نماز کی کیفیت نصیب فرمائیں۔

لاشوں کا چبوترہ

چنگیز خان کے حملوں نے اسلامی ملکوں کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ آسمان کی آنکھوں نے تباہی و بربادی کی ایسی اندوھناک مثال نہ دیکھی ہوگی۔ اور تاریخ انسانیت نے ظلم و بربریت کی ایسی داستان نہ پڑھی ہوگی، چنگیز کا فتنہ طوفان کے ساتھ اٹھا اور پھیلتے پھیلتے قیامت کا منظر بن گیا، جب یہ حملہ بخارا پہونچا تو بخارا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، پورا شہر بلبلا اٹھا، اور در و دیوار کراہ اٹھے، اہل شہر کی گردن گاجر مولی کی طرح تراشے گئے، اس دلخراش داستان کی منظر کشی ساتویں صدی کے مورخ اور مفسر ابن کثیر (۷۷۴ھ / ۱۳۳۷ء) نے البدایہ والنھایہ کی جلد اول میں کی ہے، اگر آپ کا دل دل حساس ہوگا تو پڑھ کر حسرت کے ساتھ آپ آنسو بہائے بغیر نہ رہ پائیں گے۔

جامع مسجد کے صحن میں ایک خاص قسم کا اونچا چبوترہ ہے، معلوم ہوا کہ دراصل یہ ایک کنواں تھا، تاتاریوں کی فوج نے اس خطہ کے ہزاروں اہل ایمان کو جام شہادت پلا پلا کر اس کنویں میں ڈھکیل دیا۔ اللہ اللہ، جب پورا کنواں شہدائے بخارا سے پٹ گیا، تو اوپر سے مٹی اس طرح ڈالا کہ چبوترہ کی شکل بن گیا، آج اس کی بناوٹ ایسی ہے کہ سیر و سیاحت کرنے والے کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ چبوترہ ہے یا مظلوم سسکتی لاشوں کا مقبرہ؟ اس چبوترہ پر اس بے تکلفی سے لوگ بیٹھے نظر آئینگے گویا تھکے ہارے مسافر کی آرام گاہ ہو۔ تھوڑی دیر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ زبان سے جام شہادت پینے والوں کو دعاء مسنون کے ساتھ سلام کرتا رہا۔

مینار کلاں

مینارِ بخارا اور قطب مینار

مسجد کے منبر و محراب شعار کا درجہ رکھتے ہیں، ہمارے دیار میں مینارے خواہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں مسجد سے متصل بلکہ اس کے کسی ستون سے ملحق ہوتے ہیں، مگر اس پورے ملک

ازبکستان میں مینارے مسجد سے الگ ہوتے ہیں۔ مسجد بخاری کے پاس قابل دید مینارہ ہے کہا جاتا ہے اس کی لمبائی ۵۰ رمیٹر ہے جس میں ۱۴۸ سیڑھیاں ہیں، اس کی اونچائی اور خوشنمائی نظروں کو اچک لیتی ہے، اور ذہن ودماغ کو محوحیرت کردیتی ہے۔

ہمارے ملک ہند میں بھی ملک کی عظمت کا نشان قطب مینار ہے جو ۲۳۸ رفٹ بلند ہے اور جس میں ۳۷۹ زینے ہیں جو اپنی فنکاری میں دیدہ زیب ہیں۔

قطب مینار، اور مینار کلاں کو اگر تقابل کی نظر سے دیکھیں، تو دونوں میں قدرے فرق نظر آئے گا.... کہ مینار کلاں اوپر سے نیچے تک پتھروں، اینٹوں، اور رنگین آب گینوں سے مزین ہے.... اور نقش ونگار کے ذریعہ اس کی جاذبیت اور حسن میں کمی نہیں چھوڑی گئی.... ، نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے ہر بیس فٹ کے بعد نقش ونگاری کی ایسی مخصوص مینا کاری کی گئی ہے کہ نظر جم جاتی ہے.... رنگ برنگ کی تیرتی ہوئی روشنی سے آپ محوحیرت ہوکر دیکھتے رہ جائیں، جبکہ قطب مینار میں جاذبیت کی یہ مینا کاری نظر نہ آئے گی۔

مدرسہ میر عرب اور درس نظامی

امام بخاریؒ کی تاریخی لق ودق، صنعت وحرفت کی عجیب شاہکار جامع مسجد کے صدر دروازہ کے بالکل سامنے وہ مدرسہ بھی ہے جس کو مدرسہ میر عرب کہتے ہیں، سعید بن عبداللہ حاکم بخارا جو میر عرب کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے اپنے سرمایۂ خاص سے نہایت ہی عقیدت کے ساتھ، ۱۵۳۶ء میں محرابی شکل میں یہ پرشکوہ عمارت بنوائی تھی، جس میں قرآنی سورتوں کے بقدر قریباً ۱۱۴ رکمرے، دو دیوان، اور دو ہال بنائے گئے تھے، ایک نماز کے لیے اور دوسرے اجتماعی تعلیم وغیرہ کے لیے، اس وقت قریباً تین سو سال پرانا ہو چکا ہے، مگر اس کی شان وشوکت میں کوئی فرق نہیں۔

روسی دور میں وہاں کے علماء اور طلباء کے ساتھ ظلم وبربریت کا عجیب ننگا ناچ ناچا گیا تھا، کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کسی مقامی نے بتلایا کہ قریباً پانچ سو افراد کو قریب

میں واقع لبِ حوض نامی جگہ کے پاس لے جا کر گولیوں سے بھون دیا گیا، روس سے آزادی کے بعد غیور مسلمانوں نے اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کی، اب بحمد اللہ درس نظامی کے مطابق تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔

نصابِ تعلیم اور اندازِ تربیت

چنانچہ وہاں کے نظام کے مطابق چند کتابیں مندرجہ ذیل ہیں، جو ایک طالب علم عبد الماجد نے بتلایا اور کہا کہ اس وقت قریباً دو سو طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔

الصّف الاول میں: ہدایہ اول، شرح معانی، الوافیہ وغیرہ۔

الصّفِ الثانی میں: ہدایہ، شرح عقائد نسفی، ترمذی، فقہ السیرۃ النبویۃ، شرح جامی، دروس البلاغہ وغیرہ۔

الصّف الثالث میں: ہدایہ ثالث، ہدایہ ثانی، بخاری، بیضاوی، فقہ السیرۃ النبویۃ وغیرہ۔

درس نظامی کی ان کتابوں میں جو علمی ذوق، استعداد و صلاحیت اور تعمق کا راز پوشیدہ ہے وہ کسی بھی باذوق باصلاحیت محقق عالم سے مخفی نہیں، ان کتابوں کا اس ملک کے درس میں شامل ہونا خود اس کی بے پناہ افادیت کو بتلاتا ہے، ان حضرات کا مسلک و مشرب بھی حنفی ہے اور طریقۂ درس بھی اسی زاویے سے ہوتا ہے، البتہ دینی وضع قطع سے متعلق نہ اساتذہ میں ہمت ہے اور نہ ہی طلبہ کی ذہنی تربیت، بلکہ ''ہم چلیں گے اسی رخ جدھر زمانہ چلے'' کی روش پر اساتذہ اور طلبا کا انداز ہے۔

مگر انگشت بدنداں رہ گئے

عشاء کی نماز امام بخاری کی جامع مسجد میں مدرسہ میر عرب کے طالب علم کی امامت میں ادا کی جس نے داڑھی کٹا رکھی تھی، نماز کے بعد مدرسہ میر عرب کے اندر پہونچے، کسی کتاب کی اجتماعی تعلیم ہو رہی تھی، ساٹھ ستر بڑے طلباء شریک تھے، مگر ہم انگشت بدنداں رہ گئے کہ ان

میں سے کسی کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں، بلکہ خشخشی ڈاڑھی بھی نہیں، اکثر پینٹ شرٹ میں ملبوس تھے، ہم نے عبدالماجد طالبِ علم سے اپنا دردِ دل اور حسرت ظاہر کی، تو اس نے کہا کہ اسلامی کلچر اور ڈاڑھی رکھنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، عوام الناس بھی اس کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں، اور بعض تو طنز کستے ہیں، اس لیے کوئی ہمت نہیں کرتا، خود عبدالماجد جو طبعاً نہایت شریف، نیک دل متواضع اور اکابر و مشائخ کا قدرداں ہے، وہ بھی پینٹ شرٹ میں ہی رہے اور ڈاڑھی رکھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

لبِ حوض، ایک عبرت خیز علاقہ

مسجدِ کلاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک مشہور و معروف ایک تاریخی علاقہ ہے، جس کو ''لبِ حوض'' کہتے ہیں، یہ علاقہ بھی دلچسپ سیر و سیاحت کا سامان پیش کرتا ہے، عقل و خرد کو حیران کر دیتا ہے، ذہن و دماغ کے دریچوں کو کھول دیتا ہے، زمانۂ قدیم کے حکمرانوں اور معماروں کے ذوقِ تعمیر کا عکسِ جمیل پیش کرتا ہے، اس وقت وہ مرکزی مارکیٹ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، مگر موجودہ احوال کو اگر آپ دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں، زوال و انحطاط کی ان یادگاروں کو دیکھ کر ذہن و دماغ ماؤف ہو جائے یہ کیسا انقلابِ زمانہ ہوا، کہ مسجد و مدرسے ویران، بلکہ میوزیم اور دوکانوں میں تبدیل ہو گئے۔

خانقاہ، اب میوزیم کے روپ میں

لبِ حوض تو ایک علاقہ کا نام ہے، مگر وہاں پر ایک بڑا سا حوض بھی ہے، اس کے دائیں جانب گنبد نما بھاری بھرکم گول ایک عمارت ہے، جو کسی زمانے میں نذر بیگ کی خانقاہ کے نام سے موسوم تھا، جب ہم پہنچے تو کچھ مرمت کا کام چل رہا تھا، مگر وہاں پر دو مجسمے بھی اپنا چہرہ چھپائے کھڑے تھے، میرے پوچھنے پر بتلایا گیا کہ اب یہ میوزیم بن رہا ہے، اور اس کے صدر مقام پر یہ مجسمے نصب کیے جائیں گے، تھوڑی دیر کے لیے ٹھٹھک کر رہ گئے کہ اللہ... اللہ جس عمارت میں

نہ معلوم کیسے کیسے پاک طینت آ کر دلوں کو آباد کرتے ہوں گے، زباں کو ذکرِ الٰہی سے تر و تازہ رکھتے ہوں گے اب وہ سیاحوں کے لیے دلچسپی کا سامان بن رہا ہے۔

مارکیٹ کی عجیب بناوٹ

اسی کے قریب شمالی جانب، گنبدوں پر مشتمل ایک اور دل فریب عمارت ہے، ہر گنبد کے نیچے مخصوص قسم کی دکانیں ہیں، دکانوں پر اکثر و بیشتر خواتین، سیلس مین ہیں، خیال ہوا کہ کم از کم اس علاقہ میں چائے تو پی جائے، ایک دکان سے قریب ہوئے تو شراب کی بوتل بھی نظر آ گئی، دوسری دکان پہ گئے تو میوزک کی جھنکار چل رہی تھی، چائے کے شوق کو دباتے ہوئے آگے کو بڑھے، بھوک بھی لگ رہی تھی، خیال آیا کچھ تو کھائیں، وہاں کی کرنسی آٹھ سو پچاس روپے میں ابلا ہوا ایک بھٹا (مکئی) خریدا اور تکلف برطرف کرتے ہوئے ایک دیوار پر بیٹھ کر کسی عام سیاح کی طرح کھا کر آگے کو چلے۔

سرائے محل

فنِ تعمیر کا ایک اور عجوبہ دو منزلہ ایک عمارت ہے، جو بہت سے چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے، زمانہ قدیم میں مسافروں کے لیے یہ سرائے کا کام کرتا تھا، جہاں اب دستکاری کے سامان بکتے ہیں۔

مدرسہ، جہاں اب بکتے ہیں جام و مینا

لبِ حوض کی ایک اور جانب بلق ودق بلند و بالا، پر شکوہ، اور بارعب، دو عجیب سی عمارت ہیں، یہ دونوں عمارت کسی زمانے میں بخارا کے مشہور، معیاری تعلیمی اداروں میں شامل تھیں، جس میں فنِ تعمیر کا عجیب مظاہرہ کیا گیا ہے، چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل اس عمارت میں امت کے کن کن جیالوں نے، علم کے متوالوں نے، حدیث و تفسیر کے شیدائیوں نے، حکمت و طبابت کے دلدادوں نے رات و دن گزارے ہوں گے اور درسِ حدیث کے کیسے حسین غلغلے

رہے ہوں گے۔

مگر اے انقلابِ زمانہ! تو نے یہ دن بھی ہمیں دکھلا دیا، کہ اب یہ ادارے زیب وزینت کے مارکیٹ بن گئے، نوخیز خواتین دکانوں کی زینت بن گئیں، نہ اذاں کی آواز ہے، نہ ذکر ونماز، نہ تعلیم وتربیت ہے، نہ ہی سیرت وکردار کی باتیں، بلکہ اردگرد میں شراب کی بوتلیں اور میوزک کی جھنکار، ہم ان در ودیوار کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، کمروں میں جھانکتے رہے، پھر "ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا" پڑھتے ہوئے حسرت کے ساتھ لوٹ گئے۔

چار مینار کے سایہ میں

شہر بخارا کے حسن وجمال، اس زیب وزینت میں چار چاند لگانے والا چار مینار بھی ہے جس کے سائے میں کئی تاریخی مقامات موجود ہیں، چار مینار محلے میں چہل پہل بھی ہے، دیدہ زیب مکانات اور قدیم محلات بھی، چار مینار کے پہلو میں چشمۂ ایوب بھی ہے۔

چار مینار کو دیکھ کر وطن عزیز کا چار مینار یاد آیا جو شہر حیدرآباد میں ہے، حیدرآباد جو ہمیشہ سے تہذیب وتمدن اور ثقافت کا گہوارہ رہا ہے، جسے نوابوں کا شہر کہا جاتا ہے، شہر کی مساجد، میوزیم اپنی مثال آپ ہے، حیدرآباد شہر میں بھی چار مینار واقع ہے، یہ اپنی زیبائش، حسین بناوٹ، صنعت کاری میں، ہر ایک سے داد تحسین لئے بغیر نہیں رہتا، لوگوں کا ہجوم اسکی دل کشی کو اور بڑھا دیتا ہے، اس کی تعمیر سن ۱۵۹۱ء میں سلطان محمد قطب شاہؒ (۱۶۶۲ء) نے کی تھی، اور اس کی تکمیل ۱۵۵۲ میں ہوئی، گویا اس کی تعمیر، سن ۲۰۲۰ کے حساب سے اس کی تعمیر ۴۲۹ سال قبل ہوئی، اس کی بلندی تقریباً ۱۶۰ رفٹ ہے، بخارا اور حیدرآباد کے میناروں کے حسن میں کس کا حسن دوبالا ہے، اور آنکھوں کو کونسا زیادہ خیرہ کرتا ہے، اس کا فیصلہ آپ اپنے ذوق سے کر سکتے ہیں۔

چشمۂ ایوب کی روانی

چار مینار کے قریب پانی کا چشمہ ہے، جو چشمہ ایوب کے نام سے مشہور ہے، اور آج

بھی جاری ہے، یہ چشمہ سیاحوں کی دلچسپی کا سامان ہے زمانہ قدیم سے ابلتے ہوئے اس چشمہ نے سیاحوں کے دلوں کو کھینچ رکھا ہے، جو اس کے منڈیر تک پہونچا دو چار گھونٹ پی کر ضرور لوٹا، علاقائی روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام وہاں سے گزرے تھے، پانی کی قلت تھی عصا کو زمین پر مارا پانی کا چشمہ جاری ہو گیا، مگر تاریخی اعتبار سے اس کی کوئی سند نہیں ملتی، ایک دوسری عوامی روایت یہ بھی ہے کہ ایوب نامی ولی بزگ بخارا کے رہنے والے تھے بخارا میں پانی کی قلت تھی، انہوں نے عصا کو زمین پہ مارا، جس سے پانی کا چشمہ ابلا اور آج تک ابل رہا ہے، جبکہ بخارا بہت سے حالات سے دو چار ہوا مگر چشمہ میں کبھی کوئی فرق نہ پڑا، قریب میں ایک مزار ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اسی ولی صفت ایوب کا مزار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مدرسہ چار مینار

۱۸۰۸ء میں ایک مدرسہ خلیف نیاز قل نامی شخص نے دیدہ زیب عمارت کی شکل میں بنایا تھا، مگر مرورِ زمانہ اور روسی فوج کی نظر ہو کر آج بے نام و نشان ہو گیا البتہ وہاں ایک یادگار مسجد موجود ہے۔

اسماعیلی سامانی مقبرہ

اسی علاقہ میں خاکی اینٹوں کا بنا ہوا چوکور مقبرہ ہے، جو عجیب کاریگری سے سجا ہوا ہے، کہنے والے کہتے ہیں: اس کا کرشمہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی کے ساتھ ساتھ، اس کا رنگ بدلتا ہے، یہ سیاحوں کی دل چسپی کا ایک لاثانی مقبرہ ہے، جو سامانی دورِ حکومت کے چشم و چراغ اسماعیل نامی بادشاہ کے نام سے موسوم ہے، ۱۲۰۰ سال پرانا ہے، چنگیز خاں جس کے بارے میں کہا گیا کہ جس شہر میں پہنچا مظلوموں کے سر سے اس نے مینار بنایا، اور پھر اسے نذرِ آتش کر دیا مگر وہی چنگیز خاں (۱۲۲۷ء) جب بخارا پہنچا تو مینارِ کلاں اور سامانی مقبرہ کو دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گیا، اور یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اسے تہس نہس نہ کیا جائے۔

قاضی حسن بن منصور اوزجندیؒ کا مزار

——— م: ۵۹۲ھ

چار مینار کے پر کیف محلے میں فقہ وفتویٰ کے سرخیل، طبقہ فقہاء کے تیسرے طبقہ کے قاضی حسن بن منصور اوزجندیؒ کا مزار ہے، علمی دنیا کو فقہی مستند زخیرہ دینے والے، (فتاوی قاضی خاں) ایک شہر خموشاں میں اس طرح پیوندِ خاک ہیں، کہ وہاں سناٹا ہے، زائرین کا زیادہ تر آنا جانا نہیں، بلکہ مقامی حضرات بھی کم ہی جانتے ہیں کہ کونسی شخصیت ہیں، لیکن آپ کو یہ کہنا پڑیگا کہ علاقہ نے اگر چہ بھلا دیا ہو مگر فقہ وفتوی کی دنیا کبھی ان کو فراموش نہیں کرسکتی، اور فتوی کے مسند نشینوں کی گردن ان کے سامنے جھکی کی جھکی رہیں گی۔ (فتوی تاتارخانیہ: ص ۲۵ ج ۱)

قلعۂ بخارا

بخارا شہر کا یہ وہ قلعہ ہے جس کو بخارا آرک کہتے ہیں، یہ قلعہ حکمرانوں کی رہائش کے طور پہ تھا، البتہ باذوق حکمرانوں کے دور میں یہاں علمی سرگرمیاں بھی ہوا کرتی تھیں، اس قلعہ میں ایک بڑی لائبریری بھی تھی، جس کے سایہ میں فردوسی (۴۱۰ / ۱۰۲۵)، فارابی (۹۵۰ء)، ابن سینا (۴۲۸ / ۱۰۳۷)، اور عمر خیام (۵۲۶ / ۱۱۳۱) نے اپنی علمی دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا، اس میں ایک مسجد بھی ہے، مگر اب وہ صرف دید وزیارت کے لیے رہ گئی ہے، البتہ اس مسجد کے گوشے میں قرآن کریم کے نایاب قلمی نسخے ہیں، جسے آپ عقیدت ومحبت سے دیکھ سکتے ہیں۔

چالیس ستون والی مسجد

اسی قلعہ سے کچھ فاصلہ پر ایک مشہور مسجد ہے، جس کو چالیس ستون والی مسجد کہا جاتا ہے، دراصل یہ اپنی خوش نمائی میں بے مثال تو ہے ہی، اس کے صحن میں اونچے اونچے نقش ونگار سے لدے ہوئے بیس ستون ہیں، اور اسی صحن کے سامنے ایک کشادہ حوض بھی ہے، جس میں ان بیس ستونوں کا عکس نظر آتا ہے، کبھی آپ عکس کو دیکھیں اور کبھی اصل کو تو طبیعت میں ایک عجیب

نشاط اور فرحت پیدا ہوگی، اسی بنا پر اسے چالیس ستون والی مسجد کہا جاتا ہے۔

گورِ غریباں کے آفتاب و مہتاب

بخارا شہر کے بیچ ایک بڑا قبرستان بھی ہے، جسکو آپ شہرِ خموشاں، یا گورِ غریباں کہہ سکتے ہیں، علم و فضل کی دنیا میں جھانکئے تو، اس گورِ غریباں میں قرآن و حدیث، تجوید و تفسیر، فقہ و فتاوی منطق فلسفہ کے نہ معلوم کتنے آفتاب و ماہتاب اور روشن ستارے آسودہ خاک نظر آئیں گے۔ ان مشائخ و اکابر کے تقدس کو نظر میں رکھئے اور آگے بڑھئے تو ایسا محسوس ہوگا کوئی ہے جو کان میں کہہ رہا ہے اور دل خوابیدہ کو جگا رہا ہے۔

تیری محفل بھی گئی تیرے چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں سحر کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے
آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

امام ابو حفص کبیرؒ کے مزار پر

۱۵۰ھ ——— ۲۱۷ھ

حسرت بھری نگاہوں کے ساتھ دھیمے دھیمے آگے بڑھتے رہے، گنبد نما ایک انوکھی عمارت نظر آئی، جس میں ایک ممتاز وجداگانہ مزار پر ہم رک گئے۔ جن کی فقہی خدمات کا دل ہی دل میں اعتراف کرتے رہے، کچھ پڑھ پڑھ کر ان کی روح کو پہنچاتے رہے، یہ ہیں امام محمد شیبانی کے منظورِ نظر، شاگردِ خاص، فقہ و فتاوی کے بحرِ ذخار، امام ابو حفص کبیر اسی جگہ میں پیوند خاک ہیں، آپ نے شمس الائمہ حلوانی سے بھی کسب فیض کیا، اور خاص کر اپنے فرزند کی اس شان

سے تربیت کی کہ ان کے فرزند کو بھی ابو حفص صغیر کہا جانے لگا، اور گوہر شناس مورخ کو یہ کہنا پڑا کہ، ''کان فقیھا محدثا اماما ربانیا و کان شیخ الحنفیۃ ماوراء النھر'' مگر ان کے فرزند کا انتقال مقدمہ تا تارخانیہ کے مطابق ۲۶۴ھ میں ہوا ہے۔

دو گنبد والی ایک عجیب مسجد

فن تعمیر کے معمار بھی عجیب عجیب گزرے ہیں، تعمیرات کے عجوبے آپ کو ہمارے بھارت دیش میں جا بجا ملیں گے، شہر کے بیچ ایک انوکھے پن اور ندرت پر مشتمل مسجد ہے، جس کا گنبد عجیب بے مثال اور البیلا ہے، گنبد تو ایک ہے مگر اس کو اس طرح اونچا نیچا کر کے بنایا گیا ہے کہ دیکھنے والوں کو دو نظر آتا ہے، فن کاری، دلکشی، دلربائی اور حسن و جمال کا یہ انوکھا انداز بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس مسجد کو بھی دیکھنے کی تمنا تھی، چنانچہ اپنے محسن و مربی پیر و مرشد کے ساتھ وہاں پہنچے، اور عصر کی نماز با جماعت ادا کی، وہاں کے دستور کے مطابق تین دعائیں ہوتی تھیں، ایک تو نماز کے بعد علی الفور، دوسری تسبیح فاطمی کے بعد، اور تیسری قرآن کے ایک رکوع کی تلاوت کے بعد۔ یہ تین دعائیں اس درجہ فرض سمجھی جاتی ہیں کہ اگر کوئی اٹھ جائے تو معتوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے، امام صاحب نے حضرت سے دوسری دعا کی درخواست کی، اور تیسری دعا حضرت نے امریکہ سے آئے ہوئے خوش الحان قاری طیب صاحب کو حوالہ کر دیا۔

حضرت کعب احبارؒ کے مزار پر

بعض سفر ناموں میں پڑھا تھا کہ حضرت کعبؒ کا مدفن، اور مزار سمرقند میں ہے، اس لئے مجھے ان کے مزار کی بھی تلاش رہی، لیکن بعض مجبوری کی وجہ سے ہم اس قبر تک نہ پہنچ سکے، جسے حضرت کعبؒ کا مزار کہا جاتا ہے۔

حالاتِ زندگی اور امتیازی شان

اس سرزمین میں پیدا ہوئے جس کی تعریف ومنقبت، اور مدح سرائی سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کی، الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ چنانچہ آپ یمن کی نرم خو زمین پر یہودی خاندان میں پیدا ہوئے، کتب یہود سے خاصی دلچسپی کی بنا پر کعب احبار کہلائے، حضرت عمرؓ کے دور میں مشرف باسلام ہو کر صحابی کہلانے کے بجائے مخضرم کی صف میں شامل ہوئے، غزوۂ روم میں شریک جہاد ہوئے، پھر ملک شام کے شہر حمص منتقل ہوئے، مورخین کے بقول حمص میں ہی ۳۳ھ یا ۳۲ھ مطابق ۶۶۰ء میں ایکسو چار سال کی عمر میں وفات پا کر غریق رحمت ہوئے، آپ کے فضل وکمال کا اعتراف حضرت ابودرداءؓ نے ان الفاظ میں کیا کہ آپ کثیر العلم ہیں، حضرت معاویہ نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کی کہ آپ علم کے اتاہ سمندر ہیں۔

علم سے محرومی کیوں؟

کعب احبار نہایت ہی ذہین وفہیم، اور صاحب زہد وورع تھے، ان سے حضرت عبداللہ بن سلام نے پوچھا، علماء کہلانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جو اپنے علم پر عمل کرتے ہوں، پھر پوچھا وہ کونسا مرض ہے کہ علماء کے دلوں سے علم کو ختم کر دیتا ہے؟ فرمایا: حرص ولالچ، اور لوگوں سے امیدیں وابستہ رکھنا، اس نصیحت کو پڑھکر مجھے یہ دعا یاد آئی، اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک۔ اور دوسری دعا، اللھم اقطع رجائی عن الناس۔

آپ کا مزار کہاں ہے؟

مشہور تو یہی ہے کہ سمرقند میں آپ کا مزار ہے، اور کتبہ اسی قسم کا لگا ہے، تاہم سارے مورخین اس بات پر متفق ہیں، کہ ان کا انتقال ملک شام حمص میں ہوا، تو بظاہر ان کی قبر سمرقند میں ہونا ناممکن ہے۔ بہت ممکن ہے کعب نام کے کئی اور اصحاب علم گزرے ہیں، ان میں سے کوئی اور

کعب ہوں جو یہاں مدفون ہوں، تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگ کسی اور کعب کو کعب احبار سمجھنے لگے ہوں۔

تفصیل کیلئے دیکھئے: (شیخ محمد ابوزہرہ کی تاریخ حدیث ومحدثین: ۲۳۰ تا ۲۳۴)
اہل کتاب صحابہ وتابعین: ۲۳۴ بحوالہ ابن سعد: ۸۔۸۷۰)

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یاد آئے

بخارا کی سرزمین پر تین دن قیام تھا، زیارت گاہوں سے واپسی کے بعد کڑاکے کی ٹھنڈی میں گرم گرم بستر کی تلاش تھی، نرم وگرم گدے پر سوتے ہوئے ہمارے ملک کے عطاء اللہ شاہ بخاری یاد آئے جو ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ میں رحلت فرما گئے جو ہندوستان کے بے مثل و بے مثال خطیب، اور قافلۂ آزادی کے عظیم رہنما، اور بے باک مجاہد تھے، بلکہ اس صدی کے سب سے بڑے ایسے خطیب کہ آپ کی خطابت کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا تھا، فجر کے وقت کا ہو جانا ایک عام سی بات تھی۔

جولائی ۱۹۶۱ میں لاہور سے ملتان پہنچے، وہیں انتقال ہوا اور ملتان ہی آپ کی آخری آرام گاہ بن گیا، جبکہ آپ کا اصل مولد و مسکن بہار کی راجدھانی پٹنہ ہے، بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، علوم ظاہری کے حصول کے بعد سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جذبات

آپ علمائے ہند کے منظور نظر تھے، اور جنگ آزادی میں آپ بے لوث، بے باک علماء کے خدمت گزار تھے، خود آپ کے جذبات انہیں کے الفاظ میں سنئے، وہ لکھتے ہیں:

''میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کا متبع ہوں، سید احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا ہوں، شاہ اسماعیل شہید کی جرأت کا پانی ہوں، میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے، میں علی الاعلان کہتا ہوں میں قاسم نانوتوی کا

علم لے کر نکلا ہوں، میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں، اور چلتا رہوں گا، میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں، میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا اور دفنانا ہے۔ (۷۱۵ آپ بیتی نمبر)

اس سے عطاء اللہ شاہ بخاری کے جذبات حریت کا، اور اکابر دیوبند سے بے پناہ عقیدت ومحبت کا پتہ چلتا ہے، جو ہم نام لیواؤں کے لئے ایک عبرت کا سامان ہے۔

بخارا..... قصر عارفاں

جس بخارا شہر کا چپہ چپہ، کوچہ کوچہ نورِ علم اور شمع معرفت سے صدیوں جگمگا تا رہا، محدثین کے درس وتدریس سے روشن رہا، مشائخ اولیاء کے ذکر ومناجات سے روح پرور رہا۔ آج وہی چپہ چپہ ماتم کدہ ہے، حسرت زدہ ہے، کہ نہ کوئی ساقی ہے نہ میخانہ، نہ عشق ومحبت کی دوکان ہے نہ اہل علم کی فصل بہار۔ دور دورہ ہے تو یورپی تہذیب کا، شوق ہے تو انگریزی تعلیم کا، اور تمنا ہے تو جسم وبدن کو سنوارنے کی۔

ایسے بخارا شہر سے تقریباً دس کیلومٹر کے فاصلہ پر، ایک لق ودق فلک بوس نقش ونگار سے مرصع، ایک احاطہ ہے جسکو قصر عارفاں کہتے ہیں، جس میں عالیشان مسجد بھی ہے، خانقاہ بھی اور مزار بھی۔

عقل وخرد کو حیران کردینے والی یہ پرشکوہ عمارت اس فنکاری سے بنائی گئی ہے کہ آنکھیں چکاچوندرہ جائیں، کہ قدیم زمانہ میں پتھروں اور لکڑیوں پر تراش وخراش اس فنی ذوق سے کی گئی ہے، کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی رنگ وروپ میں نئے نظر آتے ہیں، ذرا سوچئے بخارا کے زوال سے پہلے قصر عارفاں کا یہ احاطہ کیسے کیسے پاکباز، علم ومعرفت کے سرتاج، خوف وخشیت کے امام، اور شراب محبت کے عاشقوں سے آباد رہا ہوگا، جب ہم احاطہ میں داخل ہوئے تو ایسا لگا کہ احاطہ تو آب وتاب، شان وشوکت کے ساتھ باقی ہے، اور راہ سلوک کے متوالوں

سے خالی ہے۔ راستہ کے کنارے پھولوں، بیلوں اور چھوٹے چھوٹے سایہ دار درختوں کی قطاریں تو ہیں، مگر محبوبانِ خدا اور عشق و محبت کے چشموں سے خالی ہے، البتہ کچھ نشانات ہیں جو سوز و ساز اور عشق و محبت کا قصۂ پارینہ سنا رہے ہیں، اسی پرنور حصے میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی و مبانی حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ آسودۂ خاک ہیں، جن کا مزار کھلے آسمان کے نیچے کچھ نمایاں اور ممتاز ہے، البتہ آپ کا مرقد گنبد اور قبہ سے محفوظ ہے۔

بخارا کے سات نقشبند مشائخ

بخارا شہر جس طرح علم و فضل کا گہوارہ، اور محبت و معرفت کا محور رہا، اسی طرح اطراف بخارا بھی کسی دور میں دبستان نقشبند کا مرکز رہا، بخارا سے 50 کلومیٹر کے اندر کا خطہ گلدستۂ ولایت بنا رہا جہاں محبت و معرفت کے سات نامور مشائخ نقشبند رونما ہوئے، جن سے سلسلہ نقشبند کی کرنیں پورے عالم میں پھیلیں، ان ۷ رمشائخ کا مختصر تذکرہ اور پھر ان کے آستانوں پر حاضری کی جھلک نظر نواز کی جائے گی۔

* خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ م: ۵۷۵ھ
* خواجہ عارف ریوگریؒ م: ۶۱۶ھ
* خواجہ محمود فغنویؒ م: ۷۱۵ھ
* خواجہ عزیزان علیؒ م: ۷۱۵ھ
* خواجہ محمد باباسماسیؒ م: ۷۵۵ھ
* سید امیر کلالؒ م: ۷۷۲ھ
* خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ م: ۷۹۱ھ

یہ ہیں وہ ۷ رمشائخ نقشبند جو بخارا کے اطراف و اکناف میں نمودار ہوئے، نہج نبوت اور مزاجِ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے، سنت کا چراغ جلاتے رہے، جن کی رحمانی نورانی اور عرفانی فیض رسانی سے دور دراز کے ممالک بھی فیض یاب ہوئے، اور اب تک اس کی شعاعیں اور کرنیں خاص کر برصغیر ہند و پاک میں پھیل رہی ہیں، ان ساتوں مشائخ کے آستانوں پر عبرت خیزی کے لیے قافلۂ نقشبند پہنچا جن کی روداد ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوخار نامی بستی کی طرف

چار لگزری بس اور تین مینی کوچ پر مشتمل تقریباً 180 افراد کا قافلۂ نقشبند، قصر عارفاں کے لیے روانہ ہوا، تاہم پہلے بس علاقۂ سوخار کی طرف مڑ گئی، جہاں بہاء الدین نقشبند کے شیخ و مرشد سید شمس الدین امیر کلال کا خوشنما آستانہ ہے، اس عقیدت و محبت کے ساتھ، باادب گنبد نما مرقد کی طرف چلتے رہے، کہ جب شیخ بہاء الدین کا مقام و مرتبہ آسمان کی بلندی کو چھوتا ہو، تو پھر ان کے شیخ و مرشد کا درجہ کس قدر بلند و بالا ہوگا، اندر پہنچے قبر تو پختہ ہے، مگر نہ پھول ہے نہ دیا، نہ دیگر رسم و خرافات، نہ ہمارے دیار کی طرح مجاوروں گداگروں کی جھنکار! نہایت روحانی پر کیف ماحول میں اپنے اپنے طور پر ہر ایک نے مسنون انداز میں ایصال ثواب کیا، تھوڑی دیر وہاں کے پر بہار خوشگوار ماحول میں لطف اندوز ہوتے رہے، نماز عصر ادا کی گئی، اور قصر عارفاں کی طرف بصد شوق و جذبات رواں دواں ہو گئے۔

حضرت سید امیر کلالؒ

۶۷۶ھ ـــــــ ۷۷۲ھ

۱۲۷۸ء ـــــــ

آپ سلسلۂ نقشبندی کے گل سرسبد، خواجہ محمد بابا سماسیؒ کے منظور نظر، ان کی امیدوں کے مرکز، اور خلیفۂ خاص حضرت سید امیر کلال، بخارا سے ۸ کیلومیٹر کی مسافت پر سوخار بستی میں پیدا ہوئے، ولایت و کمالات کی نشانی شکم مادر سے ہی ظاہر ہونے لگی، ان کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ جب میں امید حمل سے تھی، اس درمیان کبھی مشتبہ لقمہ حلق سے نیچے اگر اترتا، فورا پیٹ میں درد شروع ہو جاتا، کئی بار جب ایسا ہوا تو یقین ہو گیا کہ اس حمل کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے، پھر حلال و طیب کھانے کا اہتمام، اور مشتبہ سے بچنے کی فکر ہونے لگی۔

بچپن اور ابتدائی تعلیم و تربیت کی تفصیلات اس عاجز کو نہ مل سکی، البتہ جوانی کا ان کا وہ

انقلابی واقعہ کئی جگہ ملا جس نے زندگی کی کایا پلٹ دی، فکر و نظر کا رخ پلٹا، اور پھر راہ سلوک کے اسیر ہو گئے، بلکہ سلوک و ولایت کے ایسے امیر بنے کہ اہل طلب سیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

شیخ کی نظر محبت

محمد بابا سماسیؒ ایک مرتبہ اپنے احباب کے ساتھ گزر رہے تھے، ایک میدان میں ٹھہر گئے، جہاں سید امیر کلالؒ کشتی لڑ رہے تھے، ان کی پیشانی اور قلب و روح پر جب نظر پڑی تو اندازہ ہوا کہ یہ تو راہ سلوک کا چمکتا ہیرا ہے، جس پر غفلت کی چادر پڑی ہے، چنانچہ تا دیر کھڑے کھڑے ان پر ایسی توجہ ڈالی کہ دم بخود رہ گئے، کہ کون ہے جو میرے خانۂ دل کو کھینچے چلا جا رہا ہے، چنانچہ جب نظر پڑی، نور و رحمت سے لبریز چہرے پر، تو پھر کیا تھا دلدادہ ہو گئے، سید امیر، شیخ کے اسیر بے مثال بن گئے، شیخ بابا سماسی اپنے گھر کو چلے، اور سید امیر کشتی چھوڑ کر ان کے در پر آ پہنچے۔

جو شخص ابھی تک کسی کے ہاتھ نہ آتا تھا، اس نے اپنے جسم و جان اور روح قلب کو ان کے حوالے کر دیا، راہ سلوک میں محنت و مجاہدہ، اور صحبت شیخ میں وہ کیف و سرور، نشاط و انبساط، اور انوارات تجلیات کا ایسا چسکا لگا، کہ اپنے شیخ کی خدمت میں تقریباً تیس سال تک آتے جاتے رہے، ہر پیر اور جمعرات کو "سوخار" سے "سماسہ" جو تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، آتے جاتے رہے، راستے میں بطور خاص اوراد و ذکر میں مشغول رہا کرتے، اس مسلسل محنت مجاہدہ کی بھٹی میں تپنے کے بعد شیخ نے نسبت نقشبندیہ القا فرمائی، روحانی فیض سے قلب و روح کو گرمایا، اور روحانی خدمت پر مامور فرمایا، بندگان خدا کی روحانی خدمت میں مصروف ہو گئے، آپ کی صحبت کیمیا میں، چار ستارے روشن ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے، جن میں بطور خاص چمکتے دمکتے روشن ستارے حضرت بہاء الدین نقشبندؒ ہیں، جن سے اس سلسلہ کو آبیاری ملی، اور جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہوا۔

حضرت امیر کلال یہ آٹھویں صدی کے شیخ ہیں، سات سو بہتر 772 جمادی الاولی بروز

جمعرات بوقت نماز فجر اس دار فانی سے کوچ فرمایا، اور اپنے تمام سالکین کو حضرت بہاء الدین نقشبند کے حوالہ کرتے ہوئے غریق رحمت ہو گئے۔

قافلۂ اہل دل کی باتیں

شہر بخارا کی دید و سیاحت کے دوران قافلۂ نقشبند کے لئے روحانی توشہ ہی خلاصۂ سفر اور مقصد سفر تھا، کیوں کہ مشائخ نقشبند کے سوزِ دل اور پر تاثیر زبان سے نکلے ہوئے روحانی، اور نورانی ملفوظات ہی روح و قلب اور دل و دماغ کی دنیا کو بدلنے، مردہ دلوں کو زندہ رکھنے اور نور و تجلی سے منور کرنے کا ایک کرشماتی ذریعہ ہے، اگر ان حضرات کی با فیض زندگی نے ہزاروں دلوں کو پاکیزہ اور سیکڑوں روحوں کو مجلی کیا ہے تو ان حضرات کی توجہات اور ملفوظات نے ان گنت دلوں کی دنیا کو بدل دیا ہے، اور زندگی کا رخ موڑ دیا ہے، ان حضرات کے احوال قلمبند کرنے کے ساتھ ساتھ قافلۂ اہل دل کے پر سوز و پر کیف ملفوظات بھی پڑھتے چلیں، اس امید کے ساتھ کہ قرآن و سنت سے مستنبط یہ باتیں ہمارے مردہ اور پژمردہ دلوں کی زندگانی اور آبیاری کا کام کریں گی۔

ملفوظ بنام دوائے دل

- خواجہ سید امیر کلالؒ نے فرمایا: جب تک تم زندہ رہو طلب علم سے ایک قدم دور نہ رہو، کیوں کہ بے علمی کے سبب تباہی کے بھنور میں بہت سے لوگ گر پڑتے ہیں۔
- تمام کاموں میں شریعت اور حدود کی حفاظت ضروری ہے، نیز علما کی خدمت میں رہو، ان کے پاس بیٹھا کرو، کیوں کہ وہ امت محمدیہ ﷺ کے چراغ ہیں، جاہلوں کی صحبت سے دور رہو کیوں کہ ان کی صحبت خدا سے دور رکھتی ہے۔
- توبہ کرتے رہو کیوں کہ توبہ تمام بندگیوں کا سر ہو، اور توبہ یہ نہیں کہ زبان سے کہو کہ میں توبہ کرتا ہوں، توبہ یہ ہے کہ تم پہلے اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو، اور نیت کرو کہ آئندہ اس گناہ کی طرف نہ جاؤ گے، اور ہمیشہ اپنے رب کریم سے ڈرتے رہو، نیز گریہ وزاری ایسی کرو کہ توبہ کا اثر اپنے باطن میں مشاہدہ کرو، تا کہ تائب کا نام تم پر صادق آئے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند: ۱۲۹)

خواجۂ خواجگاں سید بہاؤالدین نقشبندیؒ

۷۱۸ھ ـــــــ ۷۹۱ھ

آپ کی ولادت سے پہلے خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے ولادت کی پیشن گوئی فرمادی تھی، کہ یہ قصر ہندواں عنقریب قصر عارفاں بن جائے گا، حسن اتفاق کہ یہی قصر عارفاں کے حروف کے اعداد سے آپ کی وفات کا سال برآمد ہوتا ہے، نیز خواجہ سماسی نے اپنی فرزندی میں بھی آپ کو قبول کیا تھا۔

خواجہ سید امیر کلال سے بیعت وارشاد کا تعلق تھا، لیکن بطریق اویسیت خواجہ عجدوانی سے مستفید ہوئے، قرآن کریم، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ، اقوال تابعین، اور تاریخ امت پر آپ کی گہری نظر تھی، ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اتباع شریعت وسنت کی تاکید و تلقین آپ کی زندگی کا بنیادی مقصد رہا، اور ظاہر و باطن قال وحال کی روحانی باتوں کو دلوں تک پہنچانا قلب وروح کو مجلی ومصفی کرنا، اور تزکیہ وتحلیہ سے آراستہ کرنا، شب وروز کا بہترین مشغلہ تھا، بے شمار خلق خدا کو بالواسطہ یا بلاواسطہ، روحانی قلبی فائدہ پہونچا، تزکیۂ باطن اور تصفیہ روح کے سچے طالبین وسالکین کو، بھرپور رہنمائی ملی، اس راہ سلوک کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہا، ہر کسی کو ان کے علوم ومعارف نے سیراب کیا، تصوف وسلوک پر مشتمل کتابوں، اور مشائخ نقشبند کے ملفوظات ومکتوبات میں، آپ کے زریں اقوال، اسرار ومعرفت کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رب کریم نے حکمت کا چشمہ، آپ کے قلب میں اس طرح جاری کردیا تھا کہ زبان فیض ترجمان سے ہر دور میں مخلوق کو فائدہ پہنچتا رہا۔

سلسلۂ نقشبند کے ۳۵/اسباق میں سے ۱۵/اسباق کی ترتیب، تدوین، تفہیم، اور اس کی عملی تشریح، نہایت آسان اسلوب میں آپ سے ہی منقول ہے، اور انھیں ۱۵/اسباق کے مجاہدہ پر عام طور سچی طلب کے سالکین کا تزکیہ اور تحلیہ ہوجاتا تھا، لیکن جب محنت ومجاہدہ اور ریاضت و

جفاکشی میں لوگوں میں کمی آ گئی، تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مزید تسہیل پیدا کرنے کے لیے رب کریم کے حضور آہ وزاری سے دعا کر کے مزید الہامی اسباق کا اضافہ کیا، جس سے اب سلسلہ نقشبند کے اسباق ۳۵ ہو چکے ہیں۔

قصر عارفاں میں حضرت جی کا خطاب

قصر عارفاں میں، محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کے ساتھ دوبارہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت نقشبند کے مزار کے قریب پہنچے، ایک عجیب پرکیف منظر تھا، دیگر عرب ممالک سے آئے ہوئے قافلے بھی موجود تھے، دوسری طرف ہمارا قافلۂ نقشبند بھی حضرت جی کے اردگرد توجہات کا طالب بن کر ذکرِ قلبی میں مشغول بیٹھ گیا، اب وہاں پہ الگ الگ قافلوں کا ہجوم ہے، مگر ایک سناٹا اور خاموشی ہے، دل جمعی، جمعیت خاطر، ملکۂ یادداشت کے سایہ میں ہر کوئی دولتِ دل کا سراپا طلب گار بنا رہا، تھوڑی دیر کے بعد سکوت و خاموشی کا مہر ٹوٹا، اور حضرت جی سالکین کی طرف مخاطب ہو کر کچھ ارشاد فرمانے لگے، مگر طبیعت نڈھال ہو چکی تھی، آواز میں ضعف اور نقاہت تھی، اس بنا پر حرف بحرف تو سن نہ سکا، اور ریکارڈنگ بھی صاف نہ آ سکی، کچھ کچھ جملوں سے جو بات ذہن میں آئی، اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ یہ قصر عارفاں پہلے قصر ہندواں کہلاتا تھا، پھر کن کی بشارت کے بعد یہ قصر عارفاں بنا، اسی کے ساتھ حضرت نقشبند کی زندگی کے مجاہدے، ان کی محنت و جفاکشی اور کمالات کو ذکر کر کے سالکین کو یہ پیغام دیا کہ ان کے دربار سے ان کا اسوہ ان کی سیرت و کردار کو لے کر جائیں، اور اس عزم و حوصلے سے لوٹیں کہ ان شاء اللہ ہم بھی اپنے ظاہر و باطن کو اس طرح سنواریں گے کہ اللہ رب العزت کو ہم پسند آ جائیں، اور ان مشائخ کے سامنے بروزِ قیامت شرمندہ اور رسوا نہ ہوں، مغرب کا وقت قریب تھا اس لیے پھر یہ قافلہ بخارا کی مسجدِ کلاں کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملفوظات: بنام "دردِ محبت"

- حضرت بہاؤالدین نقشبند گناہوں کے نقصان کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ پیغمبرؐ کی دعا کی برکت سے مسخِ صورت یعنی صورت کا بگڑ جانا اس امت سے اٹھالیا گیا ہے، مگر مسخ باطن یعنی دل کی خرابی باقی رکھی گئی ہے۔
- صحبت شیخ کی برکت کے بارے میں فرمایا: کہ پیر کامل کی ایک توجہ کی برکت سے باطن کی صفائی اتنی حاصل ہوتی ہے کہ جتنی ریاضتِ کثیرہ سے حاصل نہیں ہوتی، مولانا رومیؒ کا ایک شعر پیش فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ شمس الدین کی ایک نظر شہر تبریز میں جو کام کر گئی، وہ اوروں کی چلہ کشی اور ہفتہ بھر کی خلوت نشینی پر ہنستی ہے۔ [انوار العارفین: ۲/ ۵۲۷]
- ذکر کے متعلق فرمایا "الذکر ارتفاع الغفلة فاذا رفعت الغفلة فانت ذاکر وان سکت" کہ ذکر غفلت کے دور ہو جانے کو کہتے ہیں، جب غفلت دور ہو جائے خواہ خاموش ہو پھر بھی وہ ذاکر ہے۔
- استقامت کے بغیر منزل تک پہنچنا مشکل ہے، استقامت کی تمنا رکھنی چاہئے نہ کہ کشف و کرامت اور عزت کی، اولیائے کرام کا قول نقل فرمایا کہ استقامت کے طلب گار بنے رہو، کرامت کے طلب گار مت بنو، کیوں کہ تیرا پروردگار تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے، اور تیرا نفس تجھ سے عزت و کرامت کا متمنی ہے۔
- سالک کو اگر کچھ پانا ہے تو تہجد کی پابندی ضرور کرنی چاہئے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے مقام محمود کا وعدہ نماز تہجد کی ادائیگی سے وابستہ تھا۔
- وعظ و نصیحت کرنے والوں کو فرماتے کہ شمع کے مانند بنو، مگر شمع کی طرح مت رہو، یعنی شمع دوسروں کو روشنی دیتی ہے ایسا بن جاؤ، مگر شمع خود تاریک رہتی ہے ایسا مت بنو۔

شہر غجدوان کی طرف

یکم نومبر 2019 جمعہ کا روشن دن ہے، صبح کی روشنی پھیل چکی ہے، بخارا سے قریب 45 کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع، شہر غجدوان کے لئے قافلۂ نقشبند تیار ہے، تھوڑی دیر میں سالار

قافلہ (حضرت جی دامت برکاتہم) آگے بڑھے، اور پھر سواریاں سڑکوں پر دوڑ پڑیں، اس شہر سے مجھے اس لیے بھی محبت ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ المشائخ فرشتہ صفت، راہ سلوک کے بحر بیکراں، معرفت ومحبت کے سمندر، عشق الٰہی سے بھرپور خواجہ عبدالخالق کا مزار بھی ہے، اور یہی ان کا وطن عزیز بھی، سنگ مرمر سے بنا ہوا زمین سے قدرے اونچا، دیدہ زیب ان کا مقبرہ ہے، جس میں بارگاہ قدس کے سامنے آسودہ خاک ہیں، اور تجلیاتِ ربانیہ کی چھاؤں میں غریق رحمت۔

شہر کی زیب وزینت

غجدوان شہر کی زیب وزینت، اور روحانی کشش اسی کشادہ مقبرہ سے وابستہ ہے، مقبرے کا احاطہ نہایت دلکش، درختوں، پھولوں اور جابجا چھاؤنی سے ہر آنے والوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے، اگر آپ مقبرے کے پاس پہنچیں تو رحمتوں وانوارات کی برسات سے قلب وروح تروتازہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، کافی دیر اس احاطہ میں یہ قافلہ ٹہلتا رہا، طمانیت اور کیف وسرور سے بہرہ ور ہوتا رہا، ہر ایک کے چہرے پر خوشی ومسرت کی لکیریں تھیں، ہر کوئی کچھ نہ کچھ پانے کی خوشیوں میں شکر گزار نظر آرہا تھا۔

خواجۂ جہاں محبوب سبحانی، خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

۵۷۵ ——

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ عبدالجلیل ہے، جو زہد وورع تقوی وطہارت، محنت ومجاہدہ میں یکتا اور بے مثال تھے، آپ کی ولادت کی بشارت حضرت خضر نے دی تھی، فرمایا تھا کہ میں نے آپ کے فرزند کو اپنی فرزندی میں قبول کیا، ان کا نام عبدالخالق رکھنا، نام کا انتخاب حضرت خضر نے کیا تھا، اللہ پاک نے آپ میں کمالاتِ ولایت کے نشانات اور علامتیں رکھ دی تھیں، آپ کی تربیت میں حضرت خضر کا بھی بڑا دخل ہے، اور آپ کے شیخ حضرت یوسف ہمدانیؒ آپ کے پیر صحبت ہیں، اتباع سنت آپ کی امتیازی شان ہے، کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن، کی تلقین آپ فرماتے۔

رحلت و بشارت

آپ کی وفات بارہ ربیع الاول 575 میں ہوئی، بوقت وفات غیب سے آواز آئی، یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، انتقال کے وقت کچھ احباب رونے لگے تو فرمایا: اللہ کا غیبی وعدہ ہے کہ اس طریقے کو جو بھی اختیار کرے گا، اللہ رب العزت اس کی مغفرت کر دے گا، احباب کو تسلی ہوئی اور غم دور ہوا۔

(حضرات القدس، رسائل نقشبندیہ انوار العارفین وغیرہ میں حالات ملاحظہ فرمائیں)

آٹھ کلمات

اور وہ آٹھ کلمات جن پر طریقہ نقشبند کی بنیاد ہے وہ آپ کے مقرر کردہ ہیں، ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت، اور یادداشت، ان آٹھوں کی تشریح کے لیے حضرت جی دامت برکاتہم کی کتاب شجرۂ طیبہ ملاحظہ فرمائیں تاہم اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

کلمات نقشبندیہ، جن پر اس طریقہ کی بنیاد ہے

یہ کل کلمات گیارہ ہیں، جن میں اول آٹھ خواجہ عبدالخالقؒ سے اور تین اخیر کے خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے منقول ہیں۔

* **ہوش در دم:** یعنی ہوشیار رہنا سالک کا ہر نفس میں کہ بیدار ہے یا غافل؟
* **نظر بر قدم:** یعنی سالک کو چاہئے کہ راہ چلنے میں نظر کو اپنی قدمگاہ سے تجاوز نہ کرے، اور بوقت نشست نظر کو روبرو رکھے۔ دائیں بائیں نہ دیکھے کیوں کہ موجب فساد عظیم اور مانع حصول مقصود ہے۔
* **سفر در وطن:** یعنی سالک کا صفات بشریہ سے صفات ملکیہ کی جانب منتقل ہونا
* **خلوت در انجمن:** اس سے مراد یہ ہے کہ سالک تمام اوقات خلوت و جلوت میں نیز کھانے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت کرنے میں اپنا قلب اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھے۔

* **یاد کرد:** اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ ہر وقت اس میں مشغول رہے۔
* **بازگشت:** اس سے مراد یہ ہے کہ چند بار ذکر کے بعد بکمال تضرع یہ دعا کرے کہ الٰہی! میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا ہے، اپنی محبت و معرفت مجھ کو عطا فرما۔
* **نگہداشت:** اس سے مراد خطرات اور حدیث نفس کا قلب سے دور کرنا ہے
* **یادداشت:** اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی توجہ حق سبحانہ کی ذات کی طرف بغیر الفاظ و خیال کے رکھے۔
* **وقوف زمانی:** ہوش دردم اور وقوفِ زمانی ایک ہی چیز ہے۔
* **وقوف عددی:** کا مطلب ذکر میں سانس چھوڑتے وقت عدد طاق کا لحاظ رکھنا ہے۔
* **وقوف قلبی:** سے مراد توجہ سالک توجہ قلب کی طرف رکھنا ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ، یہ کلمات طیبات جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بناء ہے کیا ہی خوب ہیں، پس ان پر عمل کرنا کیوں نہ خیرات و برکات اور وصل حق کا مثمر ہوگا۔ (اقوال سلف حصہ دوم ص ۲۱۳)

باتیں دل دردمند کی

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت اور دوائے دل کی تقسیم کے لئے مردہ دلوں کا مرجع تھی، ہر آنے والا دوائے دل لیکر لوٹتا اور شفائے دل پاتا، اللہ نے جہاں آپ کی نگاہ میں تاثیرِ شفا رکھی تھی وہیں رب کریم نے آپ کے کلام و ملفوظ میں ایک ایسی تاثیر رکھی تھی، کہ جو پہنچتا آپ کی باتیں اس کی دل کو چھوتیں اور آب حیات کا کام کرتیں، اگر ہم بھی طلب و امید کے ساتھ ان کے ملفوظات کو دل کی دوا سمجھ کر پڑھینگے تو یقیناً فیض یاب ہوں گے، ان کے وصیت نامے سے کچھ حصہ پیش خدمت ہے۔

● فرماتے ہیں: شیخ اپنے مرید کے لئے بمنزلہ اپنے باپ کے ہے بلکہ باپ سے بھی زیادہ مشفق ہے، کیوں کہ وہ مرید کو مقام قرب میں پہنچا دیتا ہے۔

● راہِ سلوک میں لگتے ہوئے طالب ریاست یعنی عزت و جاہ کے طلبگار مت بنو، کیوں کہ جو طالب ریاست ہو اسے سالک طریقت نہ کہنا چاہئے۔

- پرہیز گاری اور حلم کے ساتھ پاکیزہ رہو، مشائخ کی خدمت میں رہو، ان کی سیرت و سلوک کو اپنی نگاہ میں رکھو۔
- غیر ضروری باتوں سے زبان بند رکھو، کم بولو، کم کھاؤ، کم سوؤ، اور جلدی اٹھو، اسی بنا پر آپ نے وہ آٹھ کلمات جن کا تذکرہ ماقبل میں ہوا، ان پر سالکین کو عمل پیرا رہنے کے لئے زور دیا کرتے تھے۔

کارخانۂ معرفت کے بادشاہ حضرت عارف ریوگریؒ کے مزار پر

۵۵۱ ——— ۶۱۶

بخارا شہر سے ۲۰/۱۸ کیلو میٹر کی دوری پر ریوگر نامی ایک گاؤں ہے، جہاں کارخانۂ معرفت کے بادشاہ، حضرت عارف ریوگریؒ کا مزار ہے، خواجہ عبدالخالق کے چار خلفاء میں آپ سب سے بڑے خلیفہ ہیں، دیگر خلفاء کو بھی آپ پر زیادہ اعتماد تھا، چنانچہ بعض خلیفہ نے انتقال سے پہلے اپنے سالکین کو آپ کے حوالے کر دیا۔

ہم لوگ غجدوان سے بڑے شوق اور ولولے کے ساتھ نکلے ریوگر کی طرف، یہ سوچتے ہوئے کہ جن پر خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی نگاہ محبت زیادہ پڑی، جو ان کے محبوب نظر تھے، اور جن سے محبت و معرفت کی انگیٹھی کو روشن کرنا تھا، چلیں ان کے دربار میں غجدوانی کے فیض یافتہ کے در پر حاضر ہوں، اور وہاں کی رحمانی اور نورانی جلوہ آرائی سے فیض اٹھائیں، چنانچہ ہم لوگ اپنے شیخ کی معیت میں ریوگر گاؤں کے اس کے احاطہ میں پہنچے جو علم و معرفت اور محبت سے جگمگا رہا تھا، جمعہ سے پہلے مزار پر حاضری ہوئی، اس کے بعد جمعہ کے لیے مسجد پہنچ گئے، جہاں مسجد کے امام نے اپنی ازبک زبان میں کچھ نصیحتیں کی، مگر کچھ پلے نہ پڑی، عام طور پر امام کی داڑھی نہیں ہوتی، البتہ امامت سے پہلے صافہ سر پر رکھ لیتے ہیں، نماز جمعہ ادا کی گئی۔

جمعہ سے قبل ایک بس آئی، جس میں اسکول کے طلبہ اور طالبات تھیں، وہ تمام کے تمام مزار کی طرف گئے، اور پورے احاطے کی سیر کرتے رہے، لیکن جمعہ کی نماز انہوں نے ادا نہ کی

اور نہ ان کے ٹیچر نے، نماز کے بعد میں نے کوشش کی کہ ان سے ملاقات کروں، چنانچہ بچوں کے جھرمٹ میں پہنچا، اور ان سے پوچھا کہ آپ نے جمعہ نہیں پڑھی، تو سب خاموش رہ گئے، گویا جمعہ کی نماز کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔

میں حسرت میں ڈوب گیا

مجھے حسرت ہوئی کہ میں نے ۱۶ر سال ۱۴ر سال کے بچوں سے کلمہ شہادت پوچھا تو کوئی ایک نہ بتلا سکا، التحیات پوچھی تو سب خاموش رہ گئے ایک بچہ کسی طرح سنا سکا، اس سے اندازہ ہوا کہ دینی تعلیم اس مسلم ملک میں کس قدر کمزور ہے، حسرتوں کے ساتھ ان بچوں کو دیکھتا رہا، اور کچھ نہ کچھ نصیحت بھی کرتا رہا، بچے بہت دلچسپی سے مجھے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور محبت بھری نظر سے دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر میں سالار قافلہ کے ساتھ ''فغنہ'' کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملفوظ: بنام شفائے دل

● حضرت عارف ریوگریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کھانے کے وقت دل کو کس کام میں مشغول رہنا چاہئے، فرمایا ایسے وقت میں لا الہ الا اللہ کہنا ذکر نہیں بلکہ اس وقت کا ذکر نعمت کو منعم کی طرف سے دیکھنا ہے۔

محمود فغنویؒ کے دربار میں

۶۲۷ھ ــــــــ ۷۱۵

۱۲۳۰ء ــــــــ

ہمارا قافلہ شوق ذوق کے ساتھ فغنہ کی طرف رواں دواں ہوا، جہاں شریعت میں کامل ومکمل، طریقت میں استقامت کے پہاڑ، عارف ریوگری کے خواب کی تعبیر، صالحین کی امیدوں کے مرکز حضرت خواجہ محمود کا آستانہ ہے، اس آستانے کا احاطہ بھی نہایت کشادہ اور سایہ دار درختوں سے قدرے خوشنما معلوم ہوتا ہے، ایک کنواں بھی ہے، اور ایک دو مکان بھی، باقی

کافی دور تک سناٹا ہے۔

حضرت محمود اپنے دل کی پیاس کو بجھانے کے لئے، اور اور دل کو محبت و معرفت سے بھرنے کے لیے حضرت عارف کی عشق و محبت کی دکان میں پہنچے، اور محنت و مجاہدہ کی انگیٹھی میں اپنے آپ کو اس قدر تپایا کہ قلب و روح دونوں محلی مصفی ہو گئے، اور شیخ کی نظر میں خدمت خلق، نسبت اولیاء کی امانت کے امین نظر آئے تو خلافت سے نوازا، آپ پوری زندگی اس امانت کو جفاکشی کے ساتھ اہل طلب میں تقسیم کرتے رہے، آپ کی خدمت میں بہت سے سالکین آئے مگر خواجہ علی رامتینی پر آپ کی نظر عنایت کچھ زیادہ پڑی، ان کے قلب و روح کو مشائخ کی گراں بار امانت کے لائق بنایا، اور رحلت سے پہلے ان کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

بخارا کی اسپیشل ڈش سے ضیافت

اسی آستانہ کے قریب ایک ہال ہے، ٹور والوں کی طرف سے بخارا سمرقند کی مشہور و معروف، بخاری بریانی سے ضیافت کی گئی، تیل مسالے مرچ وغیرہ سے پاک، مگر نہایت عمدہ اور ذائقہ دار کہ کھاتے رہ جائیں، اور اس کی لذت دیر تک محسوس کرتے رہیں، اس کے بعد ایک ایسی چائے کا بھی انتظام تھا جسے ہمارے دیار میں چائے کہنا شاید چائے کی توہین ہو، تاہم وہ گرم پانی جس میں معمولی چائے کی پتی، صحت اور ہضم کے لیے کافی مفید نظر آیا۔

خواجہ علی عزیزانؒ کے آستانے پر

۶۵۸ ——— ۷۱۵

۲ر اکتوبر، کی صبح نمودار ہوئی، قافلۂ نقشبند تر و تازہ، اور نشاط و سرور کے ساتھ مزید فیض یابی کے لئے بے تاب ہے، جب کہ آج تاریخی مقامات کی سیر بھی کرنی ہے، اور بعض اکابر و مشائخ کے آستانے پر حاضری بھی دینی ہے، انتظار کی گھڑی پوری ہوئی، بس آئی، اور بخارا شہر سے علاقۂ رامتین کے لئے رواں دواں ہو گئی، دیکھتے دیکھتے اس خطے میں پہنچ گئی، جس کو رامتین

کہتے ہیں، جہاں علم وحکمت، اسرار ورموز، اور لطائف ومعارف کے سرخیل، حضرت علی عزیزان پیوند خاک ہیں، جن کی زبان پر، علم ومعرفت اور حکمت کے چشمے جاری رہا کرتے تھے، جن کے ملفوظات عرفانی ہوا کرتے، اہل علم محظوظ ہوتے، اور قلب وجگر کو سیراب کرتے، تھوڑی دیر کے لئے بھی احباب وہاں اترے، قرآنی آیات وغیرہ کا ثواب پہنچایا، اور اپنے لئے علم وحکمت کی دعا کرتے ہوئے لوٹے، وہاں سے، ''سماسہ'' نام کی بستی کے لیے روانہ ہوگئے، آپ کی وفات ۲۷ رمضان ۷۱۵ یا ۷۲۱ میں ہوئی۔

ملفوظ: بنام دوائے دل

- آپ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیت توبوا الی اللہ میں ایک اشارہ بھی ہے اور بشارت بھی، اشارہ تو ہے کہ توبہ کرتے رہو، اور بشارت یہ ہے کہ توبہ ضرور قبول ہوگی، کیوں کہ توبہ اگر قبول نہ کرتا تو حکم نہ دیتا۔
- سالکانِ طریقت کو ریاضت ومجاہدہ بہت کرنا چاہئے، تاکہ وہ کسی مقام ومرتبہ پر پہنچ جائے، لیکن ایک راستہ ان سب سے زیادہ نزدیک ہے کہ جس سے مقصود کو بہت جلدی پہنچ سکتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ سالک حسن اخلاق اور خدمت کے ذریعہ کسی صاحب دل کے دل میں جگہ پائے، کیوں کہ اس گروہ کا دل نظر حق کا مورد ہے، اس لئے سالک کو اس نظر سے حصہ مل جائے گا۔
- صحبت شیخ کی ضرورت سے متعلق خواجہ علی رامتینیؒ نے فرمایا کہ اللہ کے ہم نشیں رہو اگر خدا کی ہم نشینی نہیں رکھ سکتے تو اس کے ہم نشیں رہو جو خدا کی ہم نشینی رکھتے ہیں، کیوں کہ خدا کے ہم نشیں کا ہم نشیں خدا کا ہم نشیں ہے۔
- اچھی صحبت سے متعلق فرماتے ہیں کہ یار نیک کی صحبت، کار نیک سے بہتر ہے کیوں کہ نیک کام تم کو تکبر اور پندار سے نہیں بچاتا اور یار نیک تم کو صلاح وثواب کا راستہ بتائے گا۔
- سالک طریقت ایک وقت میں تین عید کرتے ہیں، اسکی تشریح فرمائی کہ بندہ کی ایک یاد اللہ کی دو یاد کے درمیان ہے، پہلے وہ بندہ کو توفیق دیتا ہے کہ وہ ذکر کرے، پھر جب بندہ اسے یاد کرتا ہے تو اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے، لہذا توفیق، یاد اور قبولیت یہ تین عیدیں ہوئیں۔

● ہر دم دل میں اللہ کی طلب سے متعلق فرماتے ہیں: کہ اگر اللہ تعالیٰ بندہ سے خطاب کرے کہ اے بندہ! ہم سے کچھ طلب کرو تو بندگی کی شرط یہ ہے کہ بندہ خدا سے سوائے خدا کے اور کچھ نہ مانگے کیوں کہ جس نے خدا کو پایا اس نے سب کچھ پالیا، اور جس نے سب کو پایا اور خدا کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہ پایا۔

● دعا لینے کے سلسلہ میں فرمایا: اس زبان سے دعا کرو جس سے کوئی گناہ نہ کیا ہو، یعنی دوستان حق کے سامنے تواضع اور نیازمندی بجالاؤ، تا کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔

(تذکرہ مشائخ نقشبند: ۱۱۸)

خواجہ محمد ساسیؒ کے دربار میں

۵۹۱ھ _____ ۷۷۵

۱۱۹۵ء _____

سلسلۂ نقشبند کے ایک اہم ستون، اور روشن چراغ حضرت محمد بابا ساسیؒ ہیں، ساسہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام ہے، جو بخارا سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، آپ کی تاریخ ولادت معلوم تو نہ ہو سکی، مشائخ نقشبند میں آپ کا تذکرہ بہت ہی بلند و بالا اور اونچے کلمات کے ذریعے کیا جاتا ہے، اور آپ کی عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، آپ حضرت خواجہ علی رامتینیؒ کے محبوب نظر تھے اور خلیفہ اجل، آپ جب بھی قصر عارفاں سے گزرتے (جس کو اس زمانے میں قصر ہندواں کہتے تھے)، تو فرماتے: اس خاک سے خوشبو ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، جب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی ولادت اس جگہ پر ہوئی، تو فرمایا کہ اب خوشبو زیادہ آرہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ مرد خدا پیدا ہو چکا ہے، چنانچہ ولادت کے جب تین دن ہو گئے تو آپ کے جد امجد ان کی خدمت میں لے کر گئے، آپ نے فرمایا: میں نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا، آپ کے سلسلے میں بشارتیں سنائیں۔

حضرت بہاؤالدین پر نظرِ عنایت

ایک موقعہ پر بابا سماسی اپنے خلیفۂ خاص سید امیر کلال کو مخاطب ہو کر فرمایا: کہ میں نے بہاوالدین کو تیری تربیت میں دیا، اگر تم نے ان کی روحانی تربیت میں کمی کی تو معاف نہ کروں گا، سید امیر کلال ادب سے کھڑے ہو گئے، سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر ان کی تربیت میں میں نے کوئی کمی کی تو میں مرد کہلانے کے لائق نہیں، اللہ رب العزت نے آپ کی بشارت کو پوری فرمایا، اور حضرت نقشبندیؒ سید امیر کلال سے فیض یافتہ ہوئے، اور اپنے مشائخ کے ان روحانی عرفانی فیض کو اچھی طرح امت کے درمیان تقسیم فرمایا، ان کی قبر پر ہم تمام کے تمام باادب پہنچے، اور نہایت ہی نیازمندی کے ساتھ کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کیا، اور رب کریم سے اپنے لیے، اور پوری امت کے لیے دعائے خیر کرتے ہوئے، ابن سینا کی بستی ''افشونا'' نامی کی طرف روانہ ہو گئے۔

افشونا: ابن سیناؒ کی بستی میں

دنیائے اسلام کا نامور حکیم، شہرۂ آفاق سائنسدان، منطق و فلسفہ کا شناور، ماہر فلکیات علی الحسین بن عبد اللہ جو ابن سینا اور الشیخ الرئیس کے لقب سے دنیائے علم و فن میں، مشہور و معروف ہیں، ان کے گاؤں ''افشونا'' میں حاضری ہوئی، جہاں ان کے نام کا کالج، میوزیم، تاریخی نوادرات ہیں، اور میوزیم کے سامنے ان کے عزم و استقلال کی ترجمانی کرنے والا ان کا مجسمہ بھی ہے۔

ابن سینا

۳۷۰ھ ـــــــ ۴۲۸ھ

۹۸۰ء ـــــــ ۱۰۳۷ء

بخارا شہر سے قریب ۳۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر، صفر ۳۷۰ھ، اگست ۹۸۰ء میں

خرشین گاؤں (جس کو اب ''افشونا'' کہتے ہیں)، میں پیدا ہوئے۔ ذہانت و فطانت، فہم وذکاوت بصیرت وفراست اس بلا کی تھی کہ دو سال کی عمر میں قرآن کریم، فقہ وادب کا بہت گہرائی سے مطالعہ کرلیا، اور علوم عقلیہ منطق، فلسفہ، ریاضی، طب، طبعیات وفلکیات کی طرف اس شوق ولگن سے متوجہ ہوئے کہ ہر فن میں ید طولی رکھنے لگے، سترہ سال کی عمر میں بخارا کے حاکم کا اس دلچسپی سے علاج کیا کہ اس نے حیات نو پائی، خوش ہو کر شاہی کتب خانہ کا نگراں مقرر کر دیا، علم کے اس شیدائی کو تو سرمایۂ کائنات مل گیا، چند ماہ میں کتب خانہ کی ہر کتاب، بلکہ ہر ورق اس کی نظر نواز ہو گیا، ہر کتاب نوک زبان ہو گئی۔

علم طب کے بارے میں ابن سینا کا کہنا ہے کہ علم طب کو بقراط نے جنم دیا، جالینوس نے حیات نو بخشی، جب وہ بکھر گیا تو رازی نے سمیٹا، لیکن اس میں کچھ نقص رہ گیا تو میں نے اس کی تکمیل کی۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا: ص ۱۲۰)

شوق مطالعہ اور سجدۂ شکر

مطالعہ کی دھن اس قدر تھی کہ مابعد الطبعیات پر ایک کتاب چالیس مرتبہ پڑھی، لیکن سمجھ میں نہ آئی، پھر بھی ہمت وشوق میں کمی نہ آئی، اور اس موضوع پر فارابی کی کتاب خرید کر پڑھنا شروع کیا، جب وہ مضمون ان کے ذہن پر کھلا تو علم وفن کے اس شیدائی کو اس قدر خوشی ہوئی کہ خدا کے سامنے جبین نیاز ٹیک کر سجدہ شکر ادا کیا۔

خود ان کا بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تردد ہوتا تو جامع مسجد جا کر صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتا، رب کریم کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتا رب کریم کی طرف سے وہ عقدہ کھل جاتا۔

(متاع وقت ص ۱۷۴)

علمی کارنامے

علوم شرعیہ میں نسبۃً کم، مگر علوم عقلیہ کے اس ماہر فن نے کتابوں کی دنیا میں انبار لگا دیا،

مثال کے طور پر الحاصل والمحصول بیس جلدوں میں، الانصاف بیس جلدوں میں، الشفاء اٹھارہ جلدوں میں، لسان العرب دس جلدوں میں لکھی، طب میں القانون نے تو شرق وغرب میں دھوم مچادی، جو یورپ میں ایک طویل زمانہ تک داخل نصاب رہی۔

مناجات اور آہ وزاری

علوم عقلیہ کبھی کبھی کسی اور بہاؤ کی طرف انسان کو لے جاتے ہیں، فکر ونظر کا دھارا توحید والوہیت سے ٹکرانے لگتا ہے، اور شکوک وشبہات کی بھول بھلیاں میں انسان حیران و ششدر رہنے لگتا ہے، ابن سینا پر یہ دور آیا، مگر رحمت خدا نے ان کی دستگیری کی، چنانچہ توبہ تائب ہوکر رب کریم کے سامنے عاجزی اور مسکنت کے ساتھ دعاء کی جس سے دل کا غبار ختم ہوا، توحید وعقائد میں پختگی آگئی چناں چہ پھر بار بار یہ دعا کرتے تھے، ابن حجرؒ نے ان کی دعا نقل کی ہے۔

نعوذبک اللھم من شر فتنة

تطرق من حلت به عیشة ضنکا

رجعنا الیک الآن فاقبل رجوعنا

وقلب قلوبا طال اعراضها عنکا

(لسان المیزان ص ۲۹۳ ج ۲ بحوالہ متاع وقت: ۱۷۲)

قابل رشک موت

ابن سینا صاحبِ دل اور خوف وخشیت کے مالک بن گئے، اہل اللہ سے محبت رکھنے لگے، کسی صاحبِ نسبت بزرگ نے ایک موقع پر اس دلسوزی سے ان کو نصیحت کی کہ دل کی دنیا دنیوی علوم سے بالکل پلٹ گئی، اور فکرِ آخرت دل ودماغ پہ سما گئی، چناں چہ روزانہ سات پارے کی تلاوت کرنے لگے جب آپ کی موت ہوئی تو آپ کے سینے پر بخاری شریف رکھی ہوئی تھی، نہیں معلوم کن نیک تمناؤں اور نیک فال اور نیک امید کے ساتھ اپنے سینے پر بخاری شریف رکھی

کہ اللہ کو یہ ادا پسند آئی اور امام بخاری کے شہر میں رہ کر خدمت کرنے والے کی روح اس وقت پرواز کر گئی، جب کہ اس کا سینہ احادیث کے بوجھ کو اٹھایا ہوا ہے۔

خرتنگ اور سمرقند کا سفر

بخارا کی دید و سیر کے بعد قافلہ نے چوتھے دن سمرقند کا رخت سفر باندھا، بخارا کی در و دیوار اور قابل دید مقامات کو، اس حسرت کے ساتھ دیکھتا رہا کہ اب دوبارہ دیکھنے کو ملے گا یا نہیں؟ چند گھنٹے بس سڑکوں پر دوڑتی رہی دیکھتے دیکھتے سمرقند سے ۲۲ کیلومٹر پہلے خرتنگ کے علاقے میں پہنچ گئی۔

خرتنگ بستی میں

یہ نام کچھ عجیب سا ہے، اس نام میں نہ تو کشش ہے نہ جاذبیت، نہ حسن ادا ہے نہ حسن صوت، مگر مثل مشہور ہے، ''ظرف کی قیمت مظروف سے ہے'' سواری کی قیمت سوار سے ہوتی ہے، اور وہ قیمت کبھی آسمان کو چھو جاتی ہے، یہی حال خرتنگ لفظ کا ہے، لیکن جب اسی سرزمین میں حضرت امام بخاریؒ آسودۂ خواب ہو گئے تو اب وہ خرتنگ ہر ایک کی نگاہ میں محبوب و پسندیدہ ہو گیا۔

آج سے تقریباً ۱۱۸۵ سال، پہلے یعنی ۲۵۶ھ میں سمرقند کو جاتے ہوئے امام بخاریؒ خرتنگ گاؤں میں ابو منصور غالب کے مکان پر مقیم ہوئے، انہیں کے مکان پر شب عید میں آپ کی روح پرفتوح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، اور آپ کا جسدِ خاکی وہیں سپرد خاک کیا گیا۔

خوشنما پارک

بچپن سے دل میں سجائے شوق و تمنا کے پورا ہونے کا وقت آچکا تھا، دل طرح طرح کے خیالوں، اور عقیدت و محبت کے ہجوم کے ساتھ مچل رہا تھا، ہر طرح کی سفری تھکاوٹ کے

باوجود، ہر کوئی تر و تازہ تھا ہر ایک کی آنکھیں تمنائے دید اور بے تاب تھیں، دیکھتے دیکھتے بس ایک دل آویز احاطہ کے پاس رک گئی، خوبصورت خوشنما دلربا ایک پارک ہے رنگ برنگ کے لہلہاتے درخت، مہکتے پھولوں کی قطاریں، چڑیوں کی چہچہاٹ، پھلوں کی مہک، سرسبز پتوں کی چھاؤں میں، کرسیوں کی لائنیں، ایک ایسا نظارہ پیش کرتی ہیں کہ مسافر چاہے کتنا ہی تھکا ماندہ ہو دل برداشتہ ہو، احاطہ کو ان مناظر کو دیکھ کر چہکنے لگے چہرے پر سکون و طمانینت اور فرحت و خوشی کی لکیریں دوڑ پڑے، ہونٹوں پر مسکراہٹ ابلنے لگے۔

ہم لوگ پارک سے پار ہو کر اس صحن میں جا پہنچے، جہاں عالی شان مسجد اور ایک طرف امام بخاریؒ کا مزار پر انوار ہے۔

آستانۂ بخاری پر سلام کا نذرانہ

بصد ادب و احترام امام بخاری کے مزار پر انوار کی طرف قدم بڑھنے لگا، نگاہ کبھی جھکتی، کبھی اٹھتی، زبان کچھ پڑھتی اور کبھی رک جاتی، ایصال ثواب کے سوغات کے ساتھ مرقد کی طرف کچھ اور بڑھے، تو مردوں اور بے حجاب خواتین کا ہجوم تھا، پتھر سے بنی مصنوعی قبر کے اور قریب ہوئے تا دیر کچھ نہ کچھ پڑھتے رہے، اور تحفۂ ثواب پہنچاتے رہے، چبوترے کے تینوں جانب بنے ہوئے سائبان کے نیچے، رکھے ہوئے بینچ پر بیٹھ گئے، اور ذکر کی کوشش بھی کرتے رہے، مگر دل جمعی، یک سوئی، حضوری اور کسبفیض میں کمی محسوس ہوتی رہی، دل بار بار کہہ رہا تھا کہ علم حدیث کے نیر تاباں کی یہ اصل قبر نہیں، اصل قبر تو چبوترے کے نیچے بند کمرے میں ہے، اور یہ جو سامنے ہے یہ تو قبر کی شبیہ اور اس کی مثیل ہے، دل بے قرار ہوا کہ کس طرح اصل قبر پر پہنچوں، کیونکہ عموماً نیچے کا دروازا بند رہتا ہے خواص کے لئے کھل جاتا ہے، ہم نے بہت منت سماجت کی پھر بھی مجاور نے ایک نہ سنی، ادھر زائرین کا ہجوم بھی ہونے لگا، اس لئے اس عزم سے لوٹا کہ کوئی اور تدبیر اختیار کرنی پڑے گی۔

نور کی کوٹھری میں جا پہنچے

چنانچہ کچھ آگے بڑھے تو ایک اور مجاور سے ملاقات ہوئی، اپنا کچھ تعارف کرانا پڑا، اس نے کہا ٹھیک ہے، ایک منٹ کے لئے اجازت دلواتا ہوں، چنانچہ دروازہ کھلا، اندر گئے پھر کیا تھا! اس حصہ کا منظر ہی کچھ اور ہے، یوں لگتا ہے نور کی رم جھم برسات ہو، رحمت کے فوارے ہوں، تجلیات کی بہتات ہوں، اگر آپ وہاں بیٹھ جائیں تو اٹھنے کو جی نہ چاہے، کھڑے ہوں تو ہل نے کو دل نہ چاہے، دعا مانگیں تو مانگتے رہ جائیں، احادیث بخاری کی تلاوت کریں تو آنکھیں ڈبڈبا جائیں، پہلی حدیث پڑھیں تو اخلاص وللّٰہیت حسن نیت کا جذبہ ابھر پڑے، اور آخری حدیث پڑھیں تو ہر دم ذکر کا جذبہ موجزن ہو جائے۔

اندر پہنچے ادب سے بیٹھے، عجلت کے ساتھ تبرکا خطبہ پڑھ کر، اول آخر حدیث کی تلاوت کی، چند احباب کے ساتھ دعا ہوئی، احباب آبدیدہ ہوئے، اور زندگی کا قیمتی لمحہ سمجھ کر چند منٹ خاموش رہے، حمد وثنا کے ساتھ اوپر کو نکلے، دل کا ارمان پورا ہوا یہ ایک خواب تھا جو شرمندہ تعبیر ہوا، صاحب مزار کی عظمت کے احساس کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے یوں لگا کہ ہم انکے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں، ان کے پہلو میں بیٹھنے کے لائق نہیں، لیکن ان کے قدم میں جگہ مل جائے تو نصیب چمک جائے، قسمت جگمگا جائے، زندگی کا رنگ صبغۃ اللہ کا مصداق بن جائے، اسی دعا کے ساتھ ہم اگے کو بڑھنے لگے۔

ایصال ثواب کا عجیب انداز

عام طور پر علاقائی حضرات نہ تو ایصال ثواب کا طریقہ جانتے ہیں، یا پھر قرآنی آیات سورتیں، اور دعائیں ان کو یاد نہیں ہوتیں، غالبا اسی بنا پر وہاں کے بہت سے مزارات خصوصا امام بخاریؒ کے مزار پر، دیکھنے کو ملا، مجاور صاحب زائرین کی جماعت کو لیکر بینچ پر بیٹھ جاتے ہیں، بخاری شریف کی اول وآخر حدیث زبانی پڑھتے ہیں، یا پھر قرآنی آیات وسورتیں پڑھ کر ایصال

ثواب کرتے ہیں اور آنے والے زائرین آمین کہتے ہیں، تاہم مجاور کی طرف سے ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی کہ جس پر انگشت نمائی کی جائے، چناں چہ نہ وہاں دھاگا ہے نہ شیرینی، نہ تھم دانہ ہے نہ پھولوں کے ہار، نہ بدعات وخرافات ہیں، اور نہ ہی نذرانہ۔

قبر سے مشک کی خوشبو

خوف وخشیت کے پیکر، عشق ومحبت کے رہبر، معرفت وانابت، احسان وصداقت کے مجسم، حضرت امام بخاری کا قلب، جہاں مشکوٰۃ نبوت کے انوارات، اور عشق الٰہی کی چنگاری سے معمور رہا، وہیں آپکی روح محبت ومعرفت کی مہک سے خوشبودار رہی، چنانچہ جس سرزمین پر آپ سپرد خاک ہوئے، مدتوں آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو محسوس ہوتی رہی، اردگرد بھی اس کی خوشبو پھوٹتی رہی، اور زائرین کو معطر کرتی رہی، اور ممکن ہے اتنا زمانہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اہل معرفت، اصحاب نسبت کو مشک کی دھیمی دھیمی خوشبو باغ باغ کرتی ہو، صالحین کے قلوب تروتازہ ہوتے ہوں، مگر اے کاش! کہ ہم جیسے ناہموار کو یہ خوشبو کا احساس کہاں نصیب؟ البتہ ہر شخص، وہاں پہنچ کر نور ورحمت سے کچھ نہ کچھ بہرہ ور ضرور ہوتا ہے۔

۱۰۵۰ رسال بعد بھی تجلیات کی برسات

اسلامی تاریخ کے لحاظ سے آپ کی وفات یکم شوال ۲۵۶ھ کو ہوئی اور شمسی تاریخ کے مطابق ۳۱ راگست ۸۷۰ء کو ہوئی، گویا اس عاجز کی حاضری اس پاک طینت کے مرقد پر ۱۰۵۰ رسال بعد ہوئی اس قدر طویل مدت کے باوجود پورے احاطہ کا منظر کچھ عجیب سا تھا، ہر طرف نور کی برسات تھیں، اہل دل مرقد کی طرف کھنچے کھنچے چلے جاتے تھے، انسانی دنیا میں آپ کی محبت اور آپ کی ذات سے والہانہ ربط وتعلق کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے ہم لوٹے۔

آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

یہی آئین فطرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے　　جو ہے راہ عمل میں گامزن وہ محبوب فطرت ہے

امام مسلمؒ.... قدم بوسی کی تمنا

امام بخاریؒ کی ذہانت وفطانت، فہم وفراست، حکمت ودانائی، اخلاص وللّٰہیت، اور کلام نبوت سے عشق ومحبت کا اعتراف، ہر دور کے محدثین وفقہاء، اور مفسرین ومشائخ نے بلند و بالا الفاظ میں کیا ہے، بلکہ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے تو ایک دفعہ آپ کے فضل وکمال، علمی انہماک، ورع وتقویٰ، اور چمکتی پیشانی پر نور نبوت کے آثار دیکھ کر، اس قدر منفعل اور جذباتِ عقیدت سے اس قدر لبرز ہوئے کہ پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا: دعنی اقبل رجلیک یا سید المحدثین وطبیب الحدیث یعنی محدثین کے اے سردار! ذرا مجھے اتنا موقعہ دے دیجئے کہ میں آپ کے دونوں پاؤں کا بوسہ دیدوں، یہ جذبات ہیں اس شہرۂ آفاق محدث کے جو اپنی جگہ خود فن حدیث کے امام، زہد و ورع، اور تقوی واحتیاط کے بحر بے کراں ہیں۔

سہل تستریؒ اور زباں بوسی کی تمنا

امام مسلمؒ کی اس عقیدت ومحبت کی یاد آتے ہوئے گروہ صوفیا کے ایک سرخیل، حضرت سہل بن عبداللہ تستری (۲۸۳ھ) بھی یاد آگئے، جو ایک مرتبہ امام ابوداود سجستانی (۲۷۵ھ) کی خدمت بابرکت میں باادب حاضر ہوئے، اور دست بستہ عرض کیا، کہ مدتوں سے دل کا ارمان ہے، کہ آپ جس زبان سے ہمیشہ احادیث نبوی ﷺ بیان کرتے ہیں، ذرا اتنا کرم کیجئے کہ زبان باہر نکالئے تاکہ ہمیں بوسہ دینے کا موقعہ ملے، چنانچہ امام ابوداودؒ نے انکے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے زبان باہر نکالی اور انہوں نے بوسہ دیا۔

تفتازانیؒ کو لعاب دہن ملا

اس موقعہ پر علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ) کا وہ خواب بھی یاد آیا کہ جب آپ سمرقند میں اپنے استاذ عزالدین کے زیر سایہ تعلیم حاصل کررہے تھے، اور آپ بہت زیادہ غبی، کند ذہن اور کم فہم تھے، محنت وسعی اور تکرار ومطالعہ میں ہمہ تن مشغول ومنہمک رہا کرتے، مگر کچھ یاد نہ رہتا،

خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے اپنا ورد دل سنایا کہ میں بہت کند ذہن ہوں۔ آقا ﷺ نے فرمایا منہ کھولو، پھر آپنے لعاب دہن ڈال دیا، پھر کیا تھا؟ جس لعاب نبوی نے حضرت علیؓ کے آشوب چشم کو شفا بخشی، جس لعاب نبوی نے حضرت حبیب بن فدیک کی بے روشن آنکھ کو بینا کر دیا، اور جس لعاب نبوی نے کھارے پانی کو شیریں بنا دیا، اسی لعاب مبارک نے علامہ تفتازانیؒ کے ذہن کو ذہن ثاقب اور فہم وفراست سے نواز دیا پھر کیا تھا! استاذ کو کہنا پڑا، (اب تم وہ نہیں جو پہلے تھے)۔

سمرقند، میٹھے میٹھے پھل

تاشقند سے ۴۷۰ کیلومیٹر۔ بخارا سے ۲۷۵ کیلومیٹر، خرتنگ سے تیس کیلومٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس کا قدیم نام ''تاراکنڈا'' ہے، بعد میں اس کا دلچسپ اور شیریں نام سمرقند پڑا، ناموں میں سے کچھ نام پرکشش، شیر وشکر کی طرح حلاوت ومٹھاس لئے ہوتے ہیں، بولئے تو زبان ودہن تر بتر ہوجائے، کسی سے سنئے تو حسین آواز کی لذت محسوس ہونے لگے، انھیں ناموں میں ایک نام سمرقند بھی ہے۔ یہ اسم با مسمی بھی ہے کیوں کہ سمر، ان کے یہاں ثمر یعنی پھل کے معنی میں ہے، اور قند کا معنی مٹھاس کے معنی ہے، تو میٹھا پھل سمرقند کا معنی بنا۔ ظاہر ہے جس کی معنویت میں مٹھاس پوشیدہ ہو۔ وہ بولنے میں مٹھا پیارا کیوں نہ لگے۔

جنت نما شہر

سمرقند جسے جنت نما کہئے یا جنت الفردوس، لعل وگوہر کی سرزمین کہئے، یا حسین پھولوں کا گلدستہ یا مرکز گیتی کہیے، یا موتیوں کی سرزمین۔ اس سرزمین سے نہ معلوم کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے، علم وفن کے کیسے کیسے نیر تاباں اور درخشاں ستارے جگمگائے، جس سرزمین سے ہر فن کو آبیاری ملی، ہر موضوع کو تحقیقی وسعت ملی، اور ہر باب کو عقلی ونقلی دلائل سے زیب و زینت ملی، اور جس سرزمین نے دنیا بھر کے محدثین ہوں یا فقہاء، مفسرین ہوں یا مناطقہ، اطباء

ہوں یا معمارانِ نقش ونگار، واعظین ہوں یا مشائخ ہر ایک کے قلب وروح اور نگاہوں کو اپنی طرف اچک لیا۔ جو اس شہر کی علمی روحانی فضاء میں پہونچا مخمور ہوگیا، ذہن ودماغ کو خزانہ علوم سے لبریز کرلیا۔ مشائخ واولیاء کے قدموں میں جو جا پڑا، وہ شراب محبت سے چور چور ہوگیا۔ قال وحال کا فرق مٹا، انابت وخشیت ان کا شیوہ بنا، ان کا قلب وجگر عشق الٰہی کی انگیٹھی بنا۔ ان کی آنکھوں میں تاثیر کی شعاعیں آئیں اور جن کی صحبت نے دل کی دنیا بدل ڈالی۔

سمرقند۔ مرکز گیتی

تیموری دور ۱۳۸۹ء کے بعد یہ شہر علم وہنر، تعلیم وتدریس، عقل ودانش کا پھر ایک انمول گہوارہ بنا، بڑے بڑے محدثین، علماء، مشائخ، اولیاء، منطق وفلسفہ، فلکیات وسائنس، جغرافیہ اور الجبرہ کے ماہرین اس خاک سمرقند سے نمودار ہوئے۔

چناچہ الجبرہ کے موجد محمد بن موسیٰ الخوارزمی اسی خاک (۸۵۰ء) سے اٹھے، مشہور سائنسداں، ابن سینا ۱۰۳۷ء میں اسی سرزمین سے نمودار ہوئے۔ مشہور ریاضی داں، غیاث الدین بھی اسی خاک کے پروردہ ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ مشہور شاعر علی شیر نوائی اسی خاک کی پیداوار ہیں۔

سمرقند کی روشن تاریخ

سمرقند کے تابناک روشن دور، اور علماء ومشائخ کے حالات پر البیلی کتاب القند فی ذکر علماء سمرقند ملاحظہ فرمایئے۔ آپ حیران وششدر رہ جائیں گے، کہ علوم وفنون اور معرفت وحکمت کے کیسے کیسے اساطین علم وفضل دنیائے اسلام کو فیضاب کررہے تھے، اور آج وہ خاموش آغوش رحمت میں آرام فرما ہیں۔

سمرقند جب زیروزبر ہوا

۱۹۱۸ء میں جب روس کا ظالمانہ، جابرانہ اور بہیمانہ جال پھیلنے لگا۔ تو سمرقند کے علماء

طلباء اور عوام و خواص خون شہادت سے بچ نہ سکے، مظلوموں کی چیخ و پکار، تڑپتی روح کی آہوں سے سمرقند ہلنے لگا، یتیموں، بیواؤں کے خون کے آنسو سے تر بہ تر ہونے لگا۔

مدرسوں، دانشگاہوں اور فنکاروں کا چہچہاتا ہوا یہ شہر، ایسا سہم گیا جیسے شیر نے دبوچ لیا ہو۔ ستر سال کس کسمپرسی میں اس شہر نے سانس لیا ہے، وہ ایک المناک تاریخ ہے، مساجد بند، مدرسے ویران، اور بیانات جرم عظیم بن گئے، جس کی تفصلات کے لئے پیر و مرشد حضرت اقدس کی کتاب لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند دیکھ سکتے ہیں۔

تیمور لنگ کا شہر سمرقند

یہ شہر تیمور لنگ (۱۴۰۵ء) کا شہر ہے یہ صدر مقام بھی ہے، اور یہی اس کا مدفن بھی ہے، تاتاریوں نے جب ۱۲۲۰ء میں جابرانہ، ظالمانہ طوفان کھڑا کیا، تو یہ حسین شہر بھی اس سے بچ نہ سکا۔ تباہ و برباد ہو کر مدتوں ماتم کدہ بنا رہا، چنگیز خان نے اس کو تاراج کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یادگار عمارتوں پر شکوہ، پر بہار محلات، تاریخی کارناموں کو تباہ و برباد کر دیا، میٹھے سمرقند کو تلخ گھونٹ نہ معلوم کب تک پینا پڑا۔ مگر سمرقند کا نصیب پھر چمکا، ۷۷۱ھ ۱۳۶۹ء میں تیمور لنگ کا بول بالا ہوا۔ اس نے اپنے آبائی شہر کا حق ادا کر دیا۔

جس طرح شاہ جہاں نے تاج محل کی تعمیر کے لئے مایہ ناز نقش و نگار اور فن تعمیر کے باذوق معمار کو جمع کر کے ایک عجوبہ محل تعمیر کیا۔ تیمور لنگ نے بھی اس شہر کو سجانے اور یادگار تعمیرات سے پر کشش بنانے کے لئے فنکاروں کا ہجوم اکٹھا کر دیا۔ پوری شان و شوکت کے ساتھ، اس کو بے مثال نقش و نگار، اور حیرت انگیز مینا کاری سے سجایا، تاریخی عمارتوں، نادر محلات بنوا کر اس کی زیب و زینت اور حسن و جمال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، یوں کہئے بغداد، شیراز، استنبول اور دمشق کا آئینہ دار بنا دیا، اسی بنا پر یورپی، روسی سیاح یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ سمرقند تو جنت الفردوس ہے مسلم دنیا میں اس کو موتی کا شہر کہا جاتا ہے۔ تیمور لنگ نے اس شہر کو مرکز گیتی کا خطاب دیا۔ اور صدیوں لوگوں نے اس کو درخشاں گہر کا لقب دیا۔

آج کا، سرسبز سمرقند

روس کی نظرِ عتاب اور اس کے ظلم و استبداد سے جب سمرقند ۱۹۹۱ء میں سویت یونین (روس) سے آزاد ہوا، تو سمرقند کا تاریخی حوصلہ پھر بلند ہوا۔ دیکھتے دیکھتے ظاہری چمک دمک میں دنیا کے مشہور شہروں کے دوش بدوش نظر آنے لگا۔ سڑکیں کشادہ، مکانات و محلات صف بستہ، لہلہاتے خوشنما درختوں، پھولوں کی قطاروں سے دیدہ زیب نظر آنے لگا، جگہ بہ جگہ پارکوں، باغیچوں، چوراہوں، رنگ برنگ کی لائٹوں نے سیاحوں اور باشندوں کے دلوں کو موہ رکھا ہے۔

مگر ہوٹل میں دل سہم گیا

جب سمرقند کے مسلم رہائشی ہوٹل پہنچے، تو کاؤنٹر کے ایک گوشے میں شراب کی کیبین دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، جب روم میں پہونچے، تھوڑی دیر یہ فیصلہ نہ کر پائے، کہ ہم کیپ ٹاؤن میں ہیں، یا ماسکو شہر میں یا کسی مسلم ملک کے ہوٹل میں؟۔ کیونکہ واش روم میں ٹوائلیٹ کے بعد پانی کا کوئی نظم نہیں تھا۔ بلکہ پانی کی جگہ ٹیشو پیپر رکھا تھا؛ گویا پانی استعمال کرنے کی کیا ضرورت؟ پیپر استعمال کیجئے اور پاک پوتر ہوکر باہر آجایئے، تھوڑی دیر حیران رہے، کہ یا اللہ! دو دن یہاں کس طرح گزریں گے؟ اور واش روم کی دعاء کے بجائے ان موڈرن کلچر کے دلدادہ ہوٹل کے مالکوں کے لئے، اللھم اھد قلبھم پڑھتے رہے۔ اور چار و ناچار وہاں کی کرنسی، دس ہزار "سُم" میں پانی کا ایک بوتل خریدا اور اسی کو آلۂ طہارت بناتے رہے۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے دربار میں

امام بخاری کے وسیع و عریض کمپلیکس کی پرنور فضا میں ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنے کا موقع ملا، اس احاطے کی وہ عالی شان عمارت بھی دیکھی جو امام بخاری کی یادگار میں مدرسے کے عنوان سے بنائی گئی ہے۔ اب وقت آچکا تھا کہ اس عرفانی نورانی پرکیف فضا سے کوچ کریں، اس عزم کے ساتھ اس تاریخی احاطے سے نکلے کہ ان شاء اللہ اسی سفر میں دوبارہ حاضری ہوگی، مگر یہ

سعادت حاصل نہ ہوسکی، ہم لوگ خرتنگ سے تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر، سمرقند شہر کے لیے روانہ ہوئے۔

قلب شہر میں واقع حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے احاطے میں بوقت مغرب پہنچے باجماعت نماز ادا کی گئی، یہ احاطہ پرانوں کی یادگار ہے، دیگر مزارات کی طرح نہ گنبد ہے، نہ پھولوں بیلوں کی کیاریاں، نہ ہی خوشنما دیدہ زیب سایہ دار کرسیاں، ہاں قدیم زمانے کے لگے ہوئے بڑے بڑے چند درخت ہیں، جن پر کچھ تاریخی کتبے لگے ہیں، ایسے ہی چھوٹے محدود احاطے میں، کھلے آسمان کے نیچے، قدرے بلندی پر، حضرت خواجہ عبیداللہ آسودۂ خاک ہیں، اور دیگر بہت سے اہل محبت کی قبریں ہیں، بعد مغرب چبوترے پر حضرت جی دامت برکاتہم کے ساتھ بیٹھنے، فیضیاب ہونے، اور ایصال ثواب کرنے کا موقع ملا، اخیر میں حضرت جی کے بڑے صاحبزادے حضرت حبیب اللہ دامت برکاتہم نے چند آیات کی تلاوت کی، حضرت والا نے سری دعا فرمائی، اس کے بعد خواجہ عبیداللہ کی خلوت گاہ جو مسجد سے متصل ہے اس میں حضرت والا تشریف لائے، اور چند منٹ سالکین کو نصیحت فرمائی، اور مختصر سے بیان میں خواجہ صاحب کی زندگی کے چند اہم گوشے اجاگر فرمائے، تھوڑی دیر اجتماعی مراقبہ بھی ہوا، اتنے میں عشاء کی اذان ہوگئی بعد عشاء وہاں سے قدرے فاصلے پر واقع ہوٹل میں ہم لوگ منتقل ہوگئے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ

۸۰۶ــــــ ۸۹۵

۱۴۰۴ء ــــــ ۱۴۹۰ء

خواجہ عبیداللہ اس سلسلہ کے قطب الاقطاب، اپنے زمانہ کے مجدد، اور صاحب کرامت بزرگ ہیں، شیخ یعقوب چرخیؒ سے بھرپور فیض پایا، البتہ ان کے علاوہ بھی بہت سے اصحاب نسبت سے فیضیاب ہوئے، اسی بنا پر خواجہ یعقوب چرخیؒ کہا کرتے تھے کہ کسی کے پاس

جانا ہو تو عبید اللہ احرار کی طرح جایا کرو، کیوں کہ چراغ کا فتیلہ تیار کر کے آئے تھے، اللہ رب العزت نے آپ کے اندر عجیب کمالات اور خوبیاں رکھی تھیں، گاہ بگاہ کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ تاشقند میں تھے، اپنے مرید خاص سے فرمایا کہ سمرقند جاتے ہو تو وہاں سے شہد لے کر آنا، جب وہ شہد لے کر چلا، تو ایک جگہ کسی غیر محرم پر بار بار اس کی نظر پڑ گئی، جب وہ تاشقند شہد لے کر پہنچا تو وہ شہد نہیں بلکہ شہد کی جگہ شراب تھی، آپ نے فرمایا کہ تمہاری نظر بد نے اس کو شراب میں تبدیل کر دیا۔

بادشاہِ وقت بھی آپ کا مرید تھا، لیکن ذرہ برابر اس کی دولت پر نظر نہ تھی، کاشتکاری آپکا پیشہ تھا، ترویج شریعت اور رسم و رواج کی بیخ کنی آپ کا بہترین مشغلہ تھا، گھوڑوں کے باندھنے کی میخیں سونے یا چاندی کی تھیں، لیکن فرماتے کہ میخیں زمین میں گاڑی جاتی ہیں نہ کہ دل میں۔

آپ کا ملفوظ ہے کہ زبان دل کا آئینہ دار، دل روح کا آئینہ دار، روح حقیقتِ انسان کا آئینہ دار، اور حقیقتِ انسان حق تعالی کا آئینہ دار ہے۔

آپ کی ولادت رمضان آٹھ سو چھپن میں علاقۂ تاشقند میں ہوئی اور وفات 2 / ربیع الاول ۸۹۵ھ سمرقند میں ہوئی، خانقاہ کے پاس ہی مدفون ہیں مسجد اور خانقاہ بھی موجود ہے، ملا جامیؒ آپ کے منظور نظر معتمد خاص اور خلیفۂ اجل تھے۔

ملفوظ: بنام زبان ہوشمند

- خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کی کثرت مطلوب ہے، زندگی کا پھل اس شخص کو ملا جس کا دنیا سے دل سرد ہو گیا، اور ذکر خدا کی گرمی اس کے دل میں اتنی پیدا ہو جائے، کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ پھٹک سکے۔
- ذکر میں دوام ہونا چاہئے، اگر ذکر کا ملکہ ایسا ہو جائے کہ ہمیشہ دل حاضر رہے، اور اس حضوری سے وابستہ ہو جائے تو اس کا شمار ابرار میں ہوگا، مگر واصل اس وقت ہوگا جب کہ اس حضور کی نسبت بھی اس سے منتفی ہو جائے، اور حق سبحانہ کو بذات خود حاضر سمجھے۔

● شیخ کی صحبت میں اپنا قرب جتلانے کے لئے نہ جائے، بلکہ سب سے زیادہ محتاج بن کر جائے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیاء اللہ کی صحبت میں آئے اس کو چاہئے کہ اپنے آپ کو نہایت مفلس ومحتاج ظاہر کرے، تاکہ ان کو اس پر رحم آئے، سالک کو گناہ کے ساتھ اپنے غفلت پر بھی توبہ تائب ہوتے رہنا چاہئے۔

● سید الطائفہ کے حوالہ سے فرمایا کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس برس تک کوئی برائی اس کا کاتب شمال نہ لکھ سکے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرید معصوم ہوجائے اور اس مدت میں اس سے کوئی جرم سرزد نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ فرشتے اس کے گناہ لکھنے پائیں وہ اس کے مکافات میں مشغول ہوجائے، اور کسی طریقہ سے اس گناہ کو اپنے اوپر سے دور کرے۔

● معصیت وغفلت کی وجہ سے جگہ بھی متأثر ہوتی ہے، اگر کوئی شخص افضل عبادات یعنی نماز کو ایسی جگہ ادا کرے جو لوگوں کے اخلاق ناپسندیدہ سے متأثر ہو تو اس نماز کا جمال اور اثر اتنا نہیں ہوسکتا، جتنا کہ ایسی جگہ پر ادا کرنے سے ہوگا، کہ وہ جگہ ارباب جمعیت سے متأثر ہو، اسی لئے دو رکعت حرم کعبہ میں پڑھنا، دوسری جگہ کی ستر رکعتوں کے برابر ہے۔ (انوار العارفین: ۳/ ۳۷)

حضرت ابو منصور ماتریدیؒ کے مزار پر

۳۳۳ھ ——— ۸۵۳ء ——— ۹۴۴ء

شہر سمرقند کی جب پہلی صبح نمودار ہوئی، تو آسمان ابر آلود تھا، موسم سرد، فضا میں خنکی تھی، پتے اور پودے ہواؤں کے جھونکے سے جھوم رہے تھے، اتنے میں بس آئی، بس میں بے بسی کے احساس کے ساتھ بیٹھ گئے، شہر کی حسین عمارتوں، دیدہ زیب بازاروں سے گزرتے ہوئے بس اس کنارے پہنچی، جہاں حضرت ابو منصور ماتریدیؒ کا مزار ہے۔

ان کے مرقد کے اردگرد قافلۂ نقشبند کا ہجوم تھوڑی دیر قرآن کی تلاوت کرتا رہا، اور ان کو نذرانہ ثواب پہنچاتا رہا۔ ایمان ویقین کی پختگی، عقائد وایمانیات میں صلابت واستقامت

کی دعا کرتے رہے، اور قریباً گیارہ صدی پہلے غریق رحمت ہونے والے کے زندہ جاوید کارناموں کو یاد کرتے ہوئے وہاں سے لوٹے۔

قبر نہیں، کتبے محفوظ رہ گئے

ان کی قبر کے اردگرد ایک عجیب منظر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، کہ ان کی قبر کے اردگرد ستائیس پتھر بہت ہی سلیقہ مندی سے رکھے ہوئے ہیں، جن پر نام نقش کیے ہوئے ہیں، پتہ چلا کہ جب روسی فوجیوں نے یہاں کی عظمتوں کے نشانات کو جڑ سے مٹانا چاہا۔ اور قبرستان وغیرہ کو بلڈوزر سے زیروزبر کردیا، تو بعد میں عقیدت مند لوگوں نے ان کتبوں کو بطور یادگار قبر کے اردگرد لاکر رکھدیا، تاکہ اصحاب علم وفضل کی قبر اگر محفوظ نہ رہ سکی تو کم از کم ان کے نام کے کتبے تو محفوظ رہ جائیں۔

حالات وکارنامے

۲۴۸ھ ـــــــ ۳۳۳ھ

۸۵۳ء ـــــــ ۹۴۴ء

آپ کی تاریخ ولادت کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں کہ علمی دنیا میں بہت سے نامور شمس وقمر کی تاریخ ولادت پردۂ خفا میں رہ گئی۔ انہیں میں سے آپ بھی ہیں، تاہم کچھ آثار وقرائن سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے ہونگے، انہیں قرائن کی بنا پر ۲۴۸ لکھا گیا ہے۔ البتہ وفات کے سلسلہ میں تاریخی کتابوں نے آپ کی سن وفات کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا ہے کہ آپ کے ارتحال کا سن ۳۳۳ ہے۔

اور آپ کا وطن مالوف، سمرقند کا محلہ ماتریدیہ ہے، اسی بنا پر ماتریدی کہلاتے ہیں۔

آپ فقہ حنفی کے زبردست محقق، اصول وکلیات، فروع ومسائل پر گہری نظر رکھنے والے اور علم کلام میں شان اجتہاد کے مالک تھے، زہد وعبادت ریاضت ومجاہدہ میں یکتا تھے۔

حضرت ابو منصور عقائد کے باب میں سرخیل، اور امام کی حیثیت سے، معروف و مشہور ہوئے اور آپ کی تدوین و تفہیم کے مطابق بیان کردہ عقائد کو ماننے والے ماتریدیہ کہلاتے ہیں۔

بے موسم پھل فروٹ

آپ کا ایک خاص امتیاز یہ تھا کہ علم و فضل کے امام ہونے کے باوجود اپنے باغ میں خود کام کرتے تھے، بسا اوقات بے موسم پھل لوگوں کو کھلاتے، تعجب سے کسی نے پوچھا۔ فرمایا اپنے ہاتھ سے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس لیے اس ہاتھ کے ذریعہ جو چاہتا ہوں حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے بادشاہ کے ظلم و جور سے عاجز آ کر آپ سے شکایت کی، تو کرامت دیکھئے، کہ گھاس سے کمان بنایا، اور تنکے سے تیر بنا کر اس ظالم بادشاہ کی طرف پھینکا، معلوم ہوا اسی تاریخ میں قتل ہو گیا۔ (امداد الباری ص ۱۰۲ تا ۱۰۷ بحوالہ حقائق الحنفیہ ج ۲ ص ۸۷)

عقائد کی اہمیت

مذہب اسلام اپنی جامعیت، ہمہ گیریت اور آفاقیت کی بناء پر ایک حسین و خوب صورت مذہب ہے، جو پانچ شعبوں: اعتقادات، عبادات، معاملات، عقوبات اور اخلاقیات پر مشتمل ہے، ان میں سب سے اہم بنیادی شعبہ، اعتقادات اور ایمانیات کا ہے، جسے آپ عقائد کہہ لیجئے، جس کے بغیر انسان نہ تو مؤمن ہو سکتا ہے، نہ اعمال قابل قبول، ۔ پھر ایسے عقائد کی تشریح و توضیح اور تفہیم و تدوین میں امت کے چار طبقے وجود میں آئے

طبقہ محدثین: جو امام احمد بن حنبلؒ سے منقول اقوال و عقائد کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

متکلمین: ان میں دو جماعت ہیں: ایک اشاعرہ، اور ایک ماتریدیہ، اور ایک گروہ صوفیہ کا ہے، گروہ ماتریدیہ کے سرخیل و مقتدا ابو منصور ماتریدیؒ ہیں، اور ان کے عقائد کے اپنانے والے ماتریدی کہتے ہیں۔

مقبرۂ محمدین

سید کائنات ﷺ سے والہانہ ربط و تعلق اور عشق و محبت کی یہ بھی ایک عجیب داستان ہے کہ سمرقند میں ایک شخص نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی، اور واقف نے یہ شرط لگائی کہ اس میں صرف وہی مردے دفن ہونگے، جن کا نام یا نام کا جزء محمد ہوگا۔

چنانچہ تاریخی شہادت ہے کہ اس مقبرہ میں چار سو ایسے علماء، حفاظ، مشائخ مدفون ہوئے جن کے نام کا حصہ یہ سنہرا لفظ محمد تھا۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ''نص الواقف کنص الشارع'' کہ واقف کی شرط اسی قدر اہم اور قابل اتباع ہے، جس طرح شارع علیہ السلام کے فرمودات۔ چنانچہ اس شرط کا لحاظ و پاس رکھا گیا۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ کے مؤلف، علامہ برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس مقبرہ میں دفن کرنا تاکہ نام پاک کی برکتوں سے میرا جسد خاکی بھی بہرہ ور ہو، اور رفع درجات کا ذریعہ بنے۔ مگر قبرستان کے متولی نے یہ کہ کر معذرت کردی کہ شرط کے مطابق ان کے نام کے ساتھ لفظ محمد شامل نہیں۔ چنانچہ اس مقبرہ میں دفن ہونے کا موقع نہ مل سکا۔

نام محمد ﷺ سے بے مثال محبت

اس امت کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت، والہانہ ربط و تعلق ہے وہ کسی اور امت کو نہیں، آپ کی ذات گرامی کی محبوبیت تو اپنی جگہ، اس امت کی نگاہ محبت میں ہر وہ چیز سما جاتی ہے اور دلوں میں رچ بس جاتی ہے، جس کا ادنی تعلق ذات گرامی سے ہو جاتا ہے۔ سر مبارک پر جو بال اُگ گیا، وہ دنیا کا سب سے زیادہ لازوال قیمتی سرمایہ بن گیا، جس کپڑے کو جسد اطہر سے مس ہونے کا موقع ملا، وہ ریشمی لباس سے کہیں زیادہ پرکشش بن گیا، اسی طرح ہر وہ لفظ قلب و دماغ میں بابرکت بنا جو آپ کی طرف منسوب ہو گیا۔

چنانچہ لفظ محمد جسے چار موقعہ پر قرآن کریم کی زینت بننے کا موقع ملا ہے، وہ لفظ محمد امت کے دل ودماغ میں اسقدر رچا بسا کہ نام کا جزء بننے لگا۔ اور خیر وبرکت اور نیک فال لیتے ہوئے اپنی اولاد کا نام محمد رکھنے لگے، آج دنیا میں سب سے زیادہ کوئی نام ہے تو نام محمد ہے۔ بلکہ بعض تو پشت در پشت یہی نام رکھتے رہے۔

چنانچہ امام شرف الدین ابو بصیریؒ (۶۹۴ / ۱۲۹۴) کے شاگرد رشید ابن سید الناس (۷۳۴ھ) کا اپنا نام، والد کا نام، اور دادا کا نام محمد تھا اور پردادا کا نام احمد تھا۔

(الرسالۃ المستطرفۃ: ص ۹۲ بحوالہ:۔ برکات بردہ ص: ۲۳)

اور ایک عاشق رسول مقبول ابو البرکات، محمد بن محمد کی تو اس سلسلہ میں مثال ہی نہیں ملتی، کیونکہ ان کے نسب نامہ میں چودہ نام محمد ہی محمد تھے۔ (الفوائد البہیہ: ص: ۲۴۳)

یہ حسرت رہ گئی دل میں

جب ہم وہاں پہونچے دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا، جس علاقہ میں وہ قبرستان واقع ہے اس کے قریب تک ہم پہنچے تو سہی، مگر حسرت وافسردگی کی ایسی چوٹ لگی کہ دم بخود رہ گئے، پتہ چلا کہ ۱۹۱۷ء میں جب روس قابض ہوا، اور اس نے اسلامی شناخت کی شبیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، تو اس قبرستان پر بھی بلڈوزر چلا دیا، اور زمین کو اسقدر ہموار کر دیا جیسے کھیت یا میدان ہو، ان اصحاب علم وفضل کی قبروں کے نشانات، اس طرح مٹے کہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہاں کوئی تاریخی بے مثال قبرستان رہا ہوگا۔

مقبرہ شاہ زنداں

کافی بلند ٹیلہ پر ایک مقبرہ ہے، جسکو مقبرۂ شاہ زنداں کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضرت عباسؓ کے صاحبزادے حضرت قثم بن عباسؓ کا مقبرہ ہے۔

آپ کا مقبرہ سطح زمین سے نہایت بلندی پر واقع گنبد نما، دلکش عمارت میں ہے، ۴۰ر

سیڑھی چڑھے بغیر ہر ایک کی رسائی ممکن نہیں؛ مگر جو پہونچ گیا اسے یوں لگا: رحمتوں کی برسات ہے انوارات کی بارش ہے تجلیات کا دہانا کھلا ہوا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ، بایزید بسطامیؒ اور دیگر مشائخ یہاں آکر کسب فیض کرتے تھے، ذکر و مراقبہ سے قلب و روح کو گرماتے تھے اور روحانی سفر طے کیا کرتے تھے۔

اس مقبرہ میں اردگرد قالین بچھی ہے، اور دیوار سے لگ کر چھوٹی چھوٹی بینچ لگی ہیں، بھیڑ کی وجہ سے نیچے بیٹھنے کا موقع نہ ملا، بینچ پر ہی بیٹھ کر نذرانۂ ثواب پہنچاتا رہا، اور کسب فیض کا طریقہ اپناتا رہا۔

آپ کے مقبرہ کے قریب ایک نورانی مسجد بھی ہے جس میں تحیۃ المسجد اور نماز ظہر ادا کرنے کا موقع ملا، اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے مزید کچھ تاریخی کمروں کو دیکھتے ہوئے حسرتوں کے ساتھ واپس لوٹا۔

نوٹ: شاہ زنداں سے متعلق ایک دلچسپ مضمون ضمیمہ نمبر ۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں

سمرقند میں آپ کی تشریف آوری

اس علاقہ میں آپ کی تشریف آوری اشاعت دین کے لئے تھی، تبلیغ دین کے حسین جذبہ نے مدینہ سے اسقدر طویل مسافت کا سفر آسان کردیا، جنگل جنگل، صحرا صحرا، دریا دریا، یہاں تک پہنچے، اور اس سوز و ساز اور درد و کرب سے جام توحید پلانا شروع کیا کہ پورا علاقہ کلمہ پڑھتا ہوا دامن اسلام میں داخل ہوگیا، کفر و الحاد چھٹا، روحانی و ایمانی ماحول بنتا گیا، مگر کفار کو آپ کا درد دروں راس نہ آیا، ٹھیک نماز عید کے ہجوم میں آپ پر حملہ ہوا، اور آپ شہید ہوکر وہیں آسودہ خاک ہوگئے۔ اسی مناسبت سے لوگ عقیدت و محبت سے آپ کو شاہ زنداں کہنے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ کی حسرت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۵۵۸ھ) یعنی ان کے برادر مکرم حبر الامۃ کو دم شہادت کی

خبر ملی۔ تو وہ کہیں سفر میں تھے، درد و کرب کے ساتھ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اور راستہ سے ہٹ کر دو رکعت نماز ادا کی اور خلاف معمول بہت لمبا قعدہ کیا۔ جب سواری پر سوار ہوئے تو بارگاہ قدس میں کہہ رہے تھے، واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔

(اسد الغابہ مترجم ۸۱۶ رقم ۳۷۲۷ ج ۳)

حضرت قثم بن عباس کی چند خصوصیات

——— ۵۷ھ

——— ۶۷۷ء

اللہ پاک نے یہ عز و شرف اور امتیازی شان سے نوازا تھا کہ سید کائنات فخر موجودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں آپ شریک رہے، بلکہ جن خوش قسمت صحابہ کو قبر میں اترنے کا موقع ملا، ان میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحب زادے حضرت فضل اور قثم تھے، بلکہ مزید سعادت یہ کہ سب سے اخیر میں آپ کو قبر مبارک سے نکلنے کا موقعہ ملا۔

ان کی ایک دوسری اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ شکل و صورت رفتار و گفتار، اخلاق و کردار میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ اور مماثل تھے، چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ اشبہ الناس بی خلقا و خلقا۔ مقبرہ کے ایک دروازے کے پاس ایک پتھر پر آپ کے نام کے ساتھ یہ حدیث بھی لکھی ہوئی ہے۔

ان کی ایک تیسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ دعوت دین کی خاطر مدینہ سے سب سے زیادہ دور دراز علاقہ میں آپ ہی مدفون ہیں۔

حضرت علیؓ (۴۰/۶۶۱) نے اپنے دور میں مکہ یا مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا، حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ (۶۰/۶۸۰) کے زمانہ میں، حضرت عثمان بن عفانؓ (۳۵/۶۵۶) کے صاحبزادے، حضرت سعید کے ہمراہ سمرقند تشریف لے گئے۔

آدھی دنیا کا فاتح تیمور لنگ

۱۳۳۶ء ـــــــــ ۱۴۰۵ء

سمرقند کا پر کیف سفر اس وقت تک نا تمام رہے گا، جب تک کہ تیمور لنگ کے محلات کی دل فریبی، بناوٹ کی دلکشی، اور نقش و نگار کی حیرت انگیزی کا مشاہدہ اور اعتراف نہ کر لیا جائے۔ تیمور لنگ سمرقند کے ایک گاؤں ''ایل غار'' میں ۲۵ شعبان ۷۳۶ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا۔ ذہانت و فطانت، جرأت و شجاعت، مصلحت پسندی اور دور اندیشی میں یکتا اور بے مثال تھا۔ بہت سے کمالات کے باوجود نہایت سخت مزاج، اپنے حریف کے ساتھ شمشیر برہنہ، مخالفوں کے قتل و غارت گری میں بے لگام تھا۔ ۲۵ سال کی عمر میں سیاست و حکومت اس کے رگ و پے میں جسم و جاں میں رچ بس گئی، اور ملک در ملک کشت و خون بہاتا ہوا، کئی ملکوں کا بے لگام بادشاہ بنتا چلا گیا۔ تخت و تاج کیلئے جس سرزمین پر پہونچا، تباہی و بربادی اسکا مقدر بن گئی۔ مارچ ۱۳۹۸ء میں ہندوستان کی طرف بڑھا۔ ۱۸ر دسمبر کو دہلی پر ایک لاکھ فوج لیکر حملہ آور ہوا، پھر کشمیر ہوتے ہوئے سمرقند لوٹنے کا ارادہ کر لیا، تاہم ایشائے کوچک وغیرہ ہوتا ہوا سمرقند کی طرف ۱۴۰۴ء میں روانہ ہوا، مگر راستہ میں آق شہر میں ۱۱ر فروری ۱۴۰۵ء کو بیمار پڑا، بالآخر ۷۱ رسال کی عمر میں، چھتیس سال حکومت کرنے کے بعد رخصت ہو گیا، اس کی لاش سمرقند لائی گئی، جن کی تعمیر و ترقی حسن و زیبائش، نقش و نگار اور مینا کاری میں اس نے مال و زر بہا دیا تھا اور اسے جنت الفردوس کا خطاب دلوایا تھا۔

اہل بخارا کو اگر امام بخاریؒ اور دیگر محدثین پر ناز و فخر ہے، تو اہل سمرقند کو اس بے باک و بے لگام بادشاہ پر بھی فخر ہے۔ اس وقت کے حساب سے آدھی دنیا یعنی ۴۲ ر ملکوں کے فاتح تھے۔

چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۶۵۴ تا ۶۵۶)

تیمور لنگ کا دل کش مقبرہ

سمرقند کے لاثانی حسن و جمال، اور بے مثال زیب و زینت کو مزید دوبالا کرنے والا وہ احاطہ بھی ہے، جو ریگستان چوک سے قریب گورامیر کے نام سے موسوم ہے، جو ہر سیاح کی نگاہوں کا مرکز، اور تاریخی محلات میں ایک نادر یادگار ہے، اس کا گنبد اور اندورنی حصہ، فنکاری کا عجیب منظر پیش کرتا ہے، دور سے ہر نو وارد نگاہوں کو اچک لیتا ہے، وہ عمارت نصیب نما ہے جس کے گنبد اور در و دیوار پر نقش و نگار، دیدہ زیب لکڑیوں پر مینا کاری نے عجیب و غریب عمارت میں اس کو شامل کر دیا ہے۔

تیمور لنگ نے اپنے محبوب بھتیجے محمد سلطان کی یاد میں ایک لاثانی مقبرہ بنانے کا حکم دیا ۱۴۰۳ء میں شروع ہوا، اور ۱۴۰۵ تک اپنی نگرانی میں دور دراز کے معماروں اور فنکاروں کو بلا بلا کر اس کی دلکشی میں اضافہ کرتا رہا، پھر وہی مقبرہ خاندانی مقبرہ کی شکل اختیار کر گیا، چنانچہ تیموری خاندان کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ رکھنے والے اکثر شاہانِ مملکت اسی خطے میں پیوند خاک اور مٹی کے ڈھیر ہیں، مقبرہ کے آس پاس بہت سی نمایاں قبریں ہیں۔

شیخ و مرشد کے قدموں میں

البتہ مقبرہ میں چند قبریں ہیں؛ جن کی ترتیب کچھ اس طرح ہے: سب سے پہلے سرہانے کی جانب تیمور لنگ کے استاذ کی قبر، ان کے قدم کے پاس تیمور لنگ کی قبر بائیں جانب شیخ و مرشد کی قبر اور ان کے قدم کے پاس پوتے الغ بیگ کی قبر ہے، نیز ایک بھتیجے کی قبر بھی شامل ہے۔

قبر کی شبیہ اور تعویذ

ان قبروں کا انداز کچھ اس طرح ہے جیسے تاج محل میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اصل قبر تو سطح زمین پر ہے، لیکن قبر کی شبیہ اور اس کی تعویذ بلند چبوترے پر بنی ہوئی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے، چنانچہ اصل قبر تک پہنچنے کے لئے پندرہ سیڑھی نیچے اترنی پڑتی ہے، ہر ایک کی رسائی

ممکن نہیں، دربان کا سخت پہرہ ہے کہ کوئی اندر جانے نہ پائے، گائیڈ سے بہت منت وسماجت کے بعد نیچے اصل قبر تک جانے کا موقع ملا، اندر کا منظر ہی کچھ اور ہے، بظاہر تیمور لنگ کے استاذ اور شیخ کی بنا پر انوارات کی ایک عجیب جھلکیاں محسوس ہوتی ہیں اور رحمتوں کی برسات کا اندازہ ہوتا ہے، اندرونی حصے کو پھول بوٹے اور سنہرے رنگ سے عجیب انداز سے مزین کیا گیا ہے۔

اہل نسبت کے پہلو میں دفن کی تمنا

قبر کی اس ترتیب کو دیکھ کر کافی دیر محو حیرت رہا کہ بیالیس ملکوں کا فاتح ہے، مگر اس کے دل میں استاذ اور پیر ومرشد کی کتنی عظمت ہے، خاصان خدا کے پہلو میں مدفون ہونے پر، کیا نیک فالی ہے، ممکن ہے ان کے قدموں کی برکت اور شیخ کے قرب وصحبت کی وجہ سے نجات مل جائے اور تادم حشر ان پر اترنے والی رحمتوں کے قطرے اور تجلیات کی کرنیں اس کی قبر میں بھی پہنچتی رہیں، ان کے استاذ، علم کے بادشاہ، پیر ومرشد معرفت الٰہی کے بادشاہ، تیمور لنگ ۴۲ ملکوں کے بادشاہ ہیں، انہی تینوں کے درمیان ہم کچھ پڑھتے بھی رہے نذرانۂ ثواب پہونچاتے بھی رہے اور کچھ کچھ تاریخ میں کھوتے بھی رہے۔

اورنگ زیبؒ کا دردِ دل

ہمیں اپنے ملک کے وہ بادشاہ بھی یاد آئے، جو اپنے ہاتھوں سے ٹوپی بنتے، انگلیوں سے قرآن کریم لکھتے، تہہ خانوں میں سرد آہوں سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتے تھے، وہ ہیں اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۷۰۷ء)، آپ نے وصیت کی تھی کہ میری موت جہاں بھی ہو جائے مجھے اورنگ آباد شہر کے قریب ۲۴ کیلومٹر کے فاصلے پر خلدہ آباد میں شیخ ومرشد کے جوار میں دفن کیا جائے۔ عجیب اتفاق کہ احمد نگر میں ان کا انتقال ہوا، وہاں سے گھوڑے پر سوار کر کے خلدہ آباد لا کر سپرد خاک کیا گیا، اس زمانے میں ان کی قبر پر ۱۴/روپے ۱۲/آنے خرچ ہوئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محبوبان خدا کے پہلو میں لیٹنے کا جذبہ بادشاہوں کو بھی ہوا کرتا تھا۔

خطیبِ بغدادیؒ کی آرزو

خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ / ۱۰۷۱) جب حرم پہنچے، اور زم زم نوش کرنے لگے، تو تین دعا ئیں کی: الٰہی! میری اس کتاب تاریخ بغداد کی روایت کا موقع ملے۔ جامع دمشق میں مجھے درس اور نصیحت کا موقع ملے۔ اور مجھے معروف کرخی کے جوار میں دفن ہونے کی سعادت بھی ملے۔ رب کریم نے تینوں دعائیں قبول فرمائی۔

شارح ہدایہؒ کی تمنائے حسیں

حضرت عطاء اسکندریؒ، (۷۰۹ / ۱۳۱۰) سلسلہ نقشبندی کے زبردست صاحب نسبت بزرگ ہیں، ان کی قبر کے پاس صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ (۸۶۱ / ۱۴۵۷) پہونچے، اس وقت ان کی زبان پر تھا: **و منا شقی و منا سعید** تو اچانک آواز آئی: **لیس منا شقی** یعنی ہمارے اس مقبرہ میں کوئی شقی نہیں، واپسی کے بعد حضرت ابن ھمام نے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد ان کے جوار میں دفن کرنا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے اہل اللہ کے قریب دفن ہونے کی تمنا علم و معرفت کے پاسبانوں نے بھی کی ہے۔ یہی تمنا اس عاجز کے دل میں بھی ہے کہ رب کریم زندگی میں بھی اہل اللہ کا سایہ نصیب کرنا، اور مرنے کے بعد بھی کسی اہل نسبت کے جوار میں جگہ نصیب فرمانا اور اس سے بڑھ کر اور کیا نصیب کہ دیار مدینہ کو میرا مستقر بنانا۔

الغ بیگ، ایک نادر شخصیت

دنیائے اسلام کا نامور، یکتائے زمانہ، بے مثال ماہر فلکیات، علم نجوم کا نباض، علم دوست اور تیمور لنگ کا محبوب چہیتا پوتا ''الغ بیگ'' ہے، ان کے والد کا نام شاہ رخ ہے، الغ بیگ کی ولادت بروز اتوار ۱۸ر جمادی الاولی ۷۹۶ھ / ۲۲ر مارچ ۱۳۹۴ء میں ہوئی، صرف ۵۵ سال کی مختصر زندگی گزار کر رمضان المبارک کے مہینے میں ۸۵۳ھ / ۲۷ر اکتوبر ۱۴۵۹ء میں کسی

دشمن کے ہاتھوں جام شہادت پی لیتا ہے، بچپن سے ہی ہنر مندی، علم دوستی، تلاش و جستجو کا چسکا لگا تھا، علم نجوم کا شوق اس کے رگ و پے میں رچا بسا تھا، سمرقند میں اس نے عظیم الشان نادر رصدگاہ تعمیر کی، جس نے پوری دنیا کو محو حیرت کر دیا، اور سمرقند کی زیب و زینت کو اتنا آگے بڑھایا کہ دنیا کے حسین ترین شہروں میں اس کا نام نقش ہو گیا، خصوصاً رصدگاہ کی وجہ سے سمرقند ایک عالمی مرکز سیاحت بن گیا۔

الغ بیگ کے کارنامے

الغ بیگ نہایت ہی مہذب سنجیدہ دور اندیش، علم دوست، بصیرت و فراست اور فہم و دانش سے آراستہ تھے، پندرہ سال کی عمر میں ایک علاقہ ''مازندراں'' کے حاکم مقرر ہوئے، سیاسی تدبیر عوامی خدمت کا جذبہ اور علوم شریعت سے دلچسپی وغیرہ کو والد مکرم نے محسوس کرتے ہوئے سمرقند کی حکمرانی بھی ان کے حوالہ کر دی، اس بندۂ خدا نے سمرقند کو علم و فضل تہذیب و تمدن، زیب و زینت کا گہوارہ بنا دیا، کئی دلکش عمارتوں سے اس شہر کے حسن کو دوبالا کیا، چند عمارت آج بھی اس کے ذوق حسین، اور فنکاری پر داد تحسین دے رہی ہیں، اس کی عجیب بے مثال حیرت کن عمارتوں میں چند کے نام بھی سن لیجئے۔

خانقاہ جس کا گنبد دنیا کے بلند ترین گنبدوں میں ہے، شاہ زنداں کی نادر مسجد، چالیس ستونوں کا محل اور رصدگاہ، جو اگرچہ ویران ہے، مگر دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے، یہ تین منزلہ عمارت تھی اس میں ایک آلۂ رصد نصب تھا، جو اس زمانہ میں دنیا بھر میں سب سے بڑا مشاہدۂ افلاک کا آلہ تھا جس کا قطر ۴۰ میٹر یعنی ۱۳۲ فٹ تھا۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۳۰۸ ج ۱)

رصدگاہ

سمرقند کی بے مثال اور نادر زیارت گاہوں میں رصدگاہ بھی ہے، یہ ایک عمارت ہے جہاں سے فلکی اجرام و مظاہر کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور نظام شمسی کا بھی اندازہ لگایا جاتا تھا، یہ

رصدگاہ بلند ٹیلے پر گنبد نما عمارت کی شکل میں ہے، جس میں دوربین بھی نصب ہے، جس سے ہزاروں میل کی چیزوں کو دیکھا جا سکتا ہے، اس رصدگاہ پر ایک گائیڈ بھی مقرر ہے، جو رصدگاہ کی تفصیلات بتلانے پر مامور ہے۔

مجسمہ اور میوزیم

الغ بیگ رصدگاہ کے قریب اس کا عجیب مجسمہ ہے، جو اس کی ذہانت و فطانت، قوت عزم و استقلال، اور فولادی ارادہ کا آئینہ دار ہے، ایک اور قابل دید میوزیم ہے، جس میں فلکی معلومات حاصل کرنے کے بہت سے نادر آلات ہیں، اور دیگر حیرت انگیز چیزیں بھی ہیں۔

الغ بیگ کی شہادت

عام طور مشہور یہی ہے کہ اس کے بیٹے عبد اللطیف مرزا نے دس رمضان کو اس وقت اسے شہید کر دیا جبکہ حرمین کے سفر پر یہ نکل رہے تھے، یہ کہتے ہوئے کہ میرا باپ علم نجوم کے ایسے ایسے گوشے کو تسلیم کرتا ہے جو موجب کفر ہے اور مستحق قتل، لیکن حقیقت کیا ہے وہ سنئے جب اس عاجز نے وہاں کے تعلیم یافتہ گائیڈ سے معلومات حاصل کی تو اس نے بتلایا کہ یہ سراسر بہتان ہے کہ بیٹے نے باپ کو شہید کیا، خود بیٹے کو سائنس و علم نجوم سے خاص دلچسپی تھی، اصل میں شہید تو کیا دشمنوں نے، مگر منسوب کر دیا بیٹے کی طرف، کیونکہ روس اور یورپ تیموری خاندان کو بنظر محبت نہیں دیکھتا، اور انکے سیاسی کارنامے انکو پسند نہیں؛ بلکہ قتل و غارت گری کے خوگر کی شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے، لیکن اب جبکہ قلمی مخطوطات جمع ہو رہے ہیں، اس کا ہر زبان میں ترجمہ ہونے والا ہے اس وقت صداقت سامنے آجائے گی کہ اس کا قاتل کون تھا؟ اور قتل میں کون لوگ شریک تھے؟

مسلم شریف کا قلمی نسخہ

جس چیز نے ذہن و دماغ پر نقش ثانی چھوڑا، ان میں ایک مسلم شریف کا قلمی نسخہ بھی

ہے، کانچ کے بند بکس میں بہت سارے قلمی مخطوطات تھے، ایک قلمی نسخہ پر جب نظر پڑی تو دیکھا کہ مقدمہ مسلم کے دو صفحے کھلے ہیں، عبارت بہت جلی اور روشن ہے، پورے ادب وشوق سے تبرکاً پڑھنے لگا، اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا، جس مسلم شریف کو ۲۷ سالوں سے پڑھانے کی سعادت حاصل ہے آج اس کے قلمی نسخے سے آنکھوں کو ٹھنڈک، دل کو سرور پہونچانے کا حسین موقع مل رہا ہے، یہ قلمی نسخہ ۱۵۰۰ء کا لکھا ہوا ہے، گویا پانچ سو سالہ پرانا یہ علمی ذخیرہ مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔

ریگستان چوک

جس سمرقند کو قمر قند بھی کہہ سکتے ہیں، اس شہر کا ایک علاقہ، ریگستان چوک یا ریگستان اسکوائر کہلاتا ہے، اس کا محل وقوع عجیب دل فریب ہے، اس کی دل آفرینی دل کشی اور نشاط آمیز منظر، ہر افسردہ پژمردہ رنجیدہ دلوں کو باغ و بہار بنا دیتا ہے، مرجھایا ہوا انسان خوش وخرم ہو کر نشاط وفرحت سے پر کیف نظر آتا ہے۔ یہاں تیمور لنگ کا لق ودق مجسمہ بھی ہے، جس سے اس کے عزم واستقلال، ہمت وجرأت، شجاعت وبہادری، قوت فیصلہ اور قوت ارادی کا عکس جمیل نظر آتا ہے، کس دور میں یہ مجسمہ بنا معلوم تو نہ ہو سکا، البتہ اس قسم کے مجسمے شرعی نقطۂ نظر سے بنظر استحسان نہیں دیکھے جا سکتے۔

تین مدرسوں کی سسکتی پکار

تھوڑے فاصلے پر پورے آب وتاب کے ساتھ بلند بالا سر اونچا کئے ہوئے تین اہم مدرسے ہیں، جن کو آپ دیکھیں تو حیران وششدر رہ جائیں، اور حسرت وغم میں ڈوب جائیں، ان تین مدرسوں کی تعمیر عجیب نظم ونسق اور منصوبہ بند ترتیب سے نظر آتی ہے، انگلش حرف U کے انداز سے بنی تین دلکش عمارت ہے، جو عظمت وشوکت اور ہیبت کے ساتھ سینہ سپر معلوم ہوتی ہیں، مسلمانوں کے شاندار عہد رفتہ کی داستان سناتی ہیں، جیسے جیسے آپ قریب ہوں گے، آپ کا

ضمیر محسوس کریگا کہ مدرسوں کی تین پر شکوہ عمارت سسک سسک کر آپ سے دعاؤں کی خیرات مانگ رہی ہیں اور اپنا دکھڑا سنا رہی ہیں، کیا آپ کو میری ذلت پر حسرت نہیں؟ کیا آپ کی ایمانی غیرت کو ٹھیس نہیں لگتی ؟ میرا دردِ دل سنئے ، ایک وقت تھا جب میری در و دیوار، صحن اور کمروں کو علامہ مرغینانی اور فقیہ ابواللیث سمرقندی جیسے پاک طینت مشائخ وفقہا نے گلشن علم و معرفت بنائے رکھا، جہاں تدریس کی قندیلیں ہمیشہ روشن رہیں، جس کی آغوش تربیت سے فقہا، مفتیان کرام قضاۃ، حکیم وطبیب، سائنس داں نمودار ہوئے، مگر میری بدنصیبی کا حال سنئے کہ ۱۹۱۹ء میں روس کا پورا قبضہ ہوگیا، اور ظلم وستم کی سرخ آندھی چلی تو عوام وخواص بالخصوص علماء طلباء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مدرسے، نائٹ کلب اور شراب کے اڈے بن گئے

ہم تین دوش بدوش مدرسوں کو شراب کے اڈے، نائٹ کلب، فلم اور تماشہ گاہ بنا دیا گیا، ۱۹۱۹ء میں روس روانہ تو ہوگیا، مگر یہاں کے باشندوں کا غلامانہ ذہن ختم نہ ہوا! اس وقت کہنے کو تو مسلم حکومت ہے، مگر پھر بھی مرد وزن کا اختلاط ہے، قرب وجوار میں شراب کی دکانیں اور میوزک کی جھنکاریں ہیں، ہم ان عمارتوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے بھی رہے، بوجھل قدم سے چلتے بھی رہے، سوچتے بھی رہے، کہ کیا اچھا ہوتا، کہ یہ عمارتیں زمین میں دھنس گئی ہوتیں، یا نشاۃ ثانیہ شروع ہوگئی ہوتی، دلوں میں غم وحسرت کے اتاہ سمندر کے ساتھ ان تین مدرسوں کے اندر پہنچے۔

مدرسہ الغ بیگ

ان میں ایک مدرسہ الغ بیگ ہے، مرزا الغ بیگ نے سب سے پہلے اس مدرسہ کی تعمیر بڑے حسین جذبات، اور خوبصورت ذوق کے ساتھ فنکار معماروں سے، اس طرح کرائی کہ آپ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں، اس کی اونچائی، بالاخانوں اور جا بجا محرابی شکل کے بنے کمرے

کی ہیبت وعظمت کو دوبالا کر رکھا ہے، صدر گیٹ کی بلندی سے محسوس ہوتا ہے کہ گیٹ کی پیشانی پہاڑ کی چوٹی سے ہم کلام ہو، آپ کا ضمیر اگر صرف تماشائی نہیں، بلکہ عبرت آموز ہے، تو قریب ہوتے ہی حسرت وافسردگی، غیرت وحمیت کی زبردست چوٹ محسوس کئے بغیر نہ رہ پائے گا، کیوں کہ جن کمروں کی زیب وزینت، قرآن وحدیث، فقہ وفتاوی، اور تفسیر وتصوف کی سنہری کتابیں ہوا کرتی تھیں، وہاں اب کھلونے نفس کو لبھانے، در ودیوار کو سجانے والی چیزیں آنکھوں کو پتھرا رہی ہیں، جگہ جگہ خواتین بے حجاب مسکراہٹوں سے آپ کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں ،اردگرد میوزک کی آواز فضاء کو مسموم بنا رہی ہے۔ فیاللعجب

شیر در مدرسہ

مدرسہ الغ بیگ کے بالمقابل سینہ تانے ہوئے ،ایک اور مدرسہ نظر آئے گا، جو اپنی بلندی، بناوٹ، صنعت کاری، فن کاری میں اس کا دوش بہ دوش نظر آتا ہے، سمرقند کے ایک حاکم نے اس کی تعمیر کی، پہاڑ کی بلندی سے باتیں کرنے والے منقش صدر دروازہ پر نظر اٹھائیں، تو آپ کا ذہن دماغ صرف ماؤف نہیں بلکہ ٹھٹھک جائے گا کہ اللہ اللہ، قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا یہ کیسا گہوارہ؟ کہ گیٹ کے دونوں جانب پیشانی پر، شیر اور ہرن کی تصویر بنی ہوئی ہے، جو اسی زمانے میں بنائی گئی تھی، اسی بنا پر مدرسہ کا نام بھی شیر در مدرسہ رکھا گیا، ہم یہ کہتے ہوئے اندر داخل ہوئے کہ حکام تو حکام ہی ہوتے ہیں، پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔

کچھ حصے دکان اور مصنوعی روشنیوں سے آراستہ تھے، اور زیادہ تر حجرے ویران وسنسان ،جن کے قریب جانے میں گھٹن محسوس ہو رہی تھی، اس لیے آگے کو بڑھے، اور بہتر جانا کہ باہر کو نکل جائیں، اب نہ زیادہ وقت تھا، نہ دل رنجیدہ کو مزید رنجور کرنا تھا، اس لیے صحن میں اترے اور اچکتی نظر سے ایک اور مدرسہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

مدرسہ طلا کاری

سترہویں صدی میں ان دونوں مدرسوں کے سامنے ایک اور مدرسہ بنایا گیا، جس کا

صدر دروازہ لال قلعہ اور جامع مسجد کے گیٹ کی طرح نہایت ہی آب و تاب کے ساتھ بلند و بالا اور اونچا ہے، مگر اسے دیکھ کر حساس سیاح کا دل پکار اٹھے گا، کہ رنگ برنگ کے آبگینوں سے سجے ہوئے اے دروازے! جب تیری روح نکل گئی تو تو ایک مردار ڈھانچے سے کم نہیں، یہ وہ مدرسہ ہے جس کے درمیان ایک گنبد والی مسجد ہے، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پانچ من سونے کے پانی سے پچکاری کی گئی تھی، اسلئے اس کو مدرسہ طلا کاری کہتے ہیں،

یہ تینوں مدرسے ریگستان چوک کے قریب ہیں، اور سامنے بہت عمدہ کشادہ صحن ہے، صحن کے آگے، عمدہ عمدہ خوشنما درختوں کی لمبی لمبی قطاریں ہیں، روسی دور میں تینوں مدرسے صرف ویران نہیں کئے گئے، بلکہ رقص و سرور، سینما ہال، اور شراب کے اڈے بنا دئے گئے، لیکن اب وہ مارکیٹ یا سیر و سیاحت کی چیز بن کر رہ گئی ہیں۔

مسجد بی بی خانم

سمرقند کی تاریخی یادگاروں، اس کی پر بہار عمارتوں میں، اور ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز وہ مسجد بھی ہے جس کو مسجد بی بی خانم کہتے ہیں۔ یہ مسجد اپنی خوبصورت صنعت، عمدہ بناوٹ، دیدہ زیب وسعت، نقش و نگار، پھول بوٹوں کی کیاریوں سے، ایسی خوشنما تھی کہ بخارا کی جامع مسجد کے ہم دوش نظر آتی تھی، ہر مسلم سیاح اس وقت تک سمرقند کی سیر کو روح پرور اور کامیاب نہیں سمجھتا تھا جب تک کہ اس مسجد میں رب کریم کے حضور، جبین نیاز نہ ٹیکتا، احترام و تقدس کی نگاہوں سے اس کے ممبر و محراب کو دیکھ نہ لیتا، اور رحمت الٰہی کے لئے دامن دل کو پھیلا نہ دیتا ہو۔

اس مسجد کی تعمیر ۱۳۹۹ء میں شروع ہوئی اور ۱۴۰۴ء پائے تکمیل کو پہونچی۔ پانچ سال کے قلیل عرصے میں خوبصورتی میں یہ عظیم الشان شاہ کار مسجد تو بن گئی، لیکن جلد بازی کی بنا پر کچھ ٹکنکی کمی رہ گئی، جس کی بنا پر ۱۸۹۷ء کے زلزلہ کو برداشت نہ کر سکی، اور پوری عمارت منہدم ہو گئی، ۱۹۷۴ء تک ملبوں کے ڈھیر کی شکل میں، عبرت گاہ بنی رہی، مگر ۱۹۷۴ء میں حکومت نے نئے سرے سے وہاں مسجد بنا دی ہے، لیکن قدیم مسجد کی خوشنمائی، دل ربائی، اور رنگ آفرینی

کا عکس جمیل بھی اس میں نہ آسکا نام تو وہی ہے، مگر وہ تاریخی رنگ وروپ کہاں۔ دل چسپ ضمیمہ صفحہ ۲۴۵ پر ملاحظہ ہو۔

کھوئے ہوؤں کی جستجو

حضرت امام دارمیؒ کا مدفن

آپؒ کا اسم گرامی، امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ہے، آپ ان چند ممتاز محدثین میں شامل ہیں، جو گوناں گوں صفات وکمالات اوصاف ومحاسن کے پیکر تھے، علم حدیث ہو یا علم تفسیر، علم فقہ ہو یا علم باطن ہر ایک پر گہری نظر تھی، حکمت ودانائی، بصیرت وفراست عقل ودانش، زہد وورع، تقویٰ وطہارت اور عبادت وریاضت میں بے مثال اور بلند وبالا تھے، ایک طرف حدیث کی روایت کو درایت کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ تھا، تو دوسری طرف اطاعت وعبادت اور فکر آخرت کا درد بھی ہمہ دم سوار رہتا تھا، سمرقند جیسے شہر میں رہتے ہوئے بھی عیش وعشرت خوشحالی، فراوانی کے بجائے قناعت پسندی اور سادگی کے ساتھ رہنا آپ کا تادم حیات شیوہ رہا، آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے حاکم شہر نے منصب قضا پیش کرنا چاہا، بار بار انکار کرتے رہے پھر کسی مصلحت کے تحت چند دن کے لئے قبول کیا، اور پھر معذرت کردی۔

ایک عجیب امتیازی شان

آپ کی ایک عجیب شان یہ ہے کہ صحاح ستہ کے محدثین میں امام ابن ماجہؒ کے علاوہ پانچوں محدثین (امام بخاری امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائیؒ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے اسی طرح امام ابوزرعہ ابوحاتم بھی شاگردوں کی صف میں شامل ہیں)

ولادت ورحلت

ولادت:۔ آپ کی ولادت سمرقند شہر میں ۱۸۱ھ/۷۹۷ء میں ہوئی، قبیلہ بنی تمیم کی شاخ ''دارم'' سے متعلق تھے، اس بنا پر دارمی کہلاتے ہیں۔

رحلت: عمر کی ۷۵ ویں منزل طے کرنے کے بعد، ۸ ذی الحجہ ۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء پنج شنبہ بعد نماز عصر ہزاروں سوگواروں کو داغ مفارقت دیتے ہوئے رحلت فرمائی یوم عرفہ، یوم جمعہ کو سپرد خاک ہوئے۔

امام بخاریؒ کا اظہار غم

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کو جب اپنے استاد کی رحلت کی خبر پہنچی تو غم کا پہاڑ ٹوٹا، آنسو پر قابو نہ پا سکے، اور صدمہ و رنج کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور بے اختیار ایک شعر کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زندہ ہوتے تو احباب کی مفارقت کے صدمے برداشت کرتے، آپ کا صفحۂ ہستی سے چلا جانا سب سے دردناک سانحہ ہے۔ (تذکرۃ المحدثین: ۱/ ۱۹۴)

دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا

سمرقند میں ایک حسرت یہ بھی رہ گئی کہ ہم آپ کے مدفن تک پہنچ نہ پائے، اور اس بات کا خیال بار بار ستاتا رہا کہ کسی بڑے گروپ کے ساتھ سفر کرنا، اپنے بہت سے جذبات کی تکمیل سے محروم رہنا ہے، ورنہ تو پہلے سے تمنا تھی کہ وہاں پہنچ کر برکت کے طور پر سنن دارمی جو ۳۵۰۳ روایات پر مشتمل ہے، اس کی اوّل و آخری حدیث کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کا نذرانہ پیش کریں گے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ

_____ ۳۷۳ھ

۹۴۴ء _____ ۹۸۳ء

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ آپ کا اسم گرامی نصر بن محمد ہے، چوتھی صدی کے مشہور و معروف حنفی فقیہ ہیں۔ فقہ و فتاوی میں اسقدر مشہور و معروف تھے، کہ ان کے علاقہ میں جب فقیہ مطلقا بولا جاتا تو ان ہی کا نام سمجھا جاتا۔ آپ کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی آپ کی چند مایہ ناز تصنیفات

ہیں، جن میں بطور خاص تنبیہ الغافلین، بستان العارفین، خزینۃ الفقہ، عمدۃ العقائد، فضائل رمضان، عیون المسائل، وغیرہ، تقریباً دس مؤلفات کا تذکرہ ملتا ہے۔

(فوائد بہیہ ص ۲۹ / آپ فتوی کیسے دیں ص ۱۴۸)

صاحب تحفۃ الفقہاء

_____ ۵۴۰ھ

_____ ۱۱۴۵ء

علامہ علاء الدین محمد بن احمد، سمرقند کے مستند، سب سے بڑے مفتی اور فقیہ تھے، فقہ وفتاوی کو بہت ہی آسان اسلوب میں بیان کرنے کا ملکہ عطا ہوا، گھر کا ماحول علمی اور فقہی تھا، خود آپ کی صاحبزادی فاطمہ زبردست عالمہ زاہدہ اور فقیہہ تھی، آپ کی کتاب ۳ حصوں پر مشتمل تحفۃ الفقہاء کے نام سے بہت عمدہ تصنیف ہے۔

ان کی صاحبزادی سے نکاح کے لئے بہت سے اصحاب علم، اور شہزادوں نے پیغام نکاح دیا، مگر جب ملک العلماء، علامہ ابوبکر کاسانیؒ م: ۵۸۷ھ/ ۱۱۹۱ء نے تحفۃ الفقہاء کی شرح سات جلدوں میں بدائع الصنائع لکھی، اور آپ کے سامنے پیش کی تو علامہ سمرقندی انگشت بدنداں رہ گئے، اور فقہی ذوق لطیف پر داد تحسین پیش کرتے ہوئے، ان کو اپنا داماد بنانے میں فخر محسوس کرنے لگے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ کا نکاح فاطمہ سے ہوگیا۔

خسر، داماد، اور صاحب زادی کا علمی مقام یہاں تک مستند تھا کہ جب کوئی فتوی لکھا جاتا تو تینوں کے دستخط ہوتے، علامہ کاسانی اگر زبردست فقیہ تھے، تو صاحب ورع بھی، اور دل دردمند بھی رکھتے تھے، آہ وزاری بھی تھی اور خوف وخشیت کے پیکر بھی تھے، چناں چہ ان کی موت کا واقعہ بہت عجیب ہے کہ ایک دفعہ تلاوت کرتے ہوئے جب یثبت الذین آمنو بالقول الثابت (سورۃ ابراہیم) پر پہنچے، تو روح تڑپ گئی، اور اسی وقت روح نکل گئی، جان جان آفریں کے حوالہ کردیا۔ (مقدمہ تاتارخانیہ ص ۶۱، فوائد بہیہ ص: ۶۵)

امام ناصر الدین سمرقندیؒ

آپ چھٹی صدی کے مایہ ناز فقیہ ہیں، ابوالقاسم آپ کی کنیت، ناصر الدین اسم گرامی، خاندانی نسبت علوی اور حسنی ہے، سن وفات ۵۵۶ھ ہے، آپ کے علمی ذخیروں میں جامع الفتاوی، الفقہ النافع، مصابیح السبل اور الملتقط فی الفتاوی الحنفیہ ہے۔ تاہم ان کتابوں کے تذکرے تو ملتے ہیں مگر ہیں سب کی سب مخطوطہ کی شکل میں یا نایاب۔

(آپ فتوی کیسے دیں، مقدمہ تاتارخانیہ ص ۱۷۰ ص ۱۵۴)

حضرت ملا جامیؒ

۸۱۷ ـــــــ ۸۹۸

۱۴۱۴ء ـــــــ ۱۴۹۲ء

ملا جامیؒ علوم ظاہری سے فرغت کے بعد ایک مرتبہ خواب میں سنا" اتخذ حبیبا بیدیک" اُس وقت آپ سمرقند میں تھے، حضرت خواجہ عبید اللہ کے پاس جا پہنچے، اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر فیوض و برکات سے اس قدر مالا مال ہوئے، کہ دنیائے تصوف میں بلند مقام پر فائز ہوئے، محبت الٰہی میں ایسے مخمور اور عشق رسول کے نشہ میں ایسے چور ہوئے کہ عاشقان نبوت کی صف میں ایک نمایاں پروانہ بنکر شامل ہوئے، جب عشق و محبت سے دل چھلک نے لگا تو زبان نے کن الفاظ میں اس کی ترجمانی کی ہے، وہ آپ فضائل اعمال میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفصیل ظفر المحصلین ص ۳۳۰ تا ۳۳۵) آپ کا مدفن ہرات میں ہے۔

صاحب اصول بزدویؒ

فخر الاسلام ابوالعسر علی بن محمد بزدویؒ ۴۰۰ھ میں علاقہ نسف سے تقریباً ۶ فرسخ کی دوری پر "بزدہ" نامی قریہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا حافظہ ضرب المثل تھا، امام الدنیا فی الفروع والاصول کہا جاتا تھا، ایک عرصہ تک سمرقند میں فقہ و حدیث کا بے مثال درس دیتے رہے۔ البتہ

آپ کی زبان، اور قلم دونوں نہایت دقیق تھے، کلام نہایت مختصر، جامع، مگر الفاظ بہت ہی بلند و بالا اور ثقیل ہوا کرتے تھے۔ اسی بنا پر انکو ابوالعسر کہا جاتا تھا۔ اور عجیب اتفاق کہ انکے برادر مکرم کورب کریم نے بیان کا انداز و اسلوب بہت ہی سہل، سلیس اور واضح عطا فرمایا تھا۔ اس لئے ان کو لوگ ابوالیسر کہتے تھے۔ علامہ بزدوی کی وفات ۵/رجب ۴۸۲ھ میں مقام کش میں ہوئی۔ (ظفر المحصلین ص ۴۸۵ تا ۴۸۷، آپ فتوی کیسے دیں ص ۱۳۸)

علامہ تفتازانیؒ

۷۲۲ھ ـــــــ ۷۹۲ھ

۱۳۲۲ء ـــــــ ۱۳۹۰ء

مزارات کے درمیان گزرتے ہوئے علم و فضل بلاغت و منطق کے بے مثال محقق و مصنف علامہ تفتازانیؒ بھی ذہن کے دریچوں میں یاد آنے لگے۔ جن کے علمی احسانات اور فنی استفادوں سے ہر طالب علم کی گردنیں جھکی رہتی ہیں؛ کیونکہ ان کی بیس سے زائد کتابوں میں سے کم از کم دو کتاب: مختصر المعانی اور شرح عقائد داخل نصاب تو ضرور ہیں، آپ اصلاً تو تھے تفتازان کے؛ مگر جب سمرقند میں بود و باش اختیار کی، تو تیمور لنگ کے دربار میں بہت پذیرائی رہی صدر الصدور کے عہدہ پر فائز رہے، مگر ایک ایسا غم پہونچا، جسکو سہ نہ سکے، ۲۲/محرم ۷۹۲ھ بروز پیر کو جان جان آفریں کے حوالہ کردی، سرزمین سمرقند ہی میں ہزاروں خوشہ چینوں نے سپرد خاک کردیا۔ مگر آج تک اس عاجز کو یہ معمہ سمجھ میں نہ آسکا، کہ آخر کیا وجہ پیش آئی کہ قبر سے چند ماہ بعد ان کی لاش نکال کر مقام سرخس منتقل کی گئی۔ اور ہمیشہ کے لئے ان کا جسد خاکی ان کے اپنے وطن میں دوبارہ سپرد خاک کیا گیا۔ (ظفر المحصلین)

یوں تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں میں حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر ہیں، یہ وہ دو پروانۂ رسالت ہیں کہ عراق کے شہر مدائن منتقل ہو گئے، اور

دریائے دجلہ کے قریب مدفون ہوئے، مگر ۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت کو بار بار خواب میں نظر آئے، کہ میری قبر میں پانی رس رہا ہے کوئی انتظام کریں چنانچہ غور وفکر کے بعد ان دونوں حضرات کی لاش کو حضرت سلمان فارسی کے مزار کے قریب منتقل کیا گیا۔ لاش کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا واقعہ تاریخ کی پہلی مثال تھی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (جہاندیدہ: ص ۵۲۴۵۸)

شمس الائمہ حلوانیؒ

پانچویں صدی کے مشہور معروف حنفی فقیہ علامہ شمس الائمہ عبد العزیز حلوانیؒ متوفی ۴۴۸ھ

آپ کی ممتاز شخصیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ شمس الائمہ سرخسیؒ کے استاد بے مثال ہیں آپ کی چند کتابیں تھیں، مگر نایاب رہ گئیں (آپ فتوی کیسے دیں ص ۱۳۷)

قاضی بخاری علی بن حسینؒ

آپ پانچویں صدی کے نامور فقیہ وقاضی، علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ کے شاگرد خاص ہیں، اسم گرامی ابوالحسن علی بن حسین بخاری ہے، آپ کی وفات ۴۶۱ھ میں ہوئی، آپ کی نہایت عمدہ کتاب اللطف الحسان ہے (شاندار باتوں کا مختصر مجموعہ) آپ کے اقوال بہت جچے تلے ہوتے تھے، اس بنا پر فتاوی قاضی خان، اور فتاوی بزدوی میں آپ کا کثرت سے تذکرہ آتا ہے۔ (آپ فتوی کیسے دیں ص ۱۴۶)

خواہرزادہ: محمد بخاریؒ

پانچویں صدی کے ایک اور فقیہ علماء ماوراء النہر کے مشہور ومعروف اور زبردست عالم وفقیہ شیخ الاسلام محمد بن حسین بخاریؒ متوفی ۴۸۳ھ ہیں۔ آپ قاضی ابوثابت محمد بن احمد بخاری کے بھانجے تھے۔ اس لئے اہل علم کے درمیان خواہرزادہ سے مشہور ہوگئے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں مبسوط، مختصر اور تجنیس ہے، مگر سبھی نایاب ہیں۔ (آپ فتوی کیسے دیں ص: ۱۵۲)

نسف (کرش)

نسف کا سفر

علمی دنیا میں نسف کا علاقہ، بہت ہی مشہور و معروف ہے، فقہ و فتاوی، تفسیر و عقائد کے ائمہ اور فقہاء کا جمِ غفیر یہاں رہا، جن میں چند کے نام بہت ہی نمایاں ہیں، قافلۂ نقشبند سمرقند سے صبح نکلا اور قریباً بارہ بجے نسف پار کرتا ہوا، چند کلومیٹر کے فاصلے پر آبادی سے دور درختوں، پھولوں جگہ جگہ سایہ دار بینچوں سے مزین، کشادہ کومپلیکس میں پہونچا، وہاں حکومت اور میڈیا کے کچھ لوگ موجود تھے، گرم جوشی سے استقبال ہوا، اور حضرت ابو المعین کے مزار پر پہونچے، نذرانۂ عقیدت پیش کیا، مزار کے سرہانے کچھ قلمی مخطوطے بھی موجود تھے۔

حضرت میمون بن محمدؒ کے مزار پر

درسی کتابوں میں نسف کے تذکرے بار بار آتے رہے، ایک طویل سفر کر کے اس شہر میں داخل ہوئے، جس کو اب کرشی کہتے ہیں، وہاں سے قریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر، حضرت میمون بن محمد کا مرقد ہے، آپ کی ولادت ۴۱۸ھ مطابق ۱۰۲۸ء اور ایک قول کے مطابق ۴۳۸ھ مطابق ۱۰۳۸ء میں ہوئی، اور وفات ۵۰۸ھ/ ۱۱۱۴ء میں ہوئی، علم الکلام میں رب کریم نے آپ کو زبردست قدرت عطا فرمائی تھی، فرق ضالہ کی تردید کا عجیب ملکہ انہیں کو ملا تھا، معتزلہ ہو یا جہمیہ، کرامیہ ہو یا مرجیہ، روافض ہوں یا شیعہ، دلائل کی روشنی میں انکی بیخ کنی چٹکی کا کھیل تھا۔

علم عقائد میں دو نظریہ ایک اشعری، ایک ماتریدی ہے، آپ عقائد ماتریدی کے مطابق دلائل و براہین کے ذریعہ اہل حق کے عقائد کو ثابت کرتے اور عوام کی اصلاح کرتے۔

آپ کے زبردست کارناموں کا اقرار و اعتراف اہل علم نے کیا ہے؛ چنانچہ عبد القادر

کرشی نے ''الجواہر المضیہ'' میں، علامہ عبدالحئی لکھنوی نے ''الفوائد البھیہ'' میں، ابن قطلبغا نے ''تاج التراجم'' میں، علامہ کفوی نے ''کتاب اعلام الاخبار'' میں، حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں، اونچے کلمات کے ساتھ آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ کسی نے آپ کو رئیس اہل السنۃ والجماعۃ کہا، تو کسی نے سیف الحق والدین کہا، کسی نے قامع الملحدین، تو کسی نے لسان المتکلمین کہا، اور کسی نے آپ کو جامع الاصول کا خطاب دیا۔ غرض عقیدے کی حفاظت آپ کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ رہا۔

تصنیفات: ان کی تصنیفات میں سے چند تصنیفات: تبصرة الادلة فی اصول الدین، التمهید فی اصول الدین، بحر الکلام فی اصول الدین ہے۔

شاہانہ ہوٹل میں شادیانے

عقیدے کی استقامت وصلابت کی دعاؤں کے ساتھ ہم ان کے مزار سے لوٹے، کرش کی ایک ایسی ہوٹل پر پہونچے جس کا نام شاہانہ تھا، اندر داخل ہوئے تو بہت سے غیور احباب کی روح کانپ اٹھی، ذہن ودماغ ماؤف ہو گئے، کیا ہم کسی اور ہوٹل میں تو نہ آ گئے؟ ہوٹل کے کنارے چند نوخیز، خوش رنگ لڑکے چہرے مہرے سے سنجیدہ، مگر بڑے ہی مستانہ انداز میں سارنگی بجا رہے تھے، طبلوں اور میوزک کی جھنکار سے کیف وطرب کی فضا بنانے میں سرمست تھے، ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور بدن کی معمولی سرسراہٹ سے اہل ہوس پر جادو برسانا چاہتے تھے، ٹورآپریٹر کو بلا کر حسرت بھری آواز میں اظہارِ ناراضگی کی گئی، مگر وہ دست بستہ معذرت کرنے لگے کہ ہم مجبور ہیں، یہ یہاں کا کلچر ہے، ان کی نگاہوں میں مہمانوں کا ایک اعزاز ہے، حکومتی سطح پر اس کی ہمت افزائی بھی کی جاتی ہے، اور ناپسند کرنے والے معتوب سمجھے جاتے ہیں، جب ان سے یہ کہا گیا کہ ٹھیک ہے ہم لوگ بغیر خورد ونوش کے باہر نکل جاتے ہیں تو چند لمحوں کے بعد

انہوں نے بند کر دیا، وہ نوجوان بچے اس ندامت کے ساتھ باہر ہو گئے کہ ہمیں دادِ تحسین نہ ملا اور پتہ نہیں یہ کونسی مخلوق آ گئی کہ ہماری دل ربا آواز ان کو بھا نہ سکی۔

نسف کا ایک عجوبہ

کرش (نسف) کا علاقہ شہرت کے بام عروج کو اس وقت پہونچا جبکہ مقنع نامی ساحر نے ایک مصنوعی چاند بنایا، جسکے بارے میں دور دراز علاقوں میں شہرہ ہوا کہ کرش میں ایک مصنوعی چاند ہے جو رات کو ایک کنویں سے نکلتا ہے اور صبح کو اسی میں ڈوب جاتا ہے۔

(اٹلس فتوحات اسلامیہ ص ۱۶۳ ج ۱)

اس عجوبہ خبر نے دور دراز علاقہ کے لوگوں کے لیے سیر و سیاحت کا مرکز بنا دیا تھا۔ ساحرانہ چاند کی حیثیت کیا تھی، نہ دیکھنے والا کوئی ہے، نہ اب بنانے والا، بس یوں لگتا ہے یہ کوئی افسانہ ہے جو زبان پر چل پڑا تھا۔

صاحبِ عقائدِ نسفیؒ

۴۶۱ھ ـــــــ ۵۳۷ھ

۱۰۶۸ء ـــــــ ۱۱۴۲ء

عمر بن محمد نجم الدین النسفیؒ، نسف یہ وہ علاقہ ہے جسکی خاک سے نہ معلوم کیسے کیسے نامور، صاحب علم و فضل اٹھے، دنیائے علم کو اپنے علوم و فنون سے فیضیاب کیا، اخلاص وللہیت کے پیکر بنکر رب کریم کے سامنے نیاز مندی کا ہاتھ پھیلاتے رہے، رب کریم نے کس طرح ان کی علمی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازا، کہ صدیاں بیت گئیں پھر بھی ان کے نام اور کام زندہ ہیں۔ انہی پاک طینت علماء میں صاحب عقائد بھی ہیں، جن کی تصانیف ۱۰۰ کے قریب ہیں۔

جن میں بطور خاص علم کلام میں آپ کا نہایت جامع متن ہے، جن کی شرحوں میں علامہ

تفتازانیؒ کی شرح بھی ہے۔ آپ کی ولادت ۴۶۱ھ مطابق ۱۰۶۸ء میں ہوئی، اور وفات ۵۳۷ھ مطابق ۱۱۴۲ء میں ہوئی۔

منکر نکیر کو ایک عجیب جواب

خاصان خدا کا معاملہ عجیب ہوتا ہے، پوری زندگی عشق ومحبت کی بھٹی میں تپتے رہتے ہیں، زبان وقلب یاد الٰہی میں سرد وگرم رہا کرتے ہیں، عجز و نیاز مندی کی جبیں ہمیشہ جھکی رہتی ہے،، بعض تو وصل کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی مقام ناز میں کچھ اور ہی کہہ جاتے ہیں، جو محبت کی دنیا میں قابل گرفت ہونے کے بجائے پسندیدہ بن جاتے ہیں، عشق ومحبت کے قلم سے لکھی میرے حضرت کی کتاب عشق الٰہی کو دیکھئے، جس میں کن محبوبان خدا نے قبر میں سوالوں کا کیا جواب دیا، کہ فرشتے حیرت زدہ رہ گئے، حضرت علامہ نسفی سے کسی نے پوچھا کہ قبر میں کیا بنا؟ فرمایا: فرشتوں کے سوال پر میں نے کہا کہ آپ کا جواب نثر میں دوں یا نظم میں؟ فرشتے کہنے لگے چلئے نظم اور شعر میں ہی جواب دے دیجئے چناں چہ انہوں نے جواب میں کہا:

ربی اللہ لا الٰہ سواہ ونبی محمد مصطفاہ

ودینی الاسلام فعلي ذمیم واسئل اللہ عفوہ وعطاہ

(ظفر المحصلین: ص ۲۲۹)

صاحبِ کنز الدقائقؒ

——۷۱۰ھ

۱۲۴۰ء ——۱۳۱۰ء

عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، ورع واحتیاط انابت الی اللہ، اور گرم گرم آنسوؤں کے قطرے کسی بھی مصنف کی علمی خدمات کو حیات جاودانی عطا کر دیتے ہیں، علم کی دنیا میں اسے

تابندہ بنا کر علمی فیضان کو ہر سو پھیلا دیتے ہیں، ایسے ہی کمالات سے متصف صاحب کنز الدقائق ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ بھی تھے، جن کو اللہ پاک نے متن نگاری کا عجیب ذوق جمیل عطا کیا تھا۔ مختصر در مختصر لفظوں میں اصول فقہ کے مضمون کو کہہ جانے کے عادی تھے، کسی طویل حقیقت کو چند حرفوں کے ذریعے ذہن و دماغ میں جما دیتے تھے، یہ اختصار کا ذوق کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کی مایہ ناز کتاب کنز الدقائق ہے جس میں سطر دو سطر میں نہ معلوم کتنے جزئیات و تفصیلات پوشیدہ ہیں۔ فقہ و فتاویٰ پر ایسی گہری نظر تھی، کہ کمال پاشا نے آپ کو فقہاء کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ آپ کی روح، قفس عنصری سے عالم بالا کی طرف ۷۱۰ھ میں پرواز کر گئی۔

تین ہم نام نسفی شخصیت

علاقہ نسف کی طرف منسوب تین شخصیت ایسی ہیں جن کا لقب نسفی ہے اور تینوں فقہائے احناف میں شامل ہیں ان میں ایک ابو المعین ہیں، جن کا اصلی نام میمون بن محمد ہے دوسری شخصیت حضرت ابو حفص نجم الدین متوفی ۵۳۷ھ ہیں، اصل نام آپ کا عمر بن محمد ہے، علم و فضل میں بحر ناپیدا کنار تھے، آپ کا لقب مفتی الثقلین ہے، علمائے سمرقند پر آپ کی مشہور کتاب القند فی علماء سمرقند ہے العقائد ہے، اور تاریخ بخاری بھی ہے، آپ کی وفات بخارا میں ہوئی مگر مجھے مرقد کا پتہ نہ چل سکا، تیسری شخصیت ابوالبرکات حافظ النسفی ہیں، آپ کا اصل اسم گرامی عبداللہ بن احمد بن محمود ہے، آپ کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے مذکورہ تین حضرات میں سب سے زیادہ مشہور یہی نسفی ہیں۔

آپ کی مشہور کتابوں میں مدارک التنزیل، کنز الدقائق، المنار اس کی شرح کشف الأسرار، الوافی اور عمدۃ العقائد ہیں۔

ترمذ

شیر آباد۔ امام ترمذی کے مرقد پر

سمرقند سے ترمذ کا فاصلہ، قریباً ۳۱۷ کلومیٹر ہے، صبح دس بجے نکلے، نسف ہوتے ہوئے امام ترمذی کے اصل وطن اور جائے مدفن، شیر آباد شام کے وقت پہنچے، آبادی سے قدرے فاصلے پر ایک بڑا قبرستان ہے، قطار در قطار قبریں ہیں، حضرت امام ترمذی کا مقبرہ ایک نہایت حسین وخوشنما، گنبد نما عمارت میں ہے، مقبرہ تک پہونچنے کے لیے پہلے دو اور گنبد والے کمرے سے گزرنا ہوتا ہے جس میں عمدہ قالین لگی ہے، پھر تیسرا گنبد نما کشادہ کمرہ ہے، جو اندر سے نہایت عمدہ رنگ وروپ، اور سنہرے رنگ سے عجیب خوش کن منظر پیش کرتا ہے، سطح زمین سے قریباً چار فٹ بلند سنگِ مرمر کا بنا ہوا مزار ہے، بیٹھنے کے لیے دیوار سے لگ کر بینچ اور زمین پر عمدہ نرم وگداز قالین بچھے ہیں، ہم لوگ اندر پہونچے تھکے ہارے تھے، بینچ پر بیٹھ گئے تھکاوٹ بھول گئے، سرور وانبساط میں محو ہو گئے، کبھی زرق برق گنبد کو، تو کبھی ملمع در ودیوار کو، تو کبھی صاحبِ مزار کو دیکھتے رہے، ان کے سرہانے اپنے آپ کو موجود پا کر یہ کہنے پر مجبور تھے کہ

ہم کہاں اور یہ نکہتِ گل — نسیم صبح یہ تیری مہربانی

جس ذاتِ گرامی کا نام نامی بچپن سے سنا تھا جن کی عظمت وتقدس کا نقش جمیل ذہن ودماغ پر ہمیشہ چھایا رہا، آج کم از کم ان کے مرقد پر پہنچنے کا موقع تو ملا، کافی دیر اندر بیٹھے رہے، ان کی حیات پر انوار کے چند گوشے ذہن ودماغ میں آتے جاتے رہے، واپس لوٹے تو قدرے فاصلہ پر حضرت مرشد ومربی کے صاحب زادے حضرت مولانا سیف اللہ صاحب زید مجدہ تشریف فرما تھے، اور بہت سے احباب پروانوں کی طرح ان کے اردگرد جمع تھے، موصوف حضرت ترمذی کے حالاتِ زندگی ادب واحترام کی دبی دبی زبان میں ارشاد فرما رہے تھے، میں

بھی استفادے کے لیے بیٹھ گیا، کہ کچھ تو علمی گوہر ضرور مل جائیں گے، شیر آباد ایک بڑے قصبہ کی شکل میں ہے، وہاں سے قریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ترمذ شہر ہے۔

ہمارا قافلہ ترمذ شہر کے لیے روانہ ہوا، شہر ترمذ سے پہلے امام ترمذی کے کچھ حالات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

صاحبِ سنن امام ترمذیؒ

۲۷۹ھ ـــــــ ۲۰۹ھ

۸۹۲ء ـــــــ ۸۲۴ء

آپ کا اسم گرامی محمد، والد مکرم کا نام نامی، عیسیٰ بن سورہ ہے، اصلاً آبائی وطن تو ''مرو'' ہے، لیکن آباء واجداد نے شہر ترمذ میں سکونت اختیار کر لی تھی، البتہ اس شہر سے چند کیلومیٹر کے فاصلے پر، ایک گاؤں جسکو بوغ کہتے ہیں، وہیں آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی، اس لئے مقامی نسبت بوغی ہے، اور ضلعی نسبت ترمذی ہے، ستر سال کی عمر میں ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۹۷)

آپ محدثین صحاح ستہ کے چوتھے رکن رکین کہلاتے ہیں، غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے، علم وفضل، جلالت علمی، علمی کمالات زہد وتقوی، امانت ودیانت عدالت وثقاہت، خوف وخشیت اور آہ وزاری کا اعتراف کبار علماء نے کیا، سراج الہند حضرت عبد العزیزؒ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ خشیت الٰہی کی بنا پر بکثرت آہ وبکاء سے آپ نابینا ہو گئے تھے، مگر اس کی پرواہ کئے بغیر آنکھوں سے خشیت کے موتی گرتے ہی رہتے تھے۔ (بستان المحدثین: ص ۱۲۱)

قوت حافظہ کے متعلق ایک عجیب محیر العقول واقعہ علامہ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) نے تہذیب التہذیب ۹/ ۳۸۸ پر نقل کیا ہے اور حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم نے ایک دوسرا واقعہ درس ترمذی ۱/ ۱۳۳ پر نقل کیا ہے جو قابل دید ہے۔

شاگرد کے باطن کا اثر استاذ پر

شاگرد و سالک کبھی اپنے زہد و ورع، آہ و زاری، توجہ و انابت، تقوی و پرہیز گاری، خلوص وللّٰہیت سے اپنے قلب کو اسقدر محلی مصفی اور منور و روشن کر لیتا ہے کہ اسپر انوارات وتجلیات کی بارش ہونے لگتی ہے، عرش بریں سے اکتساب فیض ہونے لگتا ہے، اور وہ چلتا پھرتا انسان نما فرشتہ ہوتا ہے، اس کے باطنی فیوض دوسروں کو بھی محظوظ کئے رہتے ہیں، اور صاحب دل کو محسوس و مشاہد بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ (۱) امام ترمذیؒ اپنے ظاہری صفات، اور باطنی کمالات کی بنا پر اسقدر عروج پر تھے کہ امام بخاریؒ جیسا جبل علم امام ترمذی کے حصول علم کے دوران یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

ما انتفعتُ بک اکثر مما انتفعتَ بی،،

کہ جتنا تم نے مجھ سے استفادہ کیا ہے اس سے زیادہ میں نے استفادہ کیا۔

(۲) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد خاص قاری عبد الرحمٰن پانی پاتیؒ، شاہ صاحب کے نواسے حضرت شاہ اسحاقؒ کے پاس علمی تشنگی بجھانے کیلئے حاضر ہونے لگے، ایک موقعہ پر حضرت شاہ اسحاقؒ نے آپ کے بارے میں طلباء سے فرمایا کہ علوم نبوت تو میں ان کو دیتا ہوں مگر نور نبوت میں ان سے حاصل کرتا ہوں۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ حرمین تشریف لے گئے، چودہ ماہ قیام فرمایا، بہت سے محدثین، اور علماء کبار سے اکتساب علم کیا، مگر ان میں بطور خاص شیخ ابو طاہر کردیؒ سے زیادہ مستفید ہوئے، انہوں نے آپ کو سند حدیث بھی عطا کی، اور چاروں سلاسل کی اجازت عطا کرتے ہوئے خرقہ خلافت بھی اپنے دست مبارک سے پہنایا۔ اتنے بڑے محدث، آپ کے باطنی علوم و کیفیات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے، ولی اللہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں، اور معنی کی سند میں ان سے لیتا ہوں۔ (ظفر المحصلین ص ۵۵)

شہر ترمذ کی دل کشی

ترمذ شہر حسین و خوشنما عمارتوں، صاف شفاف سڑکوں، فوج کی طرح سربستہ کھڑے درختوں، اور رنگ برنگ قمقموں، خاموش و نرم خو انسانوں کا ایک خوش گوار شہر ہے، آپ سڑکوں پہ نکلیں، گلیوں میں چلیں، تو نرم نرم فضا سے ذہن و دماغ پر بہار ہو جائے، طرب و سرور کا کیف محسوس ہونے لگے، نہ گاڑیوں کی سیٹی، نہ ہجوم کا شور و شغف، نہ بازاروں میں چوں چرا؛ سلیقہ مندی، تہذیب و شائستگی اور متانت و سنجیدگی کا عجیب منظر نظر آئے گا، ہاں افسوس، غم اور حسرت ہوگی اور ہونی چاہیے تو اس پر، کہ پورے شہر میں شاید کسی کے چہرے پر سنت سجی ہو، یا کسی خاتون کے جسم پر کم از کم نصف نقاب ہی ہو، لباس، وضع قطع، بود و باش اور بے محابہ مخلوط طریقۂ کار میں رشیا کے دوش بدوش نظر آئیں گے، اور اکثر و بیشتر کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہوگا، کہ دین اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اور میرا اللہ اس کو پسند نہیں کرتا۔

شہر ترمذ بخارا سے ۴۳۷ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جب کہ تاشقند سے ۶۸۵ کلومیٹر پر ہے۔

حکیم ترمذیؒ کے دربار میں

ترمذ شہر سے کچھ دس کلومیٹر کے فاصلے پر، حکیم ترمذی کا میوزیم، ان کی خلوت گاہ، مسجد اور مزار ہے، اس مقام کو سلطان آباد کہتے ہیں، لیکن اردگرد، اب کوئی آبادی نہیں، مین روڈ سے قریباً ایک کلومیٹر اندر، نہایت عمدہ سڑک، دونوں جانب ہرے بھرے پتوں سے لدے، سڈول درختوں کی قطاریں ہیں، پھر قلعہ نما دروازہ ہے، اس کے بعد نہایت وسیع کشادہ پارک ہے، جو خوشنما درختوں، سرسبز گھاس اور گلاب و چنبیلی کے پھولوں سے ہر آنے والے کا استقبال کرتا ہے، اس پارک کی پر کیف فضا سے آگے بڑھئے، اور حکیم ترمذی کی خلوت گاہ و مزار کی طرف قدم بڑھایئے تو آپ بہت سے دیدہ زیب و دل فریب گلدستوں کو بھول جائیں گے جیسے جیسے آپ

آگے کو بڑھیں گے تو راستہ کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے پھولوں کی چار قطاریں، نرم ونازک پودے اور پتے، خوشبو بکھیرتے ہوئے، آپ کے ساتھ مزار تک چلتے نظر آئیں گے، نیز جگہ جگہ قدرے فاصلہ پر، سفید وشفاف گول بلب لٹک رہے ہیں، جیسے اس کی سفید روشنی، سیاہ اندھیروں سے مقابلہ کے لیے تیار ہو، جب کہ اس میں دیدہ زیب اسپیکر فٹ ہے، جس سے دھیمی دھیمی میٹھی میٹھی دل آویز تلاوت کی آواز آتی سنائی دے گی، اس طرح یہ منظر نہایت پر کیف اور دلکش نظر آتا رہا کہ آنکھوں کے سامنے رنگین پھول پودے، اور کانوں میں سریلی تلاوت کی آواز۔

مزار پہ حاضری

اس پر کیف پر بہار فضا میں سرور ونشاط کے ساتھ ہم چلتے رہے، اُس بلند وبالا دروازہ پر پہونچے جس کے اندر ایک نورانی مسجد بھی ہے اور مسجد کی جانب جنوب میں پانچ فٹ بلند چبوترہ ہے، اس چبوترے پر کم از کم چار فٹ بلند قبر ہے، تھوڑی دیر کھڑے پڑھتے رہے، پھر مسجد میں بیٹھے بیٹھے آپ کے مجاہدے، کارنامے سوچتے رہے، باہر نکلے تو وہ جگہ نظر آئی، جہاں آپ نے چلہ کشی کی تھی، پتہ چلا کہ اس درگاہ کے پیچھے آدھ کلومیٹر فاصلے سے، دریائے جیحون ہے، میں نے اس طرف جانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر اس کومپلیکس کے نگراں نے کہا، چوں کہ دریائے جیحون کے اس پار افغانستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، تو اتنے بڑے قافلے کے ساتھ، اس کے کنارے جانا ان کو تشویش میں مبتلا کرنا ہے، اس لیے ہم بے بس ہو کر بس میں آ کر بیٹھ گئے، جب بس چلی تو حسن اتفاق کہ چند منٹ تک دریائے جیحون نظر آتا رہا، اس طرح قریب نہ سہی، دور سے نظارہ کا موقع سب کو مل گیا۔

گروہِ صوفیا کے سرخیل حکیم ترمذیؒ

۸۲۰ء ـــــــ ۹۰۵ء

حکیم ترمذیؒ کی ولادت: ۲۳۳ سے ۲۴۳ھ کے درمیان میں ترمذ شہر میں ہوئی آپ کا

اسم گرامی ابوعبداللہ محمد ابن علی ہے، اپنے والدِ گرامی اور دیگر مشائخ مثلاً صالح بن عبداللہ ترمذی، یعقوب دارمی سے شرف تلمذ حاصل کیا، حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی صحبت سے فیض یافتہ تھے، زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت ذکر و مجاہدہ، اور تلاوت و اشغال میں گزرتا، خلق خدا کو نفع رسانی کا سلسلہ بھی تھا ختم الاولیاء، نوادر الاصول، الریاضۃ وادب النفس نامی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں، آپ کا سن وفات ۲۱ صفر ۲۵۵ھ لکھا ہوا ہے۔

ہم نام چند شخصیات

بعض لوگ امام ترمذی اور حکیم ترمذی کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں، حالاں کہ دو الگ الگ شخصیت ہیں، امام ترمذی کی ولادت ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۹ھ میں ہوتی ہے، جب کہ ان کی ولادت ۱۳۳ یا ۱۴۳ کے درمیان اور وفات ۲۵۵ھ میں ہوتی ہے، دونوں حضرات کا مولد و مسکن اور مدفن بھی الگ الگ ہے۔

اسی طرح کا اشتباہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت شیخ عبدالحق مفسر دہلوی کے نام میں ہوتا ہے، حالانکہ دونوں بزرگ الگ الگ ہیں، حضرت شیخ عبدالحق کی ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء اور وفات ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء میں ہوتی ہے، جبکہ مفسر قرآن شیخ عبدالحق حقانی کی ولادت ۷ رجب ۱۲۶۵ھ اور وفات ۱۲ رجمادی الاولی ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں ہوتی ہے۔

اسی طرح ابن اثیر جزری نام کے بھی تین بزرگ ہیں، مگر اکثر اہل علم کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔

کتابِ حدیث نوادر الاصول

فن حدیث میں لکھی گئی کتاب، کتابِ حدیث مشہور و معروف ہے، دوسری صدی سے لے کر پانچویں صدی تک لکھی جانے والی کتب احادیث کو محدثین نے مختلف طبقات و درجات میں تقسیم کیا ہے اور ایک طبقہ ہے کتاب الضعاف کا، یعنی وہ کتابِ حدیث جس میں زیادہ احادیثِ ضعیفہ ہیں انہیں میں نوادر الاصول کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

ملفوظات: دوائے درد محبت

حکیم ترمذیؒ: آپ کی حکیمانہ اور پر کشش زندگی نے ہزاروں دلوں کو بدل دیا اگر کچھ لوگ دوائے مرض لینے آتے تو زیادہ تر لوگ دوائے درد محبت لینے آتے، ہر ایک کے دل کا برتن درد محبت سے بھر جاتا، اور قلبی شفا سے مالا مال ہوتا، ان کے مزار پر کافی دیر رہنے کا موقعہ ملا، ان کے پر کشش اور پر زیب احاطہ کے منظر کو لکھنے کے درمیان خیال آیا کہ ان کے قیمتی ملفوظات بھی نظر نواز ہونا چاہئے، چند پیش خدمت ہیں۔

- ان کے قیمتی ملفوظات میں سے ایک اہم ملفوظ یہ ہے کہ عقلمند تو وہ شخص جس کے دل میں اللہ کی خشیت ہو، دل میں تقوی کا سرمایہ ہو، اور اپنے آپ کا محاسبہ کرتا ہو۔

سالکین کو کیا عمدہ نصیحت فرمائی کہ اس ذات کا مراقبہ رکھئے جس کی نظر سے آپ کبھی غائب نہیں، اور اس ذات کا شکر ادا کیجئے جس کی نعمتیں آپ سے کبھی ختم نہیں ہوتیں اور خشوع خضوع اور خشیت وانابت، اس ذات سے رکھئے جس کی قدرت وسلطنت سے آپ باہر نہیں ہے۔

- خوف وخشیت اور تقوی کا فائدہ بیان فرمایا: کہ قلب کی مضبوطی، پختگی اور اعمال قلب پر استقامت مکمل خوف وخشیت سے ہی حاصل ہوسکتی ہے، اور نفس کی درستگی کا مدار کامل تقوی و طہارت پر ہے۔ (طبقات الصوفیا: ۲۱۹)

- دنیا کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی، کہ دنیا بادشاہوں کے لئے دلہن کی طرح ہے، کہ اسی کے عیش وعشرت میں وہ گم رہتے ہیں، اور زیب وزینت اختیار کرتے ہیں، جب کہ زاہدوں اور سالکوں کے لئے آئینہ کی طرح ہے، کہ آئینہ میں آفت ومصیبت کو دیکھ کر دل کو دنیا سے بچائے رکھتے ہیں۔

- پانچ قسم کے انسانوں کی اصلاح پانچ چیزوں پر مبنی ہے، بچوں کی اصلاح اساتذہ کی نگرانی میں، عورتوں کی اصلاح گھروں میں، جوانوں کی اصلاح علم سے، بوڑھوں کی اصلاح مسجدوں میں، اور چور ڈاکوؤں کی اصلاح قید خانہ میں ہوتی ہے۔

دریائے جیحون کا نظارہ

مدتوں سے جن چار دریا کا نام، حدیث پاک میں پڑھا تھا، آج ان میں سے ایک دریا

آنکھوں کے سامنے ہے، معمولی لہروں کے ساتھ بہتے ہوئے، دریائے جیحون کو دیکھ کر، حدیث بخاری یاد آئی، کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے، اور سدرۃ المنتہی پر پہونچے۔ تو اس کی جڑ میں دو دریا کھلے ہوئے، اور دو دریا چھپے ہوئے دیکھا، حضرت جبرئیلؑ سے سوال فرمایا، انہوں نے جواباً کہا یہ کھلے دو دریا: نیل اور دریائے فرات ہیں، البتہ چھپے ہوئے اور پوشیدہ دو دریا کی صراحت حدیث میں مذکور نہیں، حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) نے ایک قول کے مطابق دریائے سلسبیل، اور دوسرا حوض کوثر کو قرار دیا ہے۔

(حاشیہ بخاری شریف: حدیث ۳۸۸۷ فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۱)

(۱) اسی مناسبت سے مسلم شریف کی روایت بھی ذہن میں گردش کرنے لگی، چنانچہ مسلم شریف میں دریائے جیحون اور سیحون کا تذکرہ بھی ہے، روایت ہے: **سیحان، جیحان و الفرات والنیل کل من انہار الجنۃ** کہ سیحون، جیحون، فرات اور نیل یہ سب جنت کی نہریں ہیں۔

(۲) حدیث پاک میں ان چاروں کا تذکرہ ہونا ہی اس کی اہمیت، اور امتیازی شان کے لئے کافی ہے نیز ان کو جنتی نہریں کہنا یہ اسکی اہمیت کو مزید دوبالا کرتا ہے۔

اب جنتی نہروں سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں شارحین حدیث نے کئی اقوال نقل کئے ہیں، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہی ہے، کہ ان چاروں کا منبع اور سرچشمہ جنت کا کوئی دریا ہے، جس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، رہ گئی یہ بات کہ ان دریاؤں کا سرا جنتی نہر کے سرے سے کس طرح ملا ہوا اور مربوط ہے، انسانی عقل اس کا ادراک اگر نہ کر سکے، تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے، کتنی ایسی چیزیں ہیں، جن کی تہ تک انسان نہ پہونچ سکا، تو کونسا نقصان ہو گیا، اور اس کا سراغ نہ مل سکا تو ہمارے عقیدہ و عمل میں کیا فرق پڑا؟ ایسے ہی موقعہ پر علامہ انوار شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے، جن چیزوں سے نہ تو عقیدہ کا تعلق ہے، نہ عمل کا، اس کی تہہ میں پڑنا بلا وجہ کی دردسری ہے۔

جیحون کو آج کل ایک نئے نام ''آمو'' کہا جاتا ہے، ۲۶۲۰ کیلومیٹر طویل یہ دریا ہے،

جوتاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان اور افغانستان کی سرحد سے گزرتا ہے، اور بحیرۂ ارال میں جا گرتا ہے، ترمذ اور خوارزم (خیوم) اسی دریا کے کنارے واقع ہیں (اٹلس فتوحات اسلامیہ ص ۱۶۰)

پانی کی روانی قدرت کی نشانی

حکیم ترمذیؒ کے مزار و خانقاہ کے تھوڑے فاصلے پر، دریائے جیحون بہتا ہے، دریا کے کچھ فاصلہ سے ہماری بس گزرتی رہی، اور ذہن و دماغ، سمندر، دریا، اور پانی کے بارے میں معلومات تلاش کرتا رہا۔ خیال آیا کہ اس کائنات کے بننے سے پہلے دنیا میں پانی ہی پانی تھا، اور آسمان و زمین، سورج و چاند، درخت و پہاڑ کی تخلیق سے پہلے پانی کی تخلیق ہوئی کہ زمینی ہر مخلوق کی ایجاد و بقاء میں پانی کا عنصر بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور شامل ہے۔

پھر خیال آیا، پانی قدرت الٰہی کی عجیب نشانی ہے، دنیا کے ۷۱ فیصد حصہ میں ہے۔ جو پانچ سمندروں کی شکل میں محیط اور پھیلا ہوا ہے، اور خشکی کا ۲۹٪ واں حصہ ہے، اس میں بھی پانی نے اپنا سٹور، دریا، نہر، نالہ، تالاب، جھیل، چشمہ، کنویں، اور ڈیم کی شکل میں کر رکھا ہے۔ اور قدرت ربانی کی یہ بھی عجیب نشانی ہے کہ پانی بھاپ بنکر اڑتا ہے، اور بادل کے دوش و کندھے پر سوار ہوکر دور و دراز کا سفر کر کے خشک علاقہ میں برس جاتا ہے۔

فلائٹ جب موٹے موٹے، کالے کلوٹے بادلوں کو چیرتے ہوئے گزرتا ہے، تو معمولی سا ہچکولا محسوس ہوتا ہے، اس وقت خیال آتا ہے، میرے پیارے اللہ، کیا عجیب ہے تیری قدرت! فلائٹ اس کے سینہ کو چاک کر کے گزر گیا مگر پانی کا کوئی ایک قطرہ نہ نکلا، مگر جب تیرا حکم ہوتا ہے تو یہی بادل اپنا دہانہ کھول کر پورے علاقہ کو جل تھل بنا دیتا ہے۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

عذاب کا سمندر

بحر میت: دریائے جیحون کی مناسبت سے میرے ذہن کے پردوں پر یہ مضمون بھی گزرا کہ اگر پانی نہ ملے، تو انسان دم توڑ دے، مگر یہی پانی ہے جس نے کتنی بستیوں شہروں کو زیر

وزبر کردیا ہے، جیتی جاگتی قوموں کے نشانات مٹادئے ہیں، ایسی عبرت آمیز داستان تو بہت ہیں؛ تاہم ایک عبرت گاہ کا تذکرہ ملاحظہ فرمایئے، کہ اردون جسکو اب جورڈن کہتے ہیں، وہاں ایک دریائی علاقہ ہے جسکو ''بحرمیت'' کہا جاتا ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ وہی جگہ ہے، جہاں قوم لوط آباد تھی، جو ہم جنسی کا شکار تھی، خدا کی پکڑ آئی فرشتۂ عذاب اس پورے خطہ کو، اپنی تھیلی پر اٹھا کر آسمان کی بلندی پر لے جا کر، زمین پر دے مارا، سب کے پرخچے اڑ گئے، ہلاکت وتباہی ایسی ہوئی، کہ رہتی دنیا کے لئے نشان عبرت بن گئے، وہ زمین ایسی دھنسی کہ آج پوری دنیا کے سطح سمندر سے سب سے زیادہ نشیبی اور نچلی اگر کوئی جگہ ہے، تو وہ ہی علاقہ ہے، کہتے ہیں تیرہ سو فٹ سطح سمندر سے نیچے ہے، اب وہ گہری زمیں ایک سمندر کی طرح ہے، جسکے متعلق حضرت تقی عثمانی دامت برکاتہم جہاں دیدہ میں رقمطراز ہیں کہ بحرمیت ۵۰ رمیل لمبا، اور گیارہ میل چوڑا ہے اس کی سطح کا کل رقبہ ۳۵۱ رمربع میل ہے گہرائی تیرا سو فٹ ہے اس کا پانی عجیب ہے۔

عام طور پر پانی میں ۴ رسے ۶ رفیصد تک نمکینیات ہوتے ہیں جبکہ اس میں ۲۳ رسے ۲۵ فیصد نمکینیات، نیز اس میں کوئی بھی دریائی جانور زندہ نہیں رہتا۔ (ملخص ص ۲۰۷۔ ۲۱۲ جہان دیدہ)

چاروں سلسلے جنت کی چار نہروں کی طرح

عرب وعجم کے مشہور مفکر اسلام، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (۱۴۲۰/۱۹۹۹) کی ایک کتاب ''صحبتے با اہل دل'' یاد آئی، جو حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اس میں جنت کی چاروں نہروں کا تذکرہ، ان الفاظ میں ہے: **فیھا انھار من ماء غیر آسن، وانھار من لبن لم یتغیر طعمہ، وانھار من خمر لذۃ للشاربین وانھار من عسل مصفی۔**

جنت میں کچھ نہریں ایسے پانی کی ہیں، جو سڑتا بگڑتا نہیں، اور کچھ نہریں ایسے دودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا، اور کچھ نہریں ایسی شراب کی ہیں جن میں پینے والوں کے لئے

لذت اور سرور ہے، اور کچھ نہریں خالص شہد کی ہیں۔

قرآن کی کئی ایسی آیات ہیں جن کا ظاہر مفہوم کچھ اور ہے، اور اہل معرفت کے یہاں کچھ اور، اور اس کی عکاسی **انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة منها ظهر و بطن و لکل حد مطلع** (مشکوۃ ص ۳۵) سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت یعقوب مجددیؒ فرماتے، کہ حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ (۱۲۷۷ / ۱۸۶۰) نے انہار اربعہ میں چاروں سلاسل کی الگ الگ نسبتوں، اور ان کے جداگانہ رنگ کو، جنت کی چاروں نہروں سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ فرماتے تھے: نہ بگڑنے والا پانی ''یہ نسبت سہروردیہ ہے'' اور جس پانی کا ذائقہ نہ بدلے بلکہ یکساں ذائقہ دودھ کی نہر کی طرح ہو ''یہ نسبت نقشبندیہ ہے'' اور شراب کی نہر جس میں لذت، وسرور اور کیف ونشاط ہے، ''وہ نسبت چشتیہ ہے'' اور صاف شفاف نہر نسبت قادریہ ہے۔ (ص ۸۰ صحبتے با اہل دل)

دیناؤں کا خوش گوار سفر

حکیم ترمذیؒ کے روحانی، عرفانی اور پھول بوٹوں سے لدے ہوئے خوشنما صحن سے باہر نکلے، سڑک کے دونوں کنارے صف بستہ، اونچے اونچے دیدہ زیب درختوں کے درمیان بس گزرنے لگی، دریائے جیحون کا نظارہ بس سے بار بار ہوتا رہا، پانچ چھ گھنٹے کا سفر کرتے ہوئے دیناؤ (چغانیان) پہنچنا تھا، راستے میں ایک عالی شان مسجد میں نمازِ ظہر ادا کی گئی، جس کے امام چہرے کی سنت سے خالی تھے، اپنے کلین شیو چہرے پر ہاتھ پھیرتے تھے، البتہ چہرے پر صافہ ضرور تھا۔

حضرت علاء الدین عطار کے دربار میں

مغرب بعد دیناؤ پہنچے، مقبرہ تک پہنچنے میں نہ تو روشنی کا معقول نظم تھا، نہ ہی راستہ ہموار اور نہ ہی دیگر مزارات کی طرح دل کش ودل فریب احاطہ، اور نہ ہی جاذبیت کا کوئی انداز، ایک

سناٹا تھا، اندھیرا تھا، اور شہرِ خموشاں، جس میں علم و معرفت، شریعت و طریقت، اسرار و حکم اور ولایت کی نسبت کا امام شیخ کامل خواجہ علاؤ الدین عطارؒ پیوندِ خاک ہیں، قافلہ ان کے مرقد تک پہنچا، والہانہ انداز میں ایصالِ ثواب ہوا، دل ہی دل میں ان کے روحانی کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ہم وہاں سے لوٹے۔

خواجہ علاؤ الدین عطارؒ

——— ۲۰ رجب ۸۰۲

خواجہ علاؤ الدینؒ کی جلالتِ شان اور عظمت و مرتب کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کی نظرِ عنایت اور باطنی تصرفات و توجہ، ان پر لڑکپن سے ہی شروع ہو گئی تھی، روحانی تربیت اور عرفانی فیض، ابتدائے جوانی سے ہی ان کے دلوں تک پہنچانے لگے تھے، ان کے حسنِ سیرت اور حسنِ کردار کے پیشِ نظر، حضرتِ نقشبند نے اپنی دامادی سے بھی شرف بخشا، راہِ سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے، اور باطنی کمالات سے بھر پور فیضیاب ہونے کی بنا پر آپ نے بھری جوانی میں خلافت سے سرفراز فرمایا، اور اپنی حیات میں ہی مریدوں کی تعلیم و تلقین ان کے حوالے کر دی۔

حضرت جرجانیؒ کی عقیدت

ان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس سے بھی لگائیں کہ علامہ سید شریف جرجانیؒ م: ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء، جو خود علوم عقلیہ نقلیہ کے بے مثال امام تھے، جن کی کتابیں، درسگاہوں میں سند کا درجہ رکھتی ہیں، علامہ جرجانی ان کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے، قلب و جگر کو فیض سے گرماتے، روح و قلب کو مجلی اور مصفی کرتے، ان کا اقرار و اعتراف سنئے، اور اس بات کو باور بھی کر جایئے کہ کتابی علم کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی سے اپنے دامنِ دل کو جوڑنا کس حد تک ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں **واللہ ماعرفت الحق سبحانہ وتعالی کما ینبغی مالم اصل الی خدمتہ**

العطار البخاری، گویا اس بات کا یقین تھا کہ معرفتِ الٰہی، عرفانِ ربانی مجھے اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکی جب تک میں ان کے دربار میں حاضر نہ ہوسکا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دل کی دولت پانے کے لیے اپنا دامن دل کسی اہل دل سے جوڑنا پڑے گا، کسی بندۂ خدا نے کیا عجیب کہا ہے:

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کردے　　یہ آگ لگتی نہیں لگائی جاتی ہے

عطر آمیز روحانی باتیں

خواجہ علاء الدین عطارؒ بخارا اور سمرقند سے دور دراز علاقے میں گروہِ اولیا سے الگ تھلگ آسودۂ خاک اور غریق رحمت ہیں، حضرت خواجہ علاء الدینؒ کی زبان کو قدرت نے علم و حکمت کا چشمہ بنا دیا تھا ان کے حالاتِ زندگی کو پڑھتے اور لکھتے ہوئے حاشیۂ خیال میں یہ بات بار بار آتی جاتی رہی کہ ان کی عطر آمیز باتیں بھی گوشِ گزار کریں، تاکہ دلوں میں نشاط و انشراح پیدا ہو، روح میں تازگی اور جلا حاصل ہو، تو آیئے خوشبوؤں سے تر بتر ان کے ملفوظات بھی نظر نواز کرتے ہیں۔

- صحبت شیخ کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت کا دوام، عقل معاد کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، نیز صحبت سنت مؤکدہ ہے ہر روز یا ایک روز کے فاصلے سے اولیاء کی صحبت میں رہنا چاہئے، اور اگر ظاہراً دوری کا اتفاق ہو تو ماہانہ ہر دوسرے مہینہ اپنے ظاہری اور باطنی حالات کو خط کے ذریعہ عرض کیا کرے۔
- فرمایا: نفی و اثبات کے بالمقابل مراقبہ کرنا مقام جذبہ کے لئے اقرب ہے، اور مراقبہ سے مقام نورانیت اور ملک و ملکوت کے تصرف میں پہنچ سکتے ہیں، مراقبہ کی قوت سے دائمی جمعیت قلب حاصل ہوتی ہے، اور قلوب میں قبولیت پیدا ہوتی ہے۔
- اولیائے کرام کی قبروں کی زیارت کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کے توسط سے اللہ کی طرف توجہ قائم ہوجائے، لہٰذا ان کی ارواح کو صرف کمال توجہ کا وسیلہ بنائے۔
- مخلوق کے ساتھ بھی با اخلاق رہے، اور تصنع سے اپنے آپ کی حفاظت کرے۔
- تمام کاموں میں احتیاط و عزیمت پر عمل کرو، اور بزرگوں کی صحبت پر جو سنت مؤکدہ ہے ہمیشگی کرو۔ (انوار العارفین: ۲/ ۴۰ تا ۴۱)

تاشقند ایک دلِ ارجمند

ترمذ سے تاشقند

ترمذ شہر کی عقیدت و محبت، اور اس کی تعمیراتی دل کشی کا نقش لیے ہوئے، بذریعہ جہاز تاشقند کے لیے روانہ ہوئے، ترمذ سے تاشقند ۶۸۵ کیلومیٹر کی مسافت پر ہے، ڈومسٹک جہاز سے روانہ ہوئے، دیکھتے دیکھتے تاشقند کے گنبد و منارے اونچی عمارتیں، سرسبز شاداب پتوں سے لدے درخت نظر آنے لگے، تھوڑی دیر میں تاشقند اتر گئے۔

سمرقند کے مفتی صاحب سے تبادلۂ خیال

یہ وہی تاشقند ہے، جس کو زمانۂ قدیم میں شاش کہا جاتا تھا، یہ شہر نہایت خوش نما، دل فریب اور سیاحوں کی دل چسپی کا شہر ہے، سمرقند کے استاذ مفتی ایوب صاحب کے بقول: اس وقت یہ شہر ۱۵۰ مساجد سے مزین تو ہے، مگر مکاتب برائے نام بھی نہیں، حکومت کی زیادہ تر توجہ سیر و سیاحت کی دل چسپی سے وابستہ ہے، سرسبز شادابی، تزئین کاری، اور عمارتوں کی مینا کاری میں ملکی خزانے کا دہانہ کھلا ہوا ہے، اہل ہوس کے لیے، سیاحتی دل چسپی کو بڑھانے، نفس پرست کے دلوں کو لبھانے اور آزاد طبع کو للچانے کی، وہ تمام چیزیں روا رکھی گئی ہیں، جو ایک مسلم مملکت کے لیے افسوس ناک، بلکہ شرم ناک ہے، شراب نوشی کی کھلی آزادی، خنزیری گوشت کی عام اجازت، بے حجابی، بے ستری اور یورپی لباس کی پذیرائی، نوخیز خواتین کو دفتر و مارکیٹ میں ملازمت اور مرد و زن کے بے محابہ اختلاط نے، دین و شریعت سے اس ملک کو بہت دور کر دیا ہے، ظاہری وضع قطع تو دور کی بات، فکر و نظر کو بھی بدل دیا ہے، روح شریعت اور مزاج شریعت تو الگ رہے، اسلامی تعلیم کا بڑے پیمانے پر کوئی معقول نظم تک نہیں (الا ماشاء اللہ) جس کے نتیجے میں نوخیز اور نونہال بچے اسلامی عقائد سے نابلد، اور ناواقف ہیں، اعمال شریعت کی نہ کوئی اہمیت

ہے، نہ کوئی اسپریٹ، بے دینی اور بے فکری کا ماحول ہے، جبکہ حکومت یورپ سے شانہ بشانہ چلنے کو ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ فیاللعجب

کچھ تو زندہ دل ہیں ابھی

البتہ کچھ حساس دل، غیرت مند دل، زندہ دل، قومی اسلامی حمیت رکھنے والے اہل دل حضرات ہیں، جو دانش مندی، دور اندیشی، اور حکمتِ عملی کے ساتھ کوشش میں لگے ہیں، اسلامی تعلیم و تربیت اور مکتبی نظام کو عام کرنے میں بہت ہی فکر مند اور کوشاں ہیں، تاہم ملکی نزاکت کے پیشِ نظر ابھی پورے طور پر کامیاب ہونے میں دس سال کا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔

الوداعی پروگرام

نمازِ ظہر ازبکستان کے سابق مفتی اعظم: شیخ محمد صادق محمد یوسف (۲۰۱۵ء) کی مسجد میں ادا کی گئی، اس سے متصل ہال میں ٹور آرگینائزیشن کی طرف سے الوداعی تقریب رکھی گئی، سب سے پہلے مفتی اعظم کے کارناموں، علمی فکری وسعتوں، مجاہدانہ کوششوں اور ان کی قومی، ملی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا، اس کے بعد قافلۂ نقشبند کے کئی مندوبین نے اپنے جذبات کا اپنی اپنی الگ زبان میں، اظہار کیا، قافلۂ ہند کی طرف سے فصیح و بلیغ الفاظ اور پر کشش اثر آمیز انداز اور شیریں عربی زبان میں، حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب زید مجدہم (خلیفۂ اجل حضرت، شیخ طریقت، محبوب العلماء والصلحاء پیر ذوالفقار احمد اطال اللہ بقاءہ) نے کلماتِ تشکر اس انداز میں پیش فرمایا کہ سامعین محظوظ و مسحور ہوئے بغیر نہ رہ پائے، اہل عرب بھی زبان کی سلاست و حلاوت پر محوِ حیرت رہے۔

نور کے محل میں

اس کے بعد کسی اور ہوٹل میں ظہرانہ ہوا، پھر بعد مغرب اس کو مپلیکس کی طرف رواں دواں ہوئے جس کی طرف صبح سے ہر ایک کا دل کھینچا کھینچا جا رہا تھا، ہر ایک کی آنکھیں بے تاب

تھیں، اور ہر ایک کا دل تمنائے دید بنا ہوا تھا، چناں چہ ''حضرت الامام کومپلیکس'' کے پاس پہنچے اور بصد ادب و احترام، عقیدت کے قدموں چلتے ہوئے، اس پرنور بارحمت ہال میں پہنچے، جہاں اسلام اور قرآن کا معجزہ، مصحف حضرت عثمان غنی کے دور کا قلمی نسخہ: مصحفِ عثمانی کے نام سے محفوظ ہے۔

مصحف عثمانی کی زیارت

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کریم کے پانچ نسخے تیار کرائے، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، اور دمشق روانہ فرمایا اور ایک نسخہ اپنے پاس مدینہ منورہ میں رکھا، مشہور ہے کہ جو نسخہ آپ کے پاس تھا وہی نسخہ اس وقت تاشقند کے میوزم میں ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

پہلی صدی میں یہ مصحف سمرقند پہونچا، ایک تاریخی روایت کی مطابق وہ نسخہ دمشق میں تھا، جب تیمور لنگ نے دمشق پر قبضہ کیا، تو وہاں سے سمرقند لے آیا، جو اس پورے علاقہ کے لیے سرمایۂ فخر بن گیا، مگر سوء اتفاق کہ ۱۸۶۹ میں روس کے صدر نے جبراً لے لیا اور روس کے شہر ماسکو میں پیٹرلیس برگ لائبریری میں محفوظ کر دیا، وہاں کے غیور مسلمان ہمیشہ اس پر حسرت زدہ رہے، اور ماسکو سے مطالبہ کرتے رہے جب ۱۹۱۷ میں، روس کا گھمنڈ ٹوٹا اور روس کا اشتراکی نظام درہم برہم ہوا، تو مسلمانوں کا ایک قیمتی وفد وہاں کے صدر لینن کے پاس پہونچا، ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو اس نے واپسی کا حکم جاری کیا، چنانچہ ۱۹۲۳ء تک اسے شہر اوفہ میں رکھا گیا پھر پورے تزک و احتشام کے ساتھ سمرقند لایا گیا، شہر کی جامع مسجد، مسجد احرار میں رکھا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۴۳ء میں تاشقند میں ایک میوزیم مصحف کے نام سے بنایا گیا، جس میں چند کمرے ہیں، نہایت ہی عظمت کے ساتھ وہ مصحف رکھا ہوا ہے، جس کے شروع کے چند صفحات گم ہو چکے ہیں، ہرن کی جھلی پر نہایت جلی قلم سے وہ لکھا ہوا ہے، ۱۴۰۰ سال گزر جانے کے بعد بھی کاغذ کا رنگ اسی خوش نمائی کے ساتھ باقی ہے، جو معجزہ سے کم نہیں، آیات قرآنی قدیم خط میں ہیں، جس پر نہ کہیں کوئی نقطہ ہے، نہ اعراب، بغور دیکھنے سے اور سیاق و سباق ملانے کے

بعد ہی آپ پڑھ سکتے ہیں، جب اس دور میں پوری روانی کے ساتھ اہل عرب پڑھا کرتے تھے، ہمیں الحمد للہ اس مصحفِ عثمانی کی دید اور زیارت کا بہترین موقع ملا، دوسرے کمروں میں بھی بہت سے مخطوطہ قرآن کریم ہیں، جو مسلمانوں کے والہانہ عشق ومحبت کی داستان سناتے ہیں۔

علامہ قفال شاشی کی چوکھٹ تک

مصحف عثمانی کی دید وزیارت اور مشاہدے کے بعد، تھوڑے فاصلے پر اس عمارت کی طرف بڑھے جو گنبد نما تو ہے، مگر زیادہ دیدہ زیب نہیں، اسی عمارت میں اصول الشاشی کے مصنف علامہ ابوعلی احمد بن محمد م: ۳۴۴ھ قفال شاشی مدفون ہیں، وہاں تک ہم پہنچے رات ہو چکی تھی، دروازہ بند ہو چکا تھا، اس لئے بہت حسرت کے ساتھ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر ان کے لئے ایصال ثواب کیا، مگر یہ صدمہ رہا کہ ہم ان کے مرقد تک نہیں پہنچ سکے۔

آپ نے اصول الشاشی نام کی کتاب لکھی، اخلاص وللّٰہیت کی انتہا اور نام ونمود سے بچنے کی بے پناہ فکر کی بنا پر، آپ نے اپنی اہم کتاب کے شروع میں اپنا نام بھی نہیں لکھا، اب تک ان کا نام پردۂ خفا میں ہے، شارحین اور بعض مورخین ان کا نام قرائن کی بنا پر لکھتے ہیں، ان کے اخلاص اور للّٰہیت کی کی علامت ہے کہ آج تک برصغیر کے ہر مدرسے میں اس کتاب کی تعلیم ہوتی ہے۔

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

تاشقند کے بہت سے مشہور مقامات اور عجائبات کے تذکرے سنے تھے، دیکھنے کا شوق وجذبہ بھی تھا، لیکن وقت نہ رہا، اس لیے ان مقامات پر جا نہ سکے، اور وہ کوئی ایسی چیزیں بھی نہ تھیں، جن کو نہ دیکھنے پر کسی طرح کی کوئی حسرت ہو، البتہ چند تاریخی مدرسے بھی ہیں، ان تک نہ پہنچنے کی تمنا ضرور باقی رہ گئی، مثلاً: گوکل داس مدرسہ، مدرسۃ القاسم، مدرسۃ بڑا خان۔

جن چیزوں کے تذکرے سنے تھے، ان کے بارے میں بھی کچھ خامہ فرسائی بھی سنتے چلئے۔

لال بہادر شاستری کا مجسمہ

تاشقند شہر کے علاقہ میں، لال بہادر شاستری کا مجسمہ لگا ہوا ہے، جو ہندوستان کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں، جب ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہند و پاک کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں ازبکستان کے صدر نے ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے، دونوں ملک کے وزیر اعظم کو دعوت دی، تاشقند شہر میں ۱۰ جنوری کو صلح و مصالحت ہوئی، لیکن عجیب اتفاق کہ اس کے اگلے دن لال بہادر کو ہارڈ ایٹک آیا، اور تاشقند میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی لاش ہندوستان لائی گئی، جو اصل الہ آباد کے رہنے والے تھے، پیام امن کے عنوان سے یہ سفر، اور حکومت ازبکستان کی یہ کوشش بہت ہی قابل ستائش رہی، اسی کی یادگار میں ان کا مجسمہ تاشقند کے چوراہے پر لگا ہے، جو اس معاہدہ کی یاد دلاتا ہے۔

مرزا غالب محلہ

تاشقند یونیورسٹی کے قریب، مرزا غالب نامی محلہ ہے، یہاں چہل پہل، دہلی کی چاندنی چوک مینا بازار اور بمبئی کا محمد علی بازار کی طرح رہتی ہے، ہوٹلوں، دوکانوں، آشیانوں، اور سڑکوں کے درمیان، پھولوں کی کیاری اور درختوں کے لہلہاتے پتے، ذہن و دماغ کو تازگی، اور جسم و قلب کو راحت و سرور بخشتے ہیں، تاشقند کے عام شہریوں، بطور خاص اس محلے کے باشندوں کو اس بات پر فخر و ناز رہا، کہ ہند کے مشہور و معروف، قدآور نامور شاعر، مرزا غالب ہمارے ہی دیار کے ایک روشن چراغ تھے، جس نے شعر و شاعری کی دنیا میں، ادیبوں قلمکاروں شاعروں اور دانشوروں سے، ہمیشہ داد تحسین حاصل کی، جن کی فکر و نظر اور تخیلات کی پرواز کو دہلی کی سلطنت نے بھی ہمیشہ خراج تحسین سے نوازا۔

البیرونی محلہ

تاشقند میں ایک دوسرا محلہ البیرونی کے نام سے ہے، یہ محلہ ایک نامور مشہور و معروف

شخصیت ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی یاد میں بسایا گیا ہے، جن کی ولادت ۱۳ ذوالحجہ ۳۶۲ھ ۴ دسمبر ۹۷۳ء اور جن کی وفات ۲۵ رجب ۴۴۰ھ ۱۱ دسمبر ۱۰۴۸ء میں ہوئی، خوارزم کے علاقے میں بیرون نامی گاؤں ان کا مولد و مسکن ہے، ان کی عظمت کے پیش نظر تاشقند میں محلے کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

البیرونی کی علمی لیاقت

البیرونی علمی دنیا، سائنسی دنیا، طبی دنیا، علم النجوم کی دنیا، علم فلکیات اور زمینی معلومات میں بے پناہ مشہور و معروف ہے، ان کی شخصیت ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ ان کو دنیا سائنسداں، ماہر ارضیات، تاریخ داں، ریاضی، اور نجوم کا معلم، کئی زبانوں کا واقف کار کہتی ہے، یہ شخص تن تنہا ایک انجمن کی طرح تھا، علوم دنیوی کے کئی فنون پر دسترس تھی، علم ہیئت ہو یا نظام شمسی، سیاروں کی گردش ہو یا جغرافیائی پیمائش، علم نجوم ہو یا دست شناسائی، سمت قبلہ کا پتہ ہو یا پانی کے فوائد، زمین کی تہہ ہو یا چٹان، اور معدنیات، ان ساری پیچیدہ چیزوں پر ان کی معلومات حیرت انگیز تھی، جس نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

البیرونی بھارت کے دورے پر

اس کا مزاج ہمیشہ کتب بینی اور مطالعے کا تھا، تصنیف و تالیف اس کی فطرت تھی، اس کا ہاتھ قلم کو، آنکھ مطالعہ کو، دل غور و فکر کو، کھانے کے وقت کے علاوہ کبھی نہیں چھوڑتا تھا، اس کے اسی شوق نے ۱۰۱۹ء میں اسے ہندوستان پہنچا دیا، یہاں اس نے سنسکرت زبان بھی سیکھی، ہندی تہذیب و تمدن کا گہرائی سے مطالعہ بھی کیا، یہاں کے برادران وطن اس کے ایسے گرویدہ ہوئے، کہ ان کو "ودیا ساگر" کا یعنی علم کے سمندر کا خطاب دیا، البیرونی نے بھاگوت گیتا کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے ایک تاریخ بنالی، اس کے علاوہ ہندی تہذیب پر اس نے کتاب الہند نامی کتاب لکھی، گویا یہ ایک ایسا مصنف قلمکار اور علم کا دھنی ہے، جو باہر سے ہندوستان آیا اور سنسکرت سیکھ کر

یہاں کی چیزوں کو عربی زبان میں منتقل کر کے، عرب دنیا میں بھی اپنی علمی صلاحیت کا لوہا منوایا۔
(اسلامی انسائیکلوپیڈیا: ۳۲۳، ۳۲۳)

مغل خاندان کا پہلا تاجدار بابر

تاشقند سے چار سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر فرغانہ ہے، مرغینان ایک قصبہ ہے جس کے قریب ایک گاؤں ہے جسکو رشتان کہتے ہیں، یہی صاحب ہدایہ کا مولد ہے، اور اس سے قدرے فاصلہ پر رشدان ہے یہ بابر کا مولد ہے۔

بابر بادشاہ ۶ رمحرم ۸۸۸ھ/ ۱۴ رفروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا، والد کے انتقال کے بعد ۱۴۹۴ء مین فرغانہ کا تخت نشین بنا، لیکن رشتہ داروں کی سنگ دلی، اپنوں کی بے وفائی، دوستوں کی خدا ناترسی کی بنا پر اسے بار بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، سمرقند بھی تا دیر حکمرانی نہ کرسکا، حتی کہ کچھ مدت اس مرد مجاہد پر ایسی گزری کہ خانہ بدوشوں کی طرح ادھر ادھر پھرتا اپنی قسمت آزمائی کرتا رہا، ہمت کا پہاڑ تھا اسنے کابل کو اپنا نشانہ بنایا، اور اس پر قابض ہو گیا، اس وقت ہندوستان پر لودھی خاندان کی حکمرانی تو تھی، مگر بالکل بے جان تھی، بابر کو موقعہ ملا، پانچ حملے اس کو کرنے پڑے، بالآخر ۱۵۲۶ء میں ہندوستان کا چمکتا تاج اس کے سر کی زینت بنا اور غیر منقسم ہند کا پہلا مغل بادشاہ ہونے کا لقب پایا۔

بابر نہایت ہی ہمت ور اپنے ارادہ کا دھنی، گرنے کے بعد سنبھلنے کی ہمت، بکھرنے کے بعد انتظام کی فوری صلاحیت، پسپائی کے بعد بہادری، فتح و کامرانی گویا اس کا نصیب تھا، اکثر و بیشتر ہشاش و بشاش اور مسکراتے چہرے نے، اس کی ہر دلعزیزی میں چار چاند لگا دیا تھا، اور عجیب خوبی کی بات کہ بہترین ادیب، انشاء پرداز، اور قلمکار بھی تھا۔ وہ حسین باغات، قدرت کے دلکش مناظر، باغیچہ و گلستان کا دلدادہ تھا، جب حسین مناظر سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں تو خود باغ باغ نظر آتا۔

۲۶ ردسمبر ۱۵۳۰ء کو بیمار پڑا، اور آگرہ میں ہی اس کی موت آ گئی، اس کی لاش بطور

امانت آگرہ میں دفن ہوئی، پھر کئی سالوں کے بعد کابل منتقل کی گئی، اور وہیں دوبارہ دفن کیا گیا، یہ وہ بادشاہ ہے جس کی عمر صرف ۴۹ سال تھی، جس نے مغل بادشاہت کی بنیاد رکھی، تقریباً تین سو اٹھارہ سال حکومت پورے شان وشوکت کے ساتھ ہمارے ملک میں چلتی رہی، پھر کیا ہوا؟ کہ سب کچھ بکھر کر رہ گیا؟ اور اس کے نام سے منسوب بابری مسجد شہید بھی ہوئی اور سوء اتفاق کہ میرے اسی سفر کے خاتمے پر مسجد کی زمین کا فیصلہ بھی مندر کے نام پر کر دیا گیا۔ والی اللہ المشتکی

خاکِ وطن کو واپسی

آخری شریعت کی آخری کتاب، مصحفِ عثمانی کی دید و زیارت پر، قافلۂ نقشبند کا یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا، دل میں مصحف کی عظمت و محبت، عقیدت و احترام کی سوغات لے کر، تاشقند پہنچے، ایئرپورٹ پر اس روحانی، عرفانی سفر کی اجمالی روئیداد ذہن و دماغ کی اسکرین پر چل رہی تھی، ۹ر دن کے مشغول ترین سفر میں کیا پایا، کیا کھویا؟ تھوڑی دیر اسی سوال میں گم رہا، پھر یہ شعر جواب بن کر ذہن پر ابھرا:

صراحی اپنی، پیمانہ اپنا، جام، اپنا　　پھر بھی کچھ ہی ملا نصیب اپنا

خاکِ وطن کی خوبی

ذہن میں فکر کے تانے بانے چل رہے تھے، کہ اچانک خاکِ وطن بھارت کو جانے والی پرواز کا اعلان ہوگیا، ہوائی جہاز میں بیٹھے، تو خاکِ وطن کی خوبیاں ذہن و دماغ پر چھانے لگیں، علامہ اقبال کا یہ مصرع بھی گردش کرنے لگا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

اور یہاں کی خاک سے اٹھنے والے علمائے دیوبند کی علمی، فکری کارنامے، ملک وملت کے لیے بے لوث خدمات، تعلیم و تربیت، سیرت و کردار، الفت و رواداری اور نصرت و ہمدردی کے نقوش سامنے آنے لگے، اور یاد بھی آنے لگا کہ

ذرا نم ہو تو بڑا زرخیز ہے ساقی

مدارس، مکاتب، تبلیغی مراکز، خانقاہیں، دینی مجالس، بیانات، علم و دانش کے مہذب اسکول بھی نگاہوں کے سامنے تھے، خاکِ وطن کے یہ وہ ایمانی سرمائے ہیں، جن کی بنا پر پوری شان و شوکت کے ساتھ اسلامی آئیڈیل، اسلامی تشخص و شناخت کے ساتھ مسجد کے منبر و محراب اور گنبد و منارے بلکہ پورا ملک اذان کی آواز سے گنج رہا ہے، مدارس کے فلک بوس اور پر شکوہ عمارتوں میں صبح و شام قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند ہو رہی ہے، درس و تدریس کے غلغلے ہیں، مکاتب کا جال بچھا ہے، وعظ و نصیحت، تصنیف و تالیف کی کھلی آزادی ہے، دعوت و تبلیغ کا سرا چپہ چپہ پھیلا ہوا ہے۔

خاکِ وطن کے علماءِ دیوبند

مگر یہ سب کچھ ہمارے اکابر و مشائخ کی انتھک کاوشوں، کوششوں، قربانیوں اور فکری بلندیوں کا نتیجہ ہے، نیز ملتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقا کے لیے آہ و زاری، آہِ سحر گاہی، سسکتی بھراتی آوازوں اور ڈبڈباتی آنکھوں سے دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

اکابر کے حالاتِ زندگی پڑھ ڈالیے، ان کے ملفوظات کو دیکھ جایئے، ان کے ہم عصروں کی زبانی، ان کے درد و کرب اور اضطراب و بے قراری کو سن لیجیے تو آپ یقین کیے بغیر نہ رہ جائیں گے کہ اگر یہی سرمائے ان مسلم ممالک میں ہوتے تو ان کی زبوں حالی کا یہ منظر نہ ہوتا، وہ روحِ شریعت سے محروم نہ رہتے، اور مزاجِ شریعت سے نا آشنا نہ رہتے، اپنے نونہالوں اور نوخیزوں کے دینی مستقبل سے ناواقف نہ رہتے۔

اترا جہاز خاکِ وطن پر

جہاز تین گھنٹے تک فضا میں دوڑ لگاتا رہا، اس درمیان یہ عاجز کچھ کچھ لکھتا بھی رہا، اور کچھ کچھ جھونکے بھی لیتا رہا، رات کے تین بج چکے تھے، دہلی کے جگمگاتے ایئرپورٹ پر اترے، باہر کو نکلے اور نہایت ہی خلیق و متواضع میزبان برادرم محترم حاجی سہیل بھائی کے مکان پر پہنچے، چند گھنٹے آرام کے بعد وطنِ ثانی عالی پور کے لیے دوسری فلائٹ سے روانہ ہوئے، شام ہوتے

ہوتے اہل خانہ کے درمیان خوش وخرم پہنچ گئے۔

خوشیاں خاکِ وطن میں مل گئیں

عافیت وسلامتی کے ساتھ گھر پہنچے ابھی چند گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے کہ دل پر ایک دھما کہ گرا، دل دھڑکنے لگا، امید وناامیدی کے سائے ذہن ودماغ پے منڈلانے لگے کہ آئندہ کل ۹ جولائی کو صبح دس بجے سپریم کورٹ کے جج بابری مسجد کا آخری فیصلہ سنانے والے ہیں۔

دنیا بھر کی نظر بابری مسجد پر

صبح کا انتظار ہونے لگا، پورے ملک بلکہ پوری دنیا کی نگاہ سپرم کورٹ پر جم گئی، ملک کا چپہ چپہ سہما ہوا تھا، نہ معلوم کیا سے کیا ہو جائے، دنیا بھر کے ججوں وکیلوں، قانون دانوں، پتر کاروں، تجزیہ نگاروں، تاریخ دانوں، انصاف پسند سادھوسنتوں، سیکولر اسکالرز، اور جرنالسٹ نے جب فیصلہ سنا تو انگشت بدنداں رہ گئے، حیرت وتعجب میں ڈوب گئے کہ فیصلہ کا تانا بانا بالکل ناقابل فہم ہے، فیصلہ کی آخری لکیر بالکل بے جوڑ ہے، کیوں کہ ججوں کی بینچ، مسلمانوں کے ہزاروں صفحات پر مشتمل حقیقت وصداقت کو تسلیم بھی کرتی ہے، کھلے الفاظ میں غیر مسلموں کے دعووں کی تردید وتکذیب بھی کرتی ہے، گویا باطل دعوے دار کی تذلیل بھی کر رہی ہے، مگر فیصلہ ان کے حق میں بھی سنایا جارہا ہے۔ فیا للعجب علی ھذا العدل

ایک طبقہ نے جشن تو ضرور منایا، تالیاں تو ضرور بجائیں، مگر ان کا چہرہ عکاسی کر رہا تھا کہ ان کا دل خوشی کی لہر سے محروم ہے، بلکہ خود ان کے دل کی گواہی ہے کہ یہ تو طاقت کا زور ہے اور پاور کا نشہ ہے ورنہ تو عدل وانصاف کا خون خاکِ وطن میں نہ ملتا۔

مسلمانوں نے صبر وتحمل اور حسن کردار کی شمع کو روشن رکھا اور کسی بھی ایسے اقدام سے اپنے آپ کو کوسوں دور رکھا کہ جس سے ہماری شرافت ودانشمندی، اور دواندیشی کو ٹھیس لگے۔

اللہ اللہ اللہ

ضمیمے

مشائخ نقشبند کا تعارف

نقشہ حضراتِ نقشبندیہ مجددیہ

ازبکستان اور ماوراء النہر کا ذکر

مقبرہ شاہ زنداں اور بی بی خانم مسجد

قصہ شیریں فرہاد کا

مسلم سلاطین ہند کا اجمالی نقشہ

میں دلی ہوں

از: (مفتی) محمد افضال الحق

اللہ اللہ اللہ

مشائخِ سلسلۂ نقشبندیہ کا تعارف

افادات

محبوب العلماء والصلحاء پیر طریقت رہبر شریعت

حضرت اقدس پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

پیش کش

مفتی محمد افضال الحق بن محمد انعام الحق نقشبندی

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

ضمیمہ:۱

مشائخِ سلسلۂ نقشبندیہ کا تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ {یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ} (التوبۃ:۔۱۱۹)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

سلسلۂ نقشبندیہ کا امتیاز:

سلسلہ نقشبندیہ اتباعِ سنت کی وجہ سے دوسرے تمام سلاسل سے ممتاز ہے۔ سب سلاسل حق ہیں، تاہم جیسے ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جدا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ نے اس سلسلے کو بھی کچھ خاص کمالات سے نوازا ہے۔ دوسرے سلاسل میں لسانی ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ ہمارے سلسلہ میں ذکرِ قلبی پر زور دیا جاتا ہے۔

دوسرے سلاسل کے حضرات فرماتے ہیں کہ ہم ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں، جبکہ ہمارے حضرات فرماتے ہیں، کہ ہم اتباع سنت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں، اتباعِ سنت ہمارے اس سلسلے کا ایک امتیازی وصف ہے۔

ہم ٹپکے کے آم کی طرح نہیں

دیکھیں! جب آموں کا موسم آتا ہے تو یہ آم اپنی نسل کے نام سے بکتے ہیں، اگر نام کے ساتھ آم بکیں تو ان کے دام زیادہ ملتے ہیں۔ بسا اوقات پرندے باغ میں آ کر آم توڑ دیتے ہیں، اس طرح جو نیچے گر جاتے ہیں ان کو باغ کا مالی اکٹھا کر کے اپنی پیٹی بناتا ہے اور پھر بازار میں لا کر فروخت کرتا ہے۔ چونکہ اس کی نسل کا پتہ نہیں ہوتا، اس کے شجرے کا پتہ نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کے دام تھوڑے ملتے ہیں۔ بازار میں اسے ''ٹپکے کا آم'' کہتے ہیں۔

دوستوں! ہم ٹپکے کے آم کے مانند نہیں، کہ ہمیں اپنے شجرۂ نسب کا پتہ ہی نہ ہو، ہمیں اپنے اکابرین کا پتہ ہے، ایک ایک ہستی کے بارے میں پتہ ہے، کہ ہمارا علمی تعلق کن حضرات کے ساتھ ہے؟ اور ہمیں اپنے مشائخ کا بھی پتہ ہے کہ ہمارا روحانی تعلق کن حضرات کے ساتھ ہے؟ ہم کوئی ٹپکے کے آم نہیں ہیں کہ پتہ ہی نہ ہو کہ ہم کیا ہیں، اور کیا نہیں ہیں۔

عاجز اس محفل میں اپنے بزرگوں کا مختصر سا تعارف پیش کرے گا، تاکہ سالکینِ طریقت کو پتہ رہے کہ ہمارے وہ آباء واجداد جن سے ہمارا روحانی تعلق ہے، وہ کیسی عظیم ہستیاں گزری ہیں!

سلسلۂ نقشبندیہ میں دو صحابہؓ کا فیض

دوسرے سلاسل میں ایک صحابیؓ واسطہ بنتے ہیں اور ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں دو صحابہؓ واسطہ بنتے ہیں۔ دوسرے سلاسل میں نبی ﷺ سے یہ نسبت حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہوئی اور ان سے آگے حسن بصریؒ کو منتقل ہوئی، یعنی حضرت علی کے فوراً بعد تابعین کا نمبر آ گیا؛

لیکن ہمارا سلسلہ وہ سلسلہ ہے جس میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کے نام آتے ہیں۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

——— ۱۳ھ

نبی ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے دو طرح کے کمالات حاصل کیے، ایک کو کمالاتِ نبوت کہتے ہیں اور دوسرے کو کمالاتِ ولایت کہتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سیکھے اور کمالاتِ ولایت سب سے زیادہ حضرت علیؓ نے اخذ کیے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا ہے، میں نے اسے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا''۔ (مکتوباتِ معصومیہ، روح البیان)

گویا اللہ کے حبیب ﷺ سے یہ نسبت سیدنا صدیق اکبرؓ کو منتقل ہوئی۔

یہ سِلسِلَۃُ الذَّھَب سونے کی کڑیوں کا بنا ہوا سلسلہ ہے۔ ''سلسلہ'' کا مطلب ہے ''زنجیر''۔ چونکہ مشائخ کے دل روحانی طور پر ایک دوسرے سے منتھی ہوتے ہیں، اس لیے اس کو ''سلسلہ'' کہتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی بیعت ہو تو اس کا دل روحانی طور پر اپنے شیخ کے دل کے ساتھ منتھی ہو جاتا ہے۔ پھر اس شیخ کا دل اپنے شیخ سے، پھر ان کا دل اپنے شیخ سے منتھی ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے سیدنا صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔

یہ بھی اس سلسلے کا اعزاز ہے کہ انبیاء کے بعد پوری کائناتِ انسانیت میں جو سب سے کامل ترین ہستی تھیں، وہ اس سلسلہ کے سرخیل امام بنے۔

(۲) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

——— ۲۳ھ

پھر ان سے یہ نسبت سلمان فارسیؓ کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ اصحابِ صفہ کے سرداروں

میں سے تھے، وہ جو فقراء کی جماعت تھی، نبی ﷺ کا پہلا مدرسہ تھا، یہ اس جماعت کے مانیٹر تھے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کو ان کی قربانیاں دیکھ کر ان پر اتنا پیار آتا تھا، کہ بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان تو ہمارے لیے اہل بیت میں سے ہے''۔ (المستدرک، رقم: ۶۵۳۹)

نبی ﷺ نے ان کی استقامت کے بارے میں فرمایا: ''اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو بھی ان کی قوم میں سے کچھ لوگ وہاں تک پہنچ جاتے'' (صحیح مسلم: ۱۹۷۰)

یہ نسبت نبی ﷺ سے سیدنا صدیق اکبرؓ کو اور ان سے سلمان فارسیؓ کو منتقل ہوئی۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی صحابہؓ کو یہ نسبت نہیں ملی، سب صحابہ صاحب نسبت تھے، مگر ہم بات کر رہے ہیں اپنے سلسلے کی، جس لڑی میں ہم پروئے ہوئے ہیں، وہ تو ہار ہے، اس میں کئی مالا میں اکٹھی پروئی ہوئی ہیں۔ جو شاخ ہمیں اپنے درخت کے تنے سے ملا رہی ہے، ہم اس ٹہنی کی بات کر رہے ہیں۔ کہیں آپ کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا نام نہیں آیا۔ وہ بھی صاحب نسبت تھے، مگر ان کی نسبت کسی اور طریقے سے منتقل ہوئی۔

(۳) قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

——— ۱۰۸ھ

سلمان فارسیؓ سے یہ نسبت حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ کو منتقل ہوئی۔ یہ حضرت صدیقؓ کے پوتے تھے۔ فقہائے سبعہ (مدینہ کے سات فقہا) میں سے ایک تھے۔ ان کے کمالات کا یہ عالم تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''اگر قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ میرے دور میں ہوتے تو میں اپنے سر سے خلافت کا تاج اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیتا'' کیا تقویٰ تھا! اور کیا علم تھا ان کا! سبحان اللہ!!

(۴) جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

۸۰ھ ——— ۱۴۸ھ

ان سے یہ نسبت حضرت جعفر صادقؒ کو منتقل ہوئی۔ جن کو امام جعفر صادق کہا جاتا

ہے۔ یہ بہت بڑے کامل بزرگ ہستی تھے۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بھی استاد تھے، بلکہ ان کے پیر و مرشد تھے۔ امام اعظم ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے اور دو سال کے بعد کہا: ''لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ'' (سوانح بے بہائے امام اعظم) ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو ابوحنیفہ تو ہلاک ہی ہو جاتا۔''

حنفی فقہ میں بھی ان کے فیوضات چل رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اسے کھولا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فقہ شافعی میں کمالاتِ ولایت جاری ہیں اور فقہ حنفی میں کمالاتِ نبوت جاری ہیں۔ انہوں نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔

یہ پانچ حضرات مدینہ میں گزرے۔ نبی ﷺ، سیدنا صدیق اکبرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، قاسم بن محمدؒ بن ابوبکر صدیقؓ اور پانچویں امام جعفر صادقؒ۔

(۵) خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۲۶۱ھ

اس کے بعد یہ نسبت وسطِ ایشیا میں منتقل ہوئی اور جس ہستی کو ملی ان کا نام تھا بایزید بسطامیؒ۔ حضرت جنید بغدادیؒ ان کے بارے میں فرماتے تھے:

''هٰذَا الرَّجُلُ الْخُرَاسَانِيُّ يَعْنِي أَبَا يَزِيْدَ بَيْنَنَا كَجِبْرِيْلَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ''

(تذکرۃ الاولیاء، ۱۸۳)

''بایزید ہمارے درمیان وہ مقام رکھتے ہیں، جو فرشتوں میں جبریلؑ کا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا مقام عطا کیا تھا!۔ ''بسطام'' ایک جگہ ہے جو بخارا سے تقریباً ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس عاجز کو وہاں حاضری کی توفیق نصیب ہو چکی ہے۔

(۶) ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۴۲۵ھ

حضرت بایزید بسطامیؒ سے یہ نسبت ابوالحسن خرقانیؒ کو ملی۔ خرقان بسطام سے تقریباً

۲۵ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں۔ ان کی وادی میں یہ بستی آباد ہے۔ ابوالحسن خرقانیؒ سلطان محمود غزنویؒ کے پیر تھے۔ ان کے بڑے واقعات ہیں۔ دو چار واقعات آپ حضرات کی دلچسپی کے لیے عرض کر دیتا ہوں۔

خانقاہ میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد

یہ درویش منش تھے۔ فقیرانہ رنگ تھا۔ اپنے رنگ ''اللہ ھو'' میں لگے رہتے تھے۔ ان کے پاس سلطان محمود غزنویؒ آیا، کہ چلو میں کسی اللہ والے کی زیارت کرتا ہوں۔ وہ اپنے ساتھ دینار کی تھیلی بھر کر لایا۔ جب ملنے کے لئے آیا تو حضرت بیٹھے رہے۔ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ وقت کا بادشاہ ملنے کے لیے آیا اور آپ نے ذرا ان کا اکرام نہیں کیا، اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اس نے آ کر حضرت سے گفتگو کی اور جاتے ہوئے وہ تھیلی ہدیہ دے کر جانے لگا۔ حضرت نے فرمایا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔ اس نے کہا: ''نہیں، حضرت! قبول فرمالیجیے!'' آپ نے فرمایا: ''نہیں، میں یہ ہدیہ قبول نہیں کرتا''۔ عذر پیش کیا۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ حضرت! قبول کر لیجیے! حضرت نے اس کے جواب میں ایک خشک روٹی پڑی تھی، وہ کھانے کے لیے پیش کی۔ جب اس نے لقمہ کھایا تو وہ حلق میں اٹک گیا۔ اب وہ نہ اندر جاتا ہے، نہ باہر آتا ہے۔

حضرت نے حالت دیکھی تو پوچھا: ''کیا ہوا؟'' کہنے لگا: ''حضرت! یہ لقمہ حلق میں اٹک گیا ہے، اندر نہیں جا رہا''۔ فرمایا: ''جس طرح تمہارے حلق میں یہ روٹی کا ٹکڑا اٹک گیا ہے، اسی طرح تمہاری یہ تھیلی بھی میرے حلق میں اٹکی ہوئی ہے''۔ آپ کا خیال تھا کہ وہ سمجھ جائے گا، مگر وہ تو بادشاہ تھا۔ لوگوں کے درمیان سرخ رو ہونا چاہتا تھا۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ حضرت! رکھ لیجیے! حضرت کو جلال آیا، آپ نے اس تھیلی کو اپنے ہاتھ میں لیا اور زور سے نچوڑا تو اس کے اندر سے خون کے قطرے گرنے لگے، فرمایا: ''کیا تو غرباء، یتیموں اور لوگوں کا نچوڑا ہوا مال ہمیں ہدیہ کے طور پر پیش کرنے کے لیے آیا ہے؟'' جب حضرت نے یہ بات کہی تو وہ ڈر گیا، اب اس کا انداز بدل گیا۔ اسے پتہ چل گیا کہ یہاں تو معاملہ کوئی اور ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے

حضرت سے بیعت کا تعلق اختیار کیا۔ جب وہ جانے لگا تو حضرت اس کو چھوڑنے کے لیے خانقاہ کے باہر کی حد تک تشریف لے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: ''حضرت! جب وہ آیا تھا، تب آپ مصلے پر بیٹھے رہے اور جب وہ جانے لگے تو خانقاہ کے باہر تک چھوڑنے آئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' فرمایا: ''جب وہ آیا تو دل میں ''انا'' لے کر آیا تھا۔ میں نے اس کی ''انا'' کو توڑا۔ جب وہ یہاں بیٹھا تو دل میں فقراء کی محبت پیدا ہوگئی، اس محبت کے اکرام میں، میں اس کو باہر خانقاہ کی حد تک چھوڑ کے آیا۔'' سبحان اللہ! کیسی للہیت تھی!

حضرت کا استغناء

ایک مرتبہ حضرت نے چلہ کاٹا۔ ذکر و اذکار میں چالیس دن گزارے۔ وہ ایسا دور تھا جس میں کچی زمینیں ہوتی تھیں، تو لوگ بھی اس دور میں بغیر پنکھوں کے بیٹھے ہوتے تھے، بجلی کے پنکھے تو تھے نہیں۔ چنانچہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں۔ پسینہ آیا ہوا ہے، عجیب حالت بنی ہوئی ہے۔ جب سارے لوگ فارغ ہوئے تو حضرت نے فرمایا: ''کل جمعہ ہے، تیاری کرو کل ہم جمعہ کی نماز ادا کریں گے۔'' فقراء نے تیاری شروع کر دی۔ کوئی جھاڑو دے رہا ہے، کوئی کپڑے دھو رہا ہے اور حضرت ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو سر میں کافی خارش سی محسوس ہو رہی تھی۔ جب حضرت کو خارش محسوس ہوئی تو حضرت نے ایک شاگرد کو بلایا اور کہا: ''ذرا میرے سر میں جوئیں تو دیکھو! یہ خارش ہے یا جوئیں ہیں؟'' گرمیوں میں عام طور پر خشکی کی وجہ سے بھی خارش ہوتی ہے، یا جوؤں کی وجہ سے خارش ہو جاتی ہے۔ اگر صابن استعمال نہ کیا جائے اور پسینہ آتا رہے تو سر میں جوؤں کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی، آج کا کوئی مرید ہوتا تو بھاگ جاتا، کہتا کہ وہ کیسا پیر ہے، جس کے سر میں جوئیں پڑ گئی ہوں؟ لیکن وہ پکے سچے مرید تھے، وہ سمجھتے تھے کہ انسانی تقاضے ہر ایک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں شاگرد آیا اور اس نے آ کر آپ کے بالوں میں دیکھنا شروع کر دیا۔

حضرت ابھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی وہاں جا پہنچا۔ جب باہر کے فقراء

نے دیکھا کہ سلطان محمود غزنوی آیا ہے اور ابھی کپڑے جھاڑنے کی وجہ سے گرد اڑ رہی ہے، تو وہ بڑے پریشان ہوئے کہ بادشاہ سلامت آرہے ہیں اور یہاں ہر طرف مٹی ہی مٹی ہے وہ تو ناراض ہوں گے۔ ان میں سے ایک بھاگا کہ میں حضرت کو جا کر بتا آؤں۔ چنانچہ جب بھاگ کر آیا تو اس نے اندر آ کر دیکھا کہ حضرت تو آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک طالب علم ان کے سر کے بال ٹٹول رہا ہے، کہ کہیں ان میں جوئیں تو نہیں۔ چنانچہ اس نے اشارے سے بتایا کہ بادشاہ سلامت آرہے ہیں تو جو شاگرد بال ٹٹول رہا تھا، اس نے کہا: ''حضرت! حضرت!'' جب اس نے ہلایا تو حضرت نے اس کی طرف توجہ فرمائی، جلدی سے کہنے لگا: ''حضرت! بادشاہ سلامت آرہے ہیں!'' حضرت نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اوہو! میں سمجھا کوئی بڑی سی جوں تیرے ہاتھ آ گئی ہے۔'' ان کو یوں استغناء حاصل تھا۔

خانقاہ کا ادب اور اس کا ثمرہ

ادھر سلطان محمود غزنویؒ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ آیا تو آگے مٹی اڑ رہی تھی۔ اس نے اس مٹی کو اپنے ہاتھوں پہ لیا اور اپنے چہرے پہ ملا، کہنے لگا: ''یہ اللہ والوں کے لباس سے لگی مٹی ہے، میں اس سے برکت حاصل کرتا ہوں۔'' کسی نے وفات کے بعد سلطان محمود غزنوی کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ تیرا آگے کیا بنا؟ کہنے لگا: ''میرے اور تو کوئی عمل قبول نہ ہوئے، بس ایک عمل اللہ کو پسند آیا۔'' پوچھا: ''وہ کون سا؟'' کہنے لگا: ''شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی خانقاہ پہ حاضر ہوا، فقراء کے کپڑوں کی مٹی اڑ رہی تھی۔ میں نے ادب اور عقیدت کی وجہ سے اس مٹی کو چہرے پہ مل لیا۔ پروردگار نے فرمایا ''محمود غزنوی! میں تیرے چہرے کو جہنم کی آگ میں کیسے جلاؤں؟'' اس ادب پر اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔''

حضرت کے جبہ کی برکت

سلطان محمود غزنوی سومنات پر بار بار حملہ کرتا ہے، مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ بالآخر

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: ''حضرت! دعا فرمایئے'' حضرت نے فرمایا: ''بہت اچھا!'' اور ان کو اپنا ایک کرتہ دے دیا، کہا کہ یہ کرتہ لے جاؤ، جب بھی تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو دو رکعت نفل پڑھنا اور پروردگار سے دعا مانگنا ''رب کریم! اگر اس جبے والے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے، تیرے ہاں کوئی قبولیت ہے، تو اس کی برکت سے تو مشکل کو آسان فرما۔'' سیدنا یوسفؑ نے بھی اپنا جبہ بھیجا تھا، فرمایا تھا: اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ (یوسف: ۹۳) اپنی قمیص بھیجی تھی، وہیں بیٹھ کر دعا کر سکتے تھے تو انہوں نے اپنا جبہ دے دیا، سلطان محمود نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

چنانچہ جب سومنات پر حملہ کیا تو تمام ہندوؤں نے بڑے زور سے مقابلہ کیا، حتی کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے، سلطان محمود بڑا پریشان ہوا، وضو اس کا تھا، پیچھے ہٹا اور پیچھے ہٹ کر اس نے دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھی اور جبہ اپنے سامنے رکھ کر دعا مانگی: اے اللہ! اگر اس جبے والے بندے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے تو اس کی برکت سے مجھے سومنات کا فاتح بنا دے۔ اللہ رب العزت نے جنگ کا ایسا پانسہ پلٹا کہ وہ سومنات کا فاتح بن گیا۔

کچھ وقت گزرا، حالات ٹھیک ہو گئے تو وہ آیا کہ میں حضرت کی خدمت میں جا کر مبارک باد عرض کروں، چنانچہ وہ حضرت کے پاس آیا اور حالات بتانے لگا۔ حضرت نے پوچھا: ''سلطان محمود! کیا دعا مانگی تھی؟'' عرض کرنے لگا: ''حضرت! دعا مانگی تھی رب کریم! سومنات کا فاتح بنا دے'' حضرت نے فرمایا: ''سلطان محمود تو نے تھوڑی سی قیمت لگائی اگر تو دعا کرتا کہ اللہ! مجھے دنیا کا فاتح بنا دے تو اللہ رب العزت تجھے پوری دنیا کا فاتح بنا دیتے۔''

(۷) خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

۴۳۴ھ ——— ۵۱۱ھ

خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے یہ نسبت خواجہ بوعلی فارمدیؒ کو منتقل ہوئی خواجہ بوعلی فارمدیؒ کو امام غزالیؒ کے مربی اور پیر و مرشد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنے حالات پر ایک چھوٹا سا کتابچہ (رسالہ) لکھا۔ اس میں انہوں نے اپنے قلم سے لکھا کہ میں نے علوم ظاہری

اور علوم باطنی خواجہ بوعلیؒ سے حاصل کیے اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں نے طریقہ نقشبندیہ کے مطابق کمالات حاصل کیے۔

اُس دور میں اس کو ''سلسلۂ صدیقیہ'' کہا جاتا تھا۔ تو انہوں نے سلسلۂ صدیقیہ کا نام لکھا کہ میں نے سلسلۂ صدیقیہ کے مطابق حاصل کیے۔ اس وقت یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے یہ نسبت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کو اور ان سے یہ نسبت خواجہ بوعلی فارمدیؒ کو منتقل ہوئی۔ درمیان میں ایک شیخ آتے ہیں، مولانا قاسم گورگانیؒ، انہوں نے ان سے تربیت تو پائی، مگر نسبت دوسری طرف سے منتقل ہوئی۔ اس لیے جب ان کے اساتذہ کا نام آتا ہے، تو اس میں حضرت خواجہ قاسم گورگانیؒ کا نام آتا ہے لیکن جہاں نسبت منتقل ہوتی ہے وہاں ڈائریکٹ خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے خواجہ بوعلی فارمدیؒ کا نام آتا ہے۔

اس کی مثال ایسے سمجھیے! کہ اس عاجز کی بیعت حضرت سیدزوار حسین شاہؒ سے تھی۔ گیارہ سال ان سے بیعت کا تعلق رہا۔ اسباق تو انہوں نے جہاں تک نصیب میں تھے، طے کروائے، مگر اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد چکوال میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو خواجہ غلام حبیبؒ سے بیعت کی نسبت ہوئی۔ فقط دو سال کے اندر انہوں نے اجازت وخلافت دے دی۔ اب جہاں خلافت کا نام آئے گا وہاں خواجہ غلام حبیبؒ کا نام آئے گا اور جہاں اساتذہ کا نام آئے گا وہاں سیدزوار حسین شاہؒ کا بھی نام آئے گا۔

یہ ہمارے آباؤ اجداد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ہستی کا نام ذہن کی سطح پر نقش ہے۔

(۸) خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

۴۴۰ھ ——— ۵۳۵ھ

خواجہ بوعلی فارمدیؒ سے یہ نسبت آگے خواجہ یوسف ہمدانیؒ کو منتقل ہوئی۔ ''ہمدان'' ترکمانستان میں ایک علاقہ ہے، وہیں کے ایک بزرگ تھے جو کشمیر آئے اور انہوں نے آکر

کشمیریوں کو مسلمان کیا۔ اور آج کشمیری ہر سال ''شاہ ہمدان'' کے نام سے ایک دن منایا کرتے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ ہیں۔ یہ ایک خاص بزرگ ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے علمِ ظاہری اور علمِ باطنی دونوں عطا کیے تھے۔ علمِ تفسیر میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ان کو حضرت خواجہ عبدالقادر جیلانیؒ اور معین الدین چشتی اجمیریؒ دونوں حضرات کے استاد ہونے کا شرف نصیب ہے یہ بات سننے کے قابل ہے۔

یہ وہ بزرگ ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی چھ مہینے ان کی صحبت میں جا کر فیض حاصل کرتے رہے اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ چار مہینے ان کی صحبت میں جا کر فیض حاصل کرتے رہے۔ ان دونوں حضرات کے پیر تعلیم ہونے کا ان کو شرف نصیب ہے۔

(۹) خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۵۷۵ھ

حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ سے یہ نسبت آگے خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کو منتقل ہوئی۔ ''غجدوان'' بخارا سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ آج بھی اس شہر کا نام غجدوان ہے۔ یہ امام مالکؒ کی اولاد میں سے تھے اور ان کو خضر علیہ السلام نے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کا ذکر کرنا سکھایا۔ جس کو ''حبس دم'' کا ذکر کہا جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ اس کو سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک کا ''مکھن'' کہتے ہیں۔ اس دور میں ان کے اتنے مریدین تھے کہ ان کا لقب ''خواجۂ جہاں'' پڑ گیا۔ جب پہلی دفعہ یہ عاجز غجدوان گیا تو میں لوگوں سے پوچھ رہا تھا، کہ حضرت عبدالخالقؒ کی مسجد کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''کون عبدالخالق؟'' تھوڑی دیر بعد میری زبان سے نکلا کہ ''خواجۂ جہاں'' تو وہ کہنے لگے، کہ آپ شروع سے ہی یہ بات کہتے تو ہمیں پتہ چلتا۔ معلوم ہوا کہ مقامی لوگ عبدالخالق کے نام سے ان کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا ''خواجۂ جہاں'' کے نام سے پہچانتے ہیں۔ خواجۂ جہاں کا مطلب ہے ''سارے جہاں کا پیر'' سبحان اللہ!

(۱۰) خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

——— ۶۱۶ھ

حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ سے یہ نسبت منتقل ہوئی حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کو۔ ''ریوگر'' تاجکستان میں ایک قصبہ ہے۔ وہاں پر حضرت کی پیدائش ہوئی اور وہیں پر وفات ہوئی۔ اس عاجز کو وہاں حاضری کی توفیق نصیب ہوئی۔ وہاں پر ایک عجیب بات دیکھی کہ ان کی خانقاہ کی دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ مستری نے دیوار بناتے ہوئے اینٹوں کو ایسے جوڑا کہ ہر چند اینٹوں کو ملائیں تو ''اللہ'' کا نام بنتا ہے۔ انہوں نے سالکین کے دلوں میں اللہ کی محبت اتنی بھر دی تھی کہ دیواریں چنا کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں سے اینٹوں میں ''اللہ'' کا نام لکھا جاتا تھا۔ دنیا میں اور کہیں ایسی جگہ نہیں دیکھی کہ اینٹیں بھی جوڑتے گئے اور اللہ کا نام بھی لکھتے چلے گئے۔

(۱۱) خواجہ محمود انجیرِ فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۷۱۵ھ

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ سے یہ نسبت حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کو منتقل ہوئی۔ ''فغنہ'' بخارا سے قریباً ۳۵ میل کے فاصلے پر ایک علاقہ ہے۔ اس کی انجیریں بڑی پسندیدہ ہیں، ذائقہ بڑا اچھا ہے۔ چونکہ یہ اس علاقہ کے بزرگ تھے، اس لیے لوگوں نے ان کو محبت میں ''انجیر فغنہ'' کہنا شروع کر دیا اور اس طرح ان کا یہ نام مشہور ہو گیا۔

(۱۲) خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۸ھ ——— ۷۲۱ھ

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ سے یہ نسبت آگے خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ کو منتقل ہوئی۔ ''فغنہ'' شہر سے کچھ فاصلے پر ''رامیتن'' ایک قصبہ ہے، جس میں وہ رہتے تھے۔ علی نام تھا

اور عزیزان تخلص تھا۔ فارسی میں اشعار کہتے اور عزیزان کا تخلص استعمال کرتے تھے۔

آج کل بھی ان کے علاقے کا نام ''رامیتن'' ہے۔ یہ نام کیسے پڑا؟ ان کے وقت میں بادشاہ کی بیٹی بیمار ہوگئی۔ جسم پر کچھ دانے نکل آئے، حکیموں سے بڑا علاج کروایا، مگر شفا نہیں ہوتی تھی۔ کسی نے کہا: ''آپ اللہ والوں سے دعا لیں'' چنانچہ وہ بیٹی کو لے کر ان کے پاس آیا۔ حضرت نے پانی دم کر کے دے دیا اور فرمایا، کہ بچی سے کہو کہ وہ اس سے غسل کرے، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیں گے۔ جب اس بچی نے غسل کیا تو شفایاب ہوگئی۔ سارے علاقے میں یہ بات مشہور ہوگئی، کہ فلاں جگہ سے بادشاہ کی بیٹی کو شفا ہوئی ہے، اس لیے اس جگہ کا نام ''آرام تن'' پڑ گیا۔ تن کا مطلب جسم، یعنی جسم کو آرام ملا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ''رامیتن'' مشہور ہوگیا۔ آج بھی اس علاقے کو ''رامیتن'' کہتے ہیں۔ ان کے فارسی کے اشعار بڑے عجیب ہیں۔

(۱۳) خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ

۷۵۵ھ ——

خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ سے یہ نسبت منتقل ہوئی حضرت خواجہ بابا سماسیؒ کو ''رامیتن'' سے کچھ فاصلے پر حضرت خاجہ بابا سماسیؒ کی خانقاہ ہے۔ یہ ہر وقت ''اللہ اللہ'' کرتے رہتے تھے۔ ان پر ہر وقت ''اللہ اللہ'' کی خاص کیفیت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ بخارا آرہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ اکھاڑا تھا، جس میں کچھ پہلوان کشتی کر رہے تھے۔ ایک آدمی جو اس وقت بخارا کا سب سے بڑا رستم سمجھا جاتا تھا، وہ اس میں ایک ہی وقت میں پانچ چھ پہلوانوں سے اکیلا کشتی کرتا تھا۔ بڑا اچھا اس کا جسم تھا اور پانچ چھ پہلوانوں سے وہ ایک وقت میں کشتی کر رہا تھا۔ حضرت نے دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ آپ یہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ''میں کسی مرد کو دیکھ رہا ہوں'' کچھ دیر کے بعد جب وہ باہر نکلے تو وہ جو رستم تھے، اس پر حضرت کی نظر پڑی وہ حضرت کے عقیدت مند ہوگئے۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔

(۱۴) خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۲ھ ــــــــ

بعد ازاں یہی پہلوان (سید امیر کلال) آپ کے خلیفہ بنے اور مشائخ نقشبندیہ کے بھی رستم بن گئے۔ پہلوان تو تھے ہی، اللہ نے روحانی پہلوان بھی بنا دیا۔ روحانی پہلوان کیوں کہا؟ اس لیے کہ واقعی اس نے ایک ایسے شاگرد کو تیار کیا جو دنیا میں ایک انقلاب برپا کرنے والا تھا اور ان کا نام تھا حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری۔ یہ رستم ان کے پیر بنے۔

(۱۵) خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۷۱۸ھ ــــــــ ۷۹۱ھ

کتابوں میں لکھا ہے کہ بخارا کے قریب کوئی تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر ایک علاقہ ہے، جس کا نام ہے ''قصر عارفاں'' بڑا عجیب علاقہ ہے، پہلے کسی وقت میں وہ ''قصرِ ہندواں'' مشہور تھا۔ وہاں خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ کے والد رہتے تھے۔ یہ ابھی چھوٹے تھے کہ بابا سماسیؒ ان کے گھر تشریف لائے۔ امیر کلال جو پہلوان تھے وہ بھی ساتھ تشریف لائے، حضرت سماسیؒ نے جب بچے (بہاؤالدین) کو دیکھا تو فرمایا: ''امیر کلال! مجھے اس بچے میں خیر نظر آتی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو اس بچے کی تربیت میں کروں گا اور اگر میری موت پہلے آ گئی تو اس کی تربیت آپ کرنا۔ مجھے امید ہے کہ یہ جگہ اس کی وجہ سے ''قصرِ عارفاں'' کہلایا کرے گی؛'' عجیب بات ہے کہ آج کے دور میں بھی اس پورے شہر اور بستی کا نام ''قصرِ عارفاں'' ہے۔

توجہ کا کمال

ان کی توجہ اتنی تھی کہ جو آدمی ان کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھتا تھا اس کو یوں محسوس ہوتا تھا، کہ جیسے اس کے سینے پہ کسی نے ''اللہ'' کا نام نقش کر دیا ہو۔ وہ کرتے کیا تھے؟ وہ ہاتھ کی انگلیوں میں لفظ ''اللہ'' کی شکل بناتے اور سالک کے دل پر انگلی رکھتے۔ ''کَانَ یَنْقُشُ اسْمَ اللّٰہِ

عَلٰی قُلُوْبِ السَّالِکِیْنَ''

اللہ نے ان کو جو روحانی قوت دی تھی، تصرف دیا تھا، اس روحانی قوت کو استعمال کر کے ''اللہ'' کہتے اور اللہ کا نام لوگوں کے دلوں پر نقش کر دیا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کا نام ''نقشبند'' پڑ گیا، کہ وہ اللہ کا نام دل میں بند کر دیتے تھے۔ ان سے پہلے یہ سلسلہ ''صدیقیہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ آپ اگر تصوف کی پرانی کتابیں پڑھیں تو ان میں صدیقیہ سلسلہ ہمارا ہی ہے، مگر ان کے دور میں اتنے لوگ اس سلسلے میں داخل ہوئے، کہ ان کے نام کی وجہ سے یہ ''سلسلۂ نقشبندیہ'' زیادہ مشہور ہو گیا۔

(۱۶) خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۲ھ ——

خواجہ نقشبند بخاریؒ کے خلیفہ اور داماد حضرت علاؤالدین عطارؒ تھے۔ یہ بڑے کامل بزرگ تھے۔ ایک دفعہ ان کی جگہ پر حاضری ہوئی، اس علاقے کو ''حصار'' کہتے ہیں، وہ تاجکستان اور ازبکستان کے بالکل بارڈر پر ہے، جب یہ عاجز وہاں گیا تو وہاں ایک عجیب پتھر دیکھا۔ ان کی خانقاہ کے آدمی نے کہا: ''حضرت اس پر نمازیں پڑھا کرتے تھے'' میں نے ان سے پوچھا کہ یہ پتھر پلین (ہموار) کیوں نہیں؟ جہاں ہاتھ رکھتے ہیں، گھٹنے رکھتے ہیں، پیشانی رکھتے ہیں وہاں باقاعدہ نشان بنے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کثرتِ سجود میں مشہور تھے۔ اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ نماز پڑھتے پڑھتے ان کی پیشانی کے، گھٹنوں کے پتھر پر نشان رہ گئے۔

ایک ہم لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں اور سجدوں کے نشان ہماری پیشانیوں پہ نہیں بنتے اور انہوں نے بھی سجدے کیے اور ان کی پیشانیوں کے نشان پتھروں کے اوپر رہ گئے۔

ع کوئی ایسا سجدہ کر زمیں پر نشاں رہے۔

وہ ایسے سجدے کر گئے کہ آج بھی پتھر ان کے سجدوں کی گواہیاں دیتے ہیں۔ یہ علامہ محمد شریف جرجانیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ علماء جانتے ہیں، علماء میں ان کا نام بہت مشہور ہے۔ وہ

اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''وَاللہ! مَاعَرَفْتُ الْحَقَّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی مَالَمْ اَصِلْ فِی خِدْمَۃِ الْعَطَّار'' (اللہ کی قسم! میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت کو نہیں پایا جب تک کہ میں عطار کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا)۔ (نفحات الانس)

ایسے بڑے بڑے حضرات بھی اپنے پیر و مرشد کی گواہیاں دیتے ہیں کہ جب تک میں ان کی خدمت میں نہیں پہنچا، اس وقت تک میں نے حق کو نہیں پہنچانا۔

(۱۷) مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

—— ۸۵۱ھ

ان سے یہ نسبت حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کو منتقل ہوئی۔ یہ افغانستان کے لوگوں کے پیر کہے جاتے ہیں۔ افغانستان کے لوگ ان سے بہت بیعت ہیں، حتی کہ اس وقت بھی ان کی مسجد اور مدرسے کا نظام افغانستان کے لوگوں نے سنبھالا ہوا ہے۔ وہ ملک تو ازبکستان ہے، لیکن مسجد اور خانقاہ کے متولی افغانستان کے لوگ ہیں۔ انہوں نے ایک تفسیر لکھی جو مکمل تو نہ ہو سکی، لیکن مسائل سلوک میں وہ تفسیر بڑی انمول ہے۔

(۱۸) خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۶ھ —— ۸۹۵ھ

حضرت مولانا محمد یعقوب چرخیؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شاگرد دیا، جس کا نام تھا ''حضرت'' خواجہ عبید اللہ احرارؒ یہ اپنے وقت کے بادشاہوں کے پیر تھے۔ ان کی جگہ سمرقند تھی۔ سمرقند میں ان کی اتنی بڑی مسجد اور مدرسہ ہے، کہ انسان دیکھے تو حیران ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا مال بھی بہت زیادہ دیا تھا اور علمی کمالات بھی بہت دیے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: ''اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا میں کسی پیر کو مرید نہ ملتا، مگر مجھے تو کسی اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا۔'' کسی نے پوچھا: ''وہ مقصد کیا ہے؟'' فرمایا: ''مجھے تو اپنے محبوب ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے پیدا کیا گیا۔''

ایک عجیب واقعہ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ مولانا جامیؒ کے پیر تھے۔ کتابوں میں عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مولانا جامی ان کی خانقاہ پر گئے، کہ میں دیکھوں تو سہی کہ حالات کیسے ہیں اور حضرت سے بیعت کروں۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھا؟ ان کے اونٹ اور گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قالین بچھے ہوئے ہیں اور محفل لگی ہوئی ہے۔ مولانا جامی اندر گئے ،جھانک کر دیکھا، کہ یہاں تو بڑی زیب وزینت ہے، انہوں نے دل میں کہا:

ع نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

''وہ مرد نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست بنائے ہوئے ہو۔''

اور وہیں سے واپس آ گئے، کہ میں بیعت نہیں کرتا۔ جب واپس آنے لگے تو راستے میں ایک جگہ نماز پڑھی اور قیلولہ کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

جب لیٹے تو نیند آ گئی اور خواب دیکھا، کہ قیامت کا دن ہے اور مولانا جامی کھڑے ہیں ۔حق لینے والے جمع ہیں اور حق لینے والے اتنے ہیں کہ یہ اپنی ساری نیکیاں بھی دے دیں تو ان کا حق پورا نہیں ہوتا۔ پریشان ہیں کہ کیا کروں؟ اتنے میں دیکھا کہ عبید اللہ احرارؒ اپنے مریدین کی جماعت کے ساتھ قریب سے گزر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر رک گئے اور پوچھا: ''مولانا! کیا بات ہے؟'' یہ عرض کرنے لگے: ''حضرت! اتنے لوگ حق مانگنے والے ہیں، میرے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں کہ میں ان کو دے سکوں۔'' فرمانے لگے: اچھا! میں آپ کی طرف سے ان کو اپنی نیکیوں میں سے کچھ دے دیتا ہوں۔ ان کی نیکیاں دے کر جب جان چھوٹی تو مولانا کی آنکھ کھل گئی۔

مولانا جامیؒ نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ مجھے حضرت سے نسبت ملنی ہے۔ جب واپس آئے تو اندر گئے اور حضرت سے ملے۔ حضرت اتنے صاحبِ کشف تھے کہ جب حضرت سے ملے تو انہوں نے فرمایا: ''مولانا! ذرا وہی بات کہیں جو آپ نے پہلی مرتبہ کہی تھی۔'' وہ کہنے لگے: ''نہیں حضرت! نہیں حضرت!'' فرمایا ''کہو تو سہی کیا کہا تھا؟'' عرض کیا: حضرت! میں نے

یہ کہا تھا:

ع نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

حضرت نے شعر مکمل کیا، فرمایا:

ع ''اگر دارد برائے دوست دارد

''اگر یہ مال پیسہ ہو تو پھر اللہ کے لیے ہو۔'' پھر فرمایا: ''یہ سونے، چاندی کی کیلیں زمین میں گاڑنے کے لیے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لیے نہیں ہوا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے کمالات عطا فرمائے تھے۔

(۱۹) خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ

——— ۹۳۶ھ

ان سے یہ نسبت خواجہ محمد زاہدؒ کو منتقل ہوئی۔ یہ اس علاقے کے بزرگ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی قبولیت عطا فرمائی تھی۔ یہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے نواسے تھے۔ جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے ان کو بیعت کیا تو اسی مجلس میں اپنی توجہات سے کمال تک پہنچا دیا اور خلافت عطا فرما دی۔ اس پر حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے پرانے خدام کہنے لگے: ''حضرت! ان کو تو آپ نے آتے ہی خلافت دے دی اور ہم جو برسوں سے یہاں پڑے ہیں، ہمارے حال پر تو کچھ خیال نہیں فرماتے!'' یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ''محمد زاہد چراغ، تیل اور بتی درست کر کے لائے تھے اور میں نے اس کو صرف روشن کر دیا ہے۔'' اللہ اکبر!!

(۲۰) خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ

——— ۹۷۰ھ

خواجہ محمد زاہدؒ سے یہ نسبت حضرت خواجہ درویش محمدؒ کو منتقل ہوئی۔ سمرقند میں ایک پہاڑ ہے، جس کی دوسری طرف ایک شہر ہے اور اس شہر کا نام ''شہر سبز'' ہے۔ اس علاقے میں سبزہ اتنا ہے، پھول بوٹے اتنے ہیں کہ اس پورے علاقے کا نام ''شہر سبز'' پڑ گیا۔ آپ حیران ہوں گے

کہ وہ کیسا خوبصورت شہر ہوگا جس شہر کو ''شہر سبز'' کہتے ہیں؟ واقعی اس عاجز نے جتنا سبزہ اس علاقے میں دیکھا کہیں اتنا سبزہ نہیں دیکھا۔ جو میٹل روڈ بنی ہوئی تھی اس پہ بھی کہیں کہیں بیلیں نکلی ہوئی تھیں اور ان پہ بھی پھول لگے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں اللہ نے اس جگہ میں کیا زرخیزی رکھ دی؟ یہ پہلے کسی وقت میں علاقے کا دارالخلافہ بھی رہا۔ حکومت نے پہلے اس کو دارالخلافہ بنایا، بعد میں دوسری سہولیات کی وجہ سے اس نے سمرقند کو دارالخلافہ بنالیا۔ حضرت خواجہ درویش محمدؒ اس علاقے کے رہنے والے تھے۔

(۲۱) خواجہ محمد املکنگی رحمۃ اللہ علیہ

۹۱۸ھ ——— ۱۰۰۸ھ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ محمدؒ کو منتقل ہوئی۔ ''املکنہ'' ایک گاؤں کا نام تھا۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے اور خواجہ محمد املکنگی مشہور ہوئے۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے محسن ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے ایک خلیفہ کو تیار کیا، نسبت عطا کی اور اس کو خلافت دے کر دہلی کی طرف بھیجا۔ فرمایا: ''جاؤ! اس نسبت کو وہاں پہنچاؤ'' اس کا نام تھا ''خواجہ باقی باللہؒ'' ان کی وجہ سے یہ نسبت وسط ایشیا سے ہندوستان (دہلی) میں پہنچی۔

بایزید بسطامیؒ سے پہلے یہ نسبت مدینہ طیبہ میں تھی، عرب میں تھی، حجاز میں تھی، وہاں سے یہ نسبت وسطِ ایشیا میں آئی اور پھر باقی باللہؒ کے واسطہ سے یہ نسبت برِصغیر پاک و ہند کے اندر آئی۔

(۲۲) خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

۹۷۱ھ ——— ۱۰۱۲ھ

خواجہ محمد املکنگیؒ کے خلیفہ تھے حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ۔ یہ سمرقند کے رہنے والے تھے۔ دہلی میں آکر انہوں نے ڈیرا لگایا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے: ''مجھے جو مقام ملا ہے، وہ میری والدہ ماجدہ کی پر خلوص دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ وہ اس طرح کہ جب میری والدہ ماجدہ تلاشِ حق میں میری جستجو، بے قراری، شب بیداریوں کی کثرت اور روز بروز کمزوری کو دیکھتی تھیں تو دل ہی دل میں بہت پریشان ہوتی تھیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نہایت آہ وزاری اور لجاجت کے ساتھ یہ دعا کرتی تھیں ''خداوند! میرے اس فرزند کی مراد کو پورا کردے، جس نے تیری طلب میں سب سے اپنا تعلق منقطع کرلیا ہے۔ ورنہ مجھے زندہ نہ رکھ، کیونکہ میں اس کی ناکامی اور بے آرامی کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتی۔'' حضرت فرماتے ہیں: ''میری والدہ ماجدہ اکثر تہجد کے وقت اللہ رب العزت سے ایسی دعائیں مانگتی تھیں۔ پس والدہ محترمہ کی اس دعا کی برکت سے مجھے یہ مراتب نصیب ہوئے ہیں۔''

حضرتؒ کی تواضع

حضرت جیؒ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی بندہ آپ کی خانقاہ میں بیعت ہونے کے ارادے سے آتا تھا تو اس کو عذر پیش کرتے ہوئے فرماتے: ''میں کس لائق ہوں؟ تم نے میرے بارے میں جو گمان کیا ہے، وہ میری حیثیت سے بہت بلند ہے، لہٰذا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ' اگر کوئی رہبر مل جائے تو مجھے بھی بتادینا، تاکہ ہم بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض حاصل کریں۔'' لیکن سچی طلب والے آپ کی خانقاہ میں ہی قیام پذیر رہتے اور اپنا گوہرِ مقصود پاتے تھے۔

مخلوقِ خدا پر رحم وکرم

حضرت مخلوقِ خدا پر بہت رحم فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں آپ اپنے بستر سے اٹھے اور تہجد پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ اتنے میں ایک بلی سردی سے کانپتی ہوئی آپ کے بستر میں سوگئی۔ جب آپ واپس سونے کے لیے بستر کے پاس آئے اور دیکھا کہ

ایک بلی آپ کے بستر میں دبک کر بیٹھی ہوئی ہے، تو آپ نے خود تو سردی کے اندر ٹھٹھرے ہوئے رات گزار لی، مگر اس بلی کو بستر سے اٹھانا گوارا نہ کیا۔

خاموش طبعی

حضرت خواجہ باقی باللہؒ نہایت خاموش طبع انسان تھے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی کہنے لگا: ''حضرت! آپ کوئی نصیحت فرمائیں۔'' حضرت نے جواب دیا: ''جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا، وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔''

(۲۳) خواجہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۳۴ھ ——

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو ایک شاگرد عطا کیا۔ شاگرد بھی وہ جو کروڑوں پر بھاری تھا۔ ان کا نام ''احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانیؒ'' تھا۔ جو دوسرے ہزار سال کے مجدد بنے۔

دین اکبری اور اس کی سرکوبی

احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں ایک بادشاہ ہندوؤں کے زیرِ اثر آ گیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی کئی باتیں جاری کر دی تھیں اور اسلام کی کئی باتوں کو اس نے ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے ایک نیا دین بنا لیا تھا جس کا نام اس نے دین الٰہی رکھا ہوا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی جیسے درباری مُلّا اس کے ساتھ تھے۔ عالم تو تھے، اس میں کوئی شک نہیں۔ دونوں بھائیوں نے مل کر ایک بے نقط تفسیر لکھی۔ اس عاجز کو وہ تفسیر دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ اس کا نام ''سواطع الالہام'' یعنی اس کے نام میں بھی نقطہ نہیں ہے۔

دونوں بھائی اتنے ذہین تھے کہ چھوٹا فیضی ایک مرتبہ کوئی شعر یا نظم سنتا تو اسے وہ اسی وقت یاد ہو جاتی اور بڑا دو مرتبہ سنتا تو اسے بھی یاد ہو جاتی۔ یہ دونوں اکبر کے بڑے مصاحب

بنے ہوئے تھے اور لوگوں کی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اگر کوئی شاعر قصیدہ پیش کرتا تو فیضی کھڑا ہو جاتا، کہتا: ''بادشاہ سلامت! یہ تو میرا قصیدہ ہے۔ میں ابھی سنا دیتا ہوں۔'' چونکہ ایک دفعہ سن جو لیتا تھا بادشاہ کہتا ''اگر تمہارا ہے تو تم پڑھ کر سناؤ!'' یہ کھڑا ہو جاتا اور پورا قصیدہ پڑھ دیتا۔ اب چونکہ دو مرتبہ پڑھا جا چکا ہوتا، ایک مرتبہ شاعر نے کہا اور دوسری مرتبہ بھائی نے پڑھا تو دو دفعہ سن کر بڑے بھائی کو بھی یاد ہو جاتا۔ تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا اور کہتا: ''بادشہ سلامت! میں تائید کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے۔ میں بھی سنا سکتا ہوں۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو پریشان کیا ہوا تھا۔

تاہم کتابوں میں لکھا ہے کہ تفسیر میں یہ کئی مقامات پر اٹک گئے۔ وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پھر ان کو بتایا کہ یہاں قرآن پاک کی تفسیر کا حل کیسے کرنا ہے؟ علمی طور پر حضرت سے یہ بڑے متاثر تھے۔ جانتے تھے، پہچانتے تھے کہ ہاں! یہ ہستی ایک کھری ہستی ہے۔

انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں کہا: ''جناب! آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں۔ اکبر آپ کا نام ہے۔ آپ کو تو تعظیمی سجدہ ہونا چاہیے۔ اپنے طور پر دلیلیں بھی دیں، مگر جب تک چند بڑے بڑے علماء آپ کی تائید نہیں کریں گے عوام الناس بات نہیں مانیں گے۔'' اس نے کہا: ''اچھا! جاؤ اور ان سے فتویٰ لکھوا کر لاؤ!''

چنانچہ جب یہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے پاس اس سلسلے میں آئے تو آپ نے صاف فرما دیا کہ یہ ممکن ہی نہیں، میں تعظیمی سجدہ حرام سمجھتا ہوں۔ انہیں بادشاہ کو بھڑکانے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگے: ''دیکھیں! یہ آپ کے خلاف مریدین کی فوج تیار کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی طرح اس کو تعظیمی سجدہ پر قائل کریں۔'' اب انہوں نے ایک تجویز سوچی، کہنے لگے: بادشاہ سلامت! ہم ایک دیوار بناتے ہیں، جس میں دروازہ ذرا نیچے لگائیں گے اور آپ اس کے دوسری طرف دربار لگا کر بیٹھیں۔ جب سپاہی ان کو گرفتار کر کے لائیں گے اور وہ دروازے میں سے داخل

ہوں گے تو وہ ذرا جھک کر داخل ہوں گے، آگے آپ بیٹھے ہوں گے۔ ہم کہیں گے یہی تو تعظیمی سجدہ ہے! کوئی زمین پر پیشانی لگانی ضروری نہیں ہے۔ بس ذرا سا جھکنا ہی تعظیمی سجدہ ہے۔ ہم اس کو سند بنالیں گے'' چنانچہ سپاہیوں کو بھیج کر گرفتار کروایا۔ حضرت کو کیا معلوم کہ کہاں جارہے ہیں؟ جب قریب پہنچے تو آپ نے دروازہ دیکھا جو اپنے عام سائز سے چھوٹا تھا۔ پہلے سپاہی داخل ہوگئے۔ انہوں نے حضرت سے کہا: ''آپ بھی اندر آئے!'' حضرت کو اللہ نے باطنی فراست دی تھی۔ حضرت نے بجائے اس کے کہ سر پہلے داخل کرتے اور پاؤں بعد میں، اور جھک کر اندر جاتے۔ دروازے میں پہلے اپنا پاؤں رکھا، پھر دوسرا پاؤں رکھا اور سیدھے ہو کر اندر داخل ہوگئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ گُر بھی کامیاب نہیں ہوا تو انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! یہ بندہ تو بس آپ کی بغاوت کردے گا۔'' بادشاہ نے گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں بند کروادیا۔ دو سال تک آپ وہاں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

اب قضاء وقدر کے فیصلے دیکھیے! اللہ تعالیٰ اب تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ بادشاہ اکبر کو کہیں لشکر کشی کرنی پڑی۔ چنانچہ اسنے فوج کو تیار کیا اور لے کر چلنے لگا۔ کسی نے کہا: ''یہ جو حضرت پیچھے قلعے میں بند ہیں ان کے مریدین تو ان کو قلعے سے نکال لیں گے اور لا کر تخت پر بٹھادیں گے۔ پھر کیا بنے گا؟'' کہنے لگا: ''اچھا! ان کو بھی اپنا ساتھ رکھو!'' چنانچہ انہوں نے گرفتار حالت میں حضرت کو اپنے لشکر کے ساتھ رکھا۔ اب جب ساتھ سفر کررہے تھے، تو حضرت نمازیں پڑھتے اور جو حضرت کے قریب کچھ لوگ آکر بیٹھتے محفل لگتی، جو فوج کے بڑے بڑے جرنیل تھے، جب وہ بادشاہ سے ملتے اور اس سے مختلف باتیں ڈسکس (مذاکرہ) کرتے تو واپس جاتے ہوئے کہتے، کہ ذرا احمد سرہندی کے پاس بھی جا کر بیٹھتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ وہ حضرت کی صحبت میں آنے لگے، رنگ چڑھنے لگا، دل کی دنیا بدلنے لگی۔ انہوں نے دیکھا یہ تو متقی پرہیزگار اور واصل باللہ بندے ہیں۔ معلوم نہیں بادشاہ کو ان سے کیوں عداوت ہے؟ یہ تو ایسے بندے ہیں جو باخدا ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔

یہ وہ سفر ہے جس کو بابر نے بھی اپنی کتاب ''تزکِ بابری'' میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ لشکر کے ساتھ تھے اور وہاں سے جاتے ہوئے مختلف علاقوں میں گئے۔ اس میں لاہور کا بھی نام آیا اور جھنگ میں چنیوٹ کا بھی نام آیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اکبر کے لشکر کے ساتھ آئے اور چنیوٹ میں انہیں تین دن پڑاؤ ڈالنے کا موقع ملا۔ چنیوٹ کی سرزمین کو حضرت کے قدموں کے ساتھ لگنے کی سعادت نصیب ہے۔

جب یہ حضرات واپس گئے تو واپس جا کر فوج کے بڑے بڑے جرنیلوں نے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت! ہم نے پورے سفر میں ان کو دیکھا یہ تو بڑے نیک بزرگ ہیں اور جو بات کرتے ہیں کھری کرتے ہیں۔ اگر آپ کو بادشاہی کی ضرورت ہے تو آپ کی شاندار نوکری لگی ہے، آپ بادشاہی کرتے رہیں۔ ان کے خلاف کیا آپ نے محاذ کھولا ہوا ہے؟ اگر آپ کو بادشاہی نہیں چاہیے تو پھر ہم ان کو بنا دیتے ہیں۔ فوج تو وہی ہے جو ہم جرنیلوں کے ہاتھ میں ہے۔

اکبر بڑا سمجھدار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرے سارے جرنیل مجھے کہہ رہے ہیں کہ جناب! یہ معاملہ نہیں چلے گا تو وہ کہنے لگا: ''انہیں لے آؤ! جو وہ کہیں گے میں کرتا چلوں گا۔'' حضرت کی جو توجہات تھیں، انہوں نے جرنیلوں کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ جرنیل فوج کے جرنیل ہی نہ تھے، دین کے بھی جرنیل بن چکے تھے۔ چنانچہ حضرت کو جیل سے آزاد کیا گیا اور کہا گیا کہ جو آپ کہیں گے ہم اسی طرح ملک کے اندر تبدیلی لاتے جائیں گے۔ یوں اللہ نے ان سے دین کا کام لیا۔ اس لیے انہیں ''مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے ہیں۔

(۲۴) خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۰۷ھ ـــــــ ۱۰۷۹ھ

ان کے ایک بیٹے تھے، جن کا نام خواجہ محمد معصومؒ تھا۔ ان کی ولادت سے پہلے حضرت کو الہام ہوا، کہ ہم آپ کو ایک ایسا بیٹا دیں گے جو پیدائشی ولی ہوگا۔ وہ اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ کبھی نہیں کرے گا۔ حضرت نے اس نسبت سے ان کا نام ''محمد معصوم'' رکھا۔ یہ محمد معصوم ایسے تھے

جو رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا کرتے تھے۔ اسی سال رمضان المبارک کے بعد عید کا چاند دیکھنے میں فرق لگا۔ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا: ''حضرت! ہم نے عید تو پڑھ لی۔ معلوم نہیں ٹھیک بھی پڑھی ہے یا نہیں؟'' حضرت نے ایک بچے سے کہا: ''جاؤ، پوچھ کے آؤ! آج محمد معصوم نے دودھ پیا ہے یا نہیں؟'' والدہ نے کہلا بھیجا کہ ہاں! بچے نے دودھ پی لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''الحمدللہ!'' ہم نے صحیح دن نمازِ عید ادا کی ہے۔

بادشاہوں کے پیر

اللہ نے ان سے دین کا کام بہت لیا۔ بڑے بڑے بادشاہ ان سے بیعت ہوئے۔ افغانستان کا بادشاہ ان سے بیعت ہوا، حتیٰ کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے بادشاہ ان کے خلیفہ بنے۔ ان کے تین ہزار خلفاء تھے۔

بادشاہ کی عقیدت مندی

اس عاجز کو سرہند حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ جب خواجہ محمد معصومؒ کی مبارک قبر کی طرف جانا ہوا، تاکہ ایصالِ ثواب کریں تو دیکھا کہ ایک راستہ ہے جو سیدھا جا رہا ہے۔ بہت چوڑی سڑک ہے، مگر راستے میں ایک اور قبر بنی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ وہاں کے سجادہ نشین بھی تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اتنا صاف سیدھا راستہ ہے، کیا ہوا کہ درمیان میں ایک قبر بن گئی؟ پہلے یہ قبر تھی اور بعد میں راستہ بنایا یا پہلے راستہ تھا بعد میں قبر بنائی گئی؟ کہنے لگا: ''راستہ پہلے تھا، قبر بعد میں بنائی گئی'' میں نے کہا: ''ایسے کیوں کیا؟ اس طرح تو لوگوں کے لیے مشکل ہوتی ہے، جب اجتماع ہوتا ہوگا اور زیادہ لوگ آتے ہوں گے تو ان کو تنگی ہوتی ہوگی؟'' کہنے لگے: جی ہاں! یہ افغانستان کے فلاں بادشاہ تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے افغانستان میں دفن کرنے کے بجائے اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں دفن کرنا۔ ایسے مشائخ تھے کہ بادشاہ بھی ان کے قدموں میں دفن ہونے کے لیے تمنائیں کیا کرتے تھے۔

(۲۵) خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۴۹ھ ۱۰۹۶ھ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ سیف الدینؒ کو منتقل ہوئی۔ یہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے پانچویں فرزند تھے۔ آپ کے والد حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے گیارہ سال کی عمر میں ہی فنائے قلب کی بشارت عطا فرمادی تھی۔ آپ کی استعداد دیکھ کر ان کو ہر وقت آپ کی ترقی کا خیال رہتا تھا۔ وہ آپ کے ظرف کو نہایت عمیق خیال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عین ایامِ شباب میں ولایت کا مقام پالیا۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک نیک دل انسان تھا۔ وہ بھی آپ سے توجہات لیا کرتا تھا۔ ان توجہات کی برکت سے بادشاہ کی روحانی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا۔ چنانچہ ہندوستان کی تاریخ میں ''فتاوی ہندیہ'' کی تدوین اس کا مشہور دینی کارنامہ ہے۔ آپ کی خانقاہ میں چار سو آدمی جمع رہتے تھے اور جو شخص جو فرمائش کرتا تھا، اس کے لیے وہی کھانا تیار ہوتا تھا۔ اس قدر ناز و نعمت کے ماحول میں بھی سالکین روحانی طور پر بلند مقام پالیا کرتے تھے۔

(۲۶) خواجہ حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سیف الدین سے یہ نسبت حضرت خواجہ حافظ محمد محسنؒ کو منتقل ہوئی۔ آپ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ سلوک کے بلند مقامات پر فائز تھے۔ آپ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے اندر عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ مرجع خلائق اور صاحبِ کمالات عالیہ تھے۔

(۲۷) خواجہ سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۱۱۳۵ھ

ان سے یہ نسبت آگے سید نور محمد بدایونیؒ کو منتقل ہوئی۔ جہاں حضرت نظام الدین اولیاءؒ

کا مزار ہے۔ اس کے قریب ایک باغ ہے، جس میں یہ آرام فرما ہیں۔ وہاں کا ماحول اتنا پر سکون ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی کتاب ''یادِ ایام'' میں لکھتے کہ مولانا الیاسؒ پر ایک وقت ایسا آیا، جب اللہ نے ان پر دعوت کا کام کھولا تو حضرت اس وقت نظام الدین کے مدرسہ میں رہنے کے بجائے سید نور محمد بدایونیؒ کی خدمت میں جا کر بیٹھتے اور صبح سے شام تک مراقبہ کرتے رہتے۔ لکھتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو پانچ چھ طلباء لوٹے میں پانی بھر کر وہاں لے جاتے۔ حضرت ایک لوٹے سے طہارت کر لیتے اور دوسرے لوٹے سے وضو بنا لیتے۔ وہیں پہ آپ امامت کرواتے۔ طلباء پیچھے ہوتے تاکہ آپ کو جماعت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ طلباء نماز کے بعد واپس آ جاتے۔ آپ اسی طرح پھر مراقبے میں بیٹھ جاتے۔ اس طرح ہر نماز جماعت کے ساتھ بھی ادا کر لیتے اور پھر اس نماز سے اگلی نماز تک مراقبہ بھی کرتے۔ فرمایا: ''کتنے مہینوں تک آپ کی یہی کیفیت رہی۔ یہ وہ ایام تھے جب اللہ نے ان پر دعوت و تبلیغ کے کام کو کھولا تھا'' یہ ہمارے مشائخ کی جگہیں ہیں۔ ان جگہوں پہ اللہ کے نیک بندوں کے قدم لگے ہوئے تھے۔

(۲۸) خواجہ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱ھ ——— ۱۱۹۵ھ

سید نور محمد بدایونیؒ سے یہ نسبت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کو منتقل ہوئی۔

جمال پسندی کا غلبہ

مرزا مظہر جان جاناںؒ عجیب بزرگ گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال بھی بڑا دیا تھا اور ان پر تجلیات کا ظہور بھی بہت تھا۔ ان کو طبعاً جمال پسند تھا۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بعض طبیعتیں صاف ستھری اور اچھی چیزوں کو پسند کرتی ہیں اور کئی گندے مندے بنے رہتے ہیں۔ ان پر اللہ رب العزت کی صفتِ جمال کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لیے ان کو ہر چیز حسن و جمال کے ساتھ ہی اچھی لگتی تھی۔

کشف و کرامات

اتنے صاحبِ کشف تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے آپ کی خدمت میں انگور پیش کیے اور کہا: ''حضرت! میں آپ کے لیے انگور تحفہ میں لایا ہوں'' حضرت نے انگور لے کر کھانا چاہے، منہ کے قریب لے گئے اور واپس کر دیے۔ اس نے کہا: ''حضرت! کھا لیجیے! حضرت نے فرمایا: ''مجھے ان میں سے مردوں کی بو آ رہی ہے۔'' وہ حیران ہوا کہ حضرت! میں تو بازار سے خرید کر لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ''جا کر پتہ کرو۔'' جب پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ جو بندہ بیچنے آیا تھا، اس نے بیلیں قبرستان میں لگائی ہوئی تھیں۔ قبرستان میں بیل اگی اور اس کا انگور جب آپ کے ہاتھ میں آیا تو کھاتے ہوئے اللہ نے باطنی فراست کے ذریعے بتلا دیا، کہ اس میں سے مردوں کی بو آ رہی ہے۔ اتنے صاحبِ کشف تھے!

طبیعت میں بڑا جمال تھا حتیٰ کہ ابھی چھوٹے بچے تھے، چلنا بھی نہیں سیکھا تھا، اس وقت اگر کوئی ان کو بدصورت مرد یا عورت اٹھانا چاہتی تو اس کے پاس نہیں جاتے تھے، روتے تھے، اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کا اثر ان کے اوپر ایسا تھا۔

ایک مرتبہ بیٹھے تھے۔ ان کے پاس وقت کا نواب آیا۔ وہ آ کر حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں اسے پیاس لگی اور کہنے لگا: ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں آپ کے اس مٹکے سے پانی پی لوں؟ حضرت نے فرمایا: ''پی لو'' اس نے جا کر پانی پی لیا اور پیالہ واپس رکھتے ہوئے ذرا ٹیڑھا رکھ دیا۔ جب حضرت کی نظر پڑی تو ان کو ناگوار گزرا۔ وہ آ کر بیٹھا رہا اور بات چیت کرتا رہا۔ جاتے ہوئے کہنے لگا: ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں کوئی خادم بھیج دوں؟ آپ کے پاس خادم کوئی نہیں، وہ آپ کی خدمت کر دیا کرے گا۔'' حضرت نے فرمایا: ''تیرا اپنا تو یہ حال ہے کہ پانی پینے کے بعد پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا، میرے سر میں اسکے بعد سے ابھی تک درد ہو رہا ہے تیرا خادم آیا تو پتہ نہیں میری کیا گت بنا جائے گا۔''

ان کے پاس ایک مرتبہ ایک ہندو آیا اور کہنے لگا: ''مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔''

یہ کشف کوئی شرعی چیز نہیں ہے۔ محنت اور ریاضت سے کافروں کو بھی مل جاتا ہے۔ دین کی کوئی چیز ہو تو وہ مسلمان ہی کو ملے گی۔ البتہ جس چیز کا تعلق فقط کیفیت سے ہو تو وہ ہندوؤں کو بھی مل سکتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا تھا کہ مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''اچھا! مجھے میرا دل دیکھ کے بتاؤ کیسا ہے؟'' اس نے دیکھا تو کہنے لگا: ''مجھے تو آپ کا دل بالکل سیاہ نظر آتا ہے۔'' فرمایا: ''اچھا بتاؤ! کہ تمہیں یہ کشف کیسے حاصل ہوا؟'' کہنے لگا: میں نے ہر کام اپنے جی کے خلاف کیا تو مجھے یہ نصیب ہو گیا۔ فرمایا کہ پھر تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟ اور ساتھ توجہ بھی دی۔ وہ کہنے لگا:

''بس میرا جی نہیں کرتا۔'' حضرت نے فرمایا: ''جب باقی کام جی کے خلاف کیے تو یہ کام بھی جی کے خلاف کرلو۔'' وہ توجہ ایسی تھی کہ اثر کر گئی۔ کہنے لگا: ''اچھا میں یہ کام بھی جی کے خلاف کرتا ہوں۔'' چنانچہ وہیں کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر حضرت نے فرمایا: ''ذرا اب میرے دل کو دیکھو۔'' اس نے دیکھا تو کہنے لگا: ''حضرت! اب تو مجھے اس میں نور ہی نور نظر آتا ہے۔'' حضرت نے فرمایا: ''دیکھو! میرا دل آئینے کے مانند ہے۔ جب پہلے تم نے دیکھا تو تمہیں کالا نظر آیا، وہ تمہارا اپنا دل تھا جو میرے دل میں منعکس ہو رہا تھا۔ اب تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ اس لیے میرا دل نورانی نظر آیا ہے، کیونکہ کلمے نے تمہارے کالے دل کو منور کر دیا ہے۔''

شاہ ولی اللہؒ کی گواہی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس وقت ان کے پاس تھے۔ وہ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں ولی اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں مظہر جانِ جاناں جیسا تزکیہ اور تصفیہ والا آدمی کوئی نہیں ہے۔

استغناء کا عالم

ان کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ بادشاہِ وقت نے پیغام بھیجا کہ حضرت! میں آپ کو کچھ زمین دینا چاہتا ہوں، آپ تشریف لائیں! حضرت نے پیغام بھیجا کہ جناب! اللہ تعالیٰ نے اس

پوری دنیا کو قرآن مجید میں قلیل کہا: {قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ} (النساء: ۷۷)

فرمایا: ''جس پوری دنیا کو اللہ نے قلیل کہا، اس قلیل میں سے تھوڑا سا حصہ آپ کو ملا ہے۔ اس تھوڑے سے حصے سے تھوڑا سا آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔ اتنا تھوڑا لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے''۔ یوں انکار فرمایا۔

(۲۹) خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۵۸ھ ـــــــ ۱۲۴۰ھ

ان سے یہ نسبت شاہ غلام علیؒ کو منتقل ہوئی۔ جو تیرہویں صدی کے ''مجدد'' کہے جاتے ہیں۔ آپ کا نسب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت کا اتنا زیادہ کام ہوا، کہ شاید ہی کسی شیخ کی زندگی میں جاری ہوا ہو۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عرب، بغداد، روم، کابل، بخارا اور بلخ میں بھی آپ کے خلفاء اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے پہنچے۔

عاجزی وانکساری

آپ کے اندر عاجزی وانکساری بہت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ''جو کتا میرے گھر میں آتا ہے میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں، الٰہی! میں کون ہوں جو تیرے دوستوں کو وسیلہ بناؤں؟ اس مخلوق کے واسطے تو مجھ پر رحم فرما۔''

ایک عجیب بات

اللہ والوں کے اخلاق میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ وہ کسی بندے سے الجھنا پسند نہیں کرتے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی زندگی میں ایک عجیب بات تھی۔ لوگ آپ کی کتابیں لے جاتے اور پھر وہی کتابیں بیچنے کے لیے آپ کے پاس لاتے اور آپ قیمت دے کر وہ کتابیں خرید لیتے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت! یہ تو آپ کے کتب خانے کی کتابیں ہیں اور ان پر یہ

نشانی بھی موجود ہے، تو آپ سختی سے منع کرتے اور فرماتے: ''کیا ایک کاتب چند نسخے نہیں لکھ سکتا؟''۔

(۳۰) خواجہ ابوسعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۹۶ھ ——— ۱۲۵۰ھ

ان سے یہ نسبت حضرت خواجہ ابوسعیدؒ کو منتقل ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملتا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سے مشورہ کیا کہ مجھے کس شیخ سے بیعت ہونا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا: ''اس وقت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی نہیں ہے۔''

چنانچہ آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ اس کے بعد پورا سلوک تفصیل سے سیکھا۔ آپ پندرہ سال تک حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں رہے۔ حضرت شاہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ تقریباً نو سال تک مسند آرائے ارشاد رہے اور سالکینِ طریقت نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے مزاج میں اس قدر نرمی تھی کہ جو لوگ شاہ صاحب کے منکر تھے وہ بھی آپ کے معتقد ہو گئے۔ آپ نے سلوک مجددیہ میں ایک رسالہ لکھا بھی جس کا نام ''ہدایۃ الطالبین'' ہے، جو فارسی زبان میں ہے۔

(۳۱) خواجہ شاہ احمد سعید مدنی رحمۃ اللہ علیہ

——— ۱۲۷۷ھ

حضرت شاہ احمد سعید مدنیؒ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ نے مولوی فضل امام اور مولوی رشید الدین خان کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے حدیث کی سند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل ہے'' آپ فرمایا کرتے تھے: ''ابتدائی مرید چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفع و نقصان سے واقف نہیں ہوتا۔ اگر بچہ مدتِ رضاعت سے پہلے ہی

دودھ پلائی سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسکی نشوونما میں نقصان ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر مرید بھی روحانی استعداد پیدا ہونے سے قبل جدا ہوجائے تو وہ بھی ناقص اور ابتر ہوجاتا ہے۔''

آپ نہایت ہی کریم النفس، رقیق القلب، دائم الذکر اور حلیم الطبع انسان تھے۔ اگر آپ کے مریدوں میں سے کسی سے کوئی لغزش سرزد ہوجاتی تو اس کو اپنی طرف منسوب کرتے اور فرماتے: ''دراصل قصور میرا ہے۔ اگر مجھ میں کمال ہوتا تو تم سے یہ بات واقع نہ ہوتی۔''

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(۳۲) خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۱۶ھ ——— ۱۲۸۴ھ

ان سے یہ نسبت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کو منتقل ہوئی۔ یہ وہ شخصیت ہیں جو افغانستان کے رہنے والے تھے۔ دہلی گئے، بیعت ہوئے اور وہاں سے ان کو پاکستان بھیجا گیا۔ افغانستان کے راستے ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب کچھ فاصلے پر ایک جگہ ہے، جسے ''موسیٰ زئی شریف'' کہتے ہیں، وہاں تشریف لائے اور وہاں انہوں نے دین کا کام کیا۔ اس وجہ سے یہ سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت ہندوستان منتقل ہوئی۔

(۳۳) خواجہ عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۴۴ھ ——— ۱۳۱۴ھ

خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کے ایک مرید و خلیفہ تھے، جن کا نام خواجہ عثمان دامانیؒ تھا۔

آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد بڑے عابد، زاہد اور جلیل القدر فقیہ تھے۔ آپ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء میں سے اجل خلیفہ تھے اور کمال و تکمیل کے منصب پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری

ایام میں آپ کو جانشین نامزد فرمادیا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے مستقل طور پر خانقاہی نظام کو بلند ہمتی کے ساتھ چلایا اور تقریباً تیس سال تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت وترویج میں مشغول رہے۔ آپ کا انتقال ستر سال کی عمر میں ہوا اور موسیٰ زئی شریف میں اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی دوست محمدؒ کے قدموں میں دفن ہوئے۔

(۳۴) خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۹۷ھ ——— ۱۳۳۳ھ

آگے ان کے ایک خلیفہ تھے، حضرت خواجہ سراج الدینؒ۔ یہ نوجوان تھے، عالم تھے۔ ۳۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مگر اللہ نے ان کو عجیب قبولیت دی تھی کہ ان سے علماء، خلفاء، صلحاء کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی، جنہوں نے پورے ملک میں اور بیرون ملک کے اندر اس فیضان کو پہنچادیا۔ چنانچہ ''خانقاہ سراجیہ'' کندیاں شریف کا فیضان بھی وہیں سے ہے۔ ''خانقاہ فضلیہ''، مسکین پور شریف کا فیضان بھی وہیں سے ہے۔ حضرت مولانا حسین علیؒ بھی انہی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ غلام حسن سواکؒ بھی وہیں سے تھے۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ہندوؤں کو توجہ دیتے تو وہ کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ ہندوؤں نے ان پر مقدمہ کردیا، کہنے لگے کہ یہ ہمارے لوگوں کو زبردستی مسلمان کردیتے ہیں۔ ایک ہندو جج تھا، اس نے آپ کو بلالیا۔ آپ وہاں گئے اور کہا کہ میرا جرم کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: ''آپ کا جرم یہ ہے کہ آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں۔'' سامنے ہندو کھڑے تھے۔ آپ نے ایک کی طرف اشارہ کیا، فرمایا: ''اسے میں نے مسلمان بنایا ہے؟'' اس نے کلمہ پڑھنا شروع کردیا۔ دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو اس نے کلمہ پڑھنا شروع کردیا۔ جب دو تین کی طرف اشارہ کیا تو ہندو جج ڈر گیا کہ کہیں میری طرف اشارہ نہ کردیں۔ کہنے لگا: ''اچھا! اچھا! میں مقدمے کا فیصلہ کردیتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا تصرف عطا کیا تھا!!

(۳۵) خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۳۵ء

ان سے یہ نسبت خواجہ فضل علی قریشیؒ کو منتقل ہوئی۔ آپ مسکین پور شریف (مظفر گڑھ) سے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی خانقاہ واقع موسیٰ زئی شریف میں پیدل جایا کرتے تے۔ انتہائی مختصر زادِ راہ کے ساتھ تقریباً اڑھائی سو میل کا یہ سفر اکیلے طے کرتے تھے۔ دورانِ سفر جب بھوک ستاتی تو کبھی چنے چبا لیتے اور کبھی گاجریں وغیرہ کھا لیتے۔

شیخ کے جانوروں کی خدمت

شیخ کی خانقاہ میں باقی سالکین علوم و معارف سیکھتے، مگر حضرت قریشیؒ سارا دن اپنے شیخ کے جانور چراتے۔ جانور خود بھی چراتے اور حضرت گھاس کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالتے، تاکہ خوب سیر ہو جائیں، شام واپس آتے ہوئے چارے کی ایک گٹھری بھی سر پر اٹھا کر لاتے۔

شیخ کی خانقاہ میں شب و روز

پیر و مرشد کی خانقاہ میں رات کو سوتے وقت حضرت اپنے پیر بھائیوں کے درمیان لیٹ تو جاتے، مگر جب دیکھتے کہ سب سو گئے ہیں، تو اٹھ کر باہر چلے جاتے اور پوری رات ''اللہ اللہ اللہ'' کرنے میں گزار دیتے۔ جب کبھی پیر و مرشد کی مجلس میں حضرت کو بیٹھنے کا موقع ملتا تو آپ یہ سوچتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بیٹھتے، کہ میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے۔

اجازت و خلافت

حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے دہلی کے سفر میں آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر آپ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ذریعے رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ کی جو شمع روشن

کی، اس کی روشنی دور دور تک پھیل گئی اور ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا سبب بنے۔ آپ کی ساری عمر اصلاحِ نفوس، احیائے سنت اور ترویج و اشاعتِ اسلام میں بسر ہوئی۔

(۳۶) خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے یہ نسبت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کو منتقل ہوئی، جو ''امام العلماء والصلحاء'' کہلاتے ہیں۔ ان کو ''پاک و ہند کا پیر'' کہا جاتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ان کو دیکھا تو ان سے دعاؤں کے لیے کہا۔ حضرت اقدس تھانویؒ کو ملنے تشریف لے گئے۔ جو مرضی آجاتا انہوں نے کبھی معمولات قضا نہیں کیے تھے، لیکن جب حضرت صدیقیؒ پہنچے تو پوچھا: ''تعارف کیا ہے؟'' آپ نے کہا کہ میں ایک درویش نقشبندی ہوں۔ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ حضرت نے اپنے معمول کو چھوڑ دیا اور سارا دن حضرت کے ساتھ بیٹھ کر ذکر و سلوک کی گفتگو میں گزارا۔ جب حضرت کو رخصت کرنے لگے تو اس وقت ان کے آخری الفاظ یہ تھے: ''عبدالمالک! ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا اور قیامت کے دن ہمیں بھول نہ جانا'' یہ اتنے محتاط بزرگ کے الفاظ تھے۔

دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ حضرت صدیقیؒ کو دعوت دیتے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں ان کا پندرہ دن قیام کرواتے تھے۔ حضرت مدنیؒ اس وقت شیخ الحدیث تھے۔

ایک مرتبہ مفتی کفایت اللہؒ درس دے رہے تھے۔ جب ''قلب'' کا لفظ آیا تو حضرت اپنے شاگردوں سے فرمانے لگے: ''اگر اس کا لفظی مطلب سمجھنا ہے تو وہ میں سمجھا سکتا ہوں۔ حقیقت پوچھنی ہے تو وہ عبدالمالک صدیقی سے جا کر پوچھیے۔''

طلباء کی درخواست

حضرت نے پروگرام بنالیا کہ اس دفعہ میرے پاس وقت کی کمی ہے، اس لیے میں

ایک ہفتے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ حضرت نے تیاری کر لی، جب حضرت مدنیؒ کو پتہ چلا کہ خواجہ عبدالمالکؒ تو واپس جا رہے ہیں تو آپ نے درسِ حدیث موقوف کیا اور شاگردوں کو لے کر آئے۔ شاگرد کمرے کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ حضرت مدنیؒ اندر تشریف لے گئے۔ سلام کیا اور عرض کرنے لگے: ''حضرت! آپ ہر سال پندرہ دن دارالعلوم میں رہا کرتے ہیں۔ اس دفعہ کیا ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے کہ آپ ایک ہفتے کے بعد واپس جا رہے ہیں؟ یہ طلبا آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ جب تک آپ پورے پندرہ دن گزارنے کا ارادہ نہیں فرمائیں گے، یہ طلباء دارالعلوم میں جا کر حدیث نہیں پڑھیں گے۔'' چنانچہ اس وقت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ نے ایک ہفتہ اور رہنے کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت مدنیؒ کا مشورہ

جب پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کا وقت آیا تو کسی نے حضرت مدنیؒ کو خط لکھا، اس نے لکھا: ''حضرت! پہلے تو ہمیں اکابرین کے پاس پہنچنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ اب پاکستان بن گیا ہے، یہاں ہم کس سے باطنی تعلق رکھیں؟'' حضرت مدنیؒ نے جن دو حضرات کا نام لکھا۔ ان میں حضرت صدیقیؒ کا پہلا نام تھا کہ پاکستان کے علماء کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ رابطہ رکھیں۔

خلفاء کی تعداد

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی حضرت مولانا عبدالحق تھے اور حضرت عبدالمالک صدیقیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ تقریباً پونے تین سو کے قریب ان کے خلفاء تھے۔ ان کی فہرست پڑھیں تو ہر ایک کوئی مہتمم، کوئی شیخ الحدیث، کوئی ناظم، کوئی کچھ اور کوئی کچھ ہے۔

(۳۷) خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ سے یہ نسبت ہمارے پیر و مرشد خواجہ غلام حبیبؒ کو منتقل

ہوئی۔ وہ چکوال کے رہنے والے تھے، علوی النسب تھے اور علوی النسبت رکھنے والے تھے۔ اگر تفصیل پڑھنی ہو تو وہ اس عاجز نے ''حیاتِ حبیب'' کے اندر لکھ دی ہے۔

مرکزِ توحید سے فیض کا آنا

ان کو مرکز توحید سے فیض آتا تھا ''مرکزِ توحید'' کسے کہتے ہیں؟ بیت اللہ شریف کو۔ واقعہ کیسے ہوا؟ ایک مرتبہ خواجہ غلام حبیبؒ اپنے پیر و مرشد خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں طواف کے دوران بیت اللہ شریف کا دروازہ کھلا۔ خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے دل میں خیال آیا، کہ اے اللہ! تو مہربانی فرما اور بیت اللہ شیریف کے اندر داخل ہونے کی سعادت نصیب فرما۔ جب آپ اگلے چکر میں واپس آئے تو دربان نے اشارہ کیا کہ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ اندر تشریف لے گئے ایک آدمی جسے آپ نہیں پہچانتے تھے وہ بھی ساتھ حاضر ہوا۔ جب اندر گئے تو ان حضرات نے مسنون طریقے پر نوافل ادا کیے۔ حضرت غلام حبیبؒ کے دل میں خیال آیا کیوں نہ میں اپنے پیر و مرشد سے اس جگہ بیعت کی تجدید کروں۔

چنانچہ آپ نے حضرت صدیقیؒ کی خدمت میں عرض کیا: ''حضرت! آپ مجھے اس جگہ دوبارہ بیعت فرمالیجیے، مجھے تجدیدِ بیعت کی سعادت نصیب ہوجائے۔'' حضرت نے قبول فرما لیا۔ جب بیعت ہونے لگے تو جو آدمی ساتھ بیٹھا تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی بیعت کر لیجیے۔ حضرت صدیقیؒ نے پوچھا: ''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں عرب کا رہنے والا ہوں'' حضرت نے فرمایا: ''آپ عرب کے رہنے والے ہیں اور میں پاکستان کا رہنے والا ہوں، آپ کا مجھ سے رابطہ مشکل ہے۔ اگر آپ کسی دوسرے مقامی شیخ سے بیعت ہوجائیں تو زیادہ اچھا ہے۔'' تو وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ حضرت فرماتے ہیں: ''جب میں نے مراقبہ کیا تو دیکھا کہ وہی بندہ جس کو بیعت نہیں کیا تھا وہ کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں مٹی ہے۔ اس نے وہ مٹی پھینکی اور وہ مٹی پہاڑوں کے اوپر سے، دریاؤں کے اوپر سے، درختوں کے اوپر سے اڑتی اڑتی

دور کسی علاقے میں جا کر گری جو بڑا سرسبز تھا۔ وہ مجھے کہتا ہے: ''دیکھ رہے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں! دیکھ رہا ہوں۔'' حضرت فرماتے ہیں: ''میں سمجھا شاید مجھے مراقبے میں نیند آ گئی ہوگی، جب مراقبہ ختم ہوا اور ہم نیچے اترنے لگے تو ابھی ہم زینے میں تھے کہ حضرت کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ ابدال نے آپ سے کیا باتیں کیں؟ فرماتے ہیں: ''تب مجھے احساس ہوا کہ وہ بندہ ابدال تھا۔'' میں نے کہا: ''حضرت! میں سمجھا کوئی خواب ہے۔'' حضرت نے فرمایا: ''نہیں! وہ بندہ ابدال تھا۔ میں نے اس کو بیعت نہ کر کے اپنے فیض کو محدود کیا۔ اب میرا فیض تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں پھیلائیں گے۔''

حضرت فرماتے ہیں کہ اس بات کو بیس تیس سال گزر گئے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے افریقہ کے ایک ملک ''ری یونین'' میں جانے کی توفیق دی، وہاں میں نے بالکل وہی نقشہ دیکھا جو بیس تیس سال پہلے بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر دیکھا تھا۔ اس لیے حضرت فرماتے تھے کہ مجھے مرکزِ توحید سے فیض ملا ہے۔ میرے دوستو! ہم کاملین کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ جس کا ایک مختصر سا خاکہ اس عاجز نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حاصلِ کلام

اب ایک آیت سن لیجیے! قرآن مجید کی یہ آیت بڑی عجیب ہے: {وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ} (الطور:۲۱)

ایمان والوں کی اولاد جو ان کے ساتھ ایمان کی اتباع کرتی ہے، ہم قیامت کے دن ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کر دیں گے اور ان اولادوں کا ان کے ماں باپ کے ساتھ اکٹھا حشر فرما دیں گے۔

جہاں یہ آیت نسبی تعلق رکھنے والوں کے لیے ہے، وہاں اس سے بڑھ کر یہ آیت روحانی تعلق رکھنے والوں کے لیے ہے۔ اگر ہم ان اکابرین کے نقشِ قدم پر چلیں گے، اپنے سینے

کو صاف کرنے کے لیے، سچی اور سچی زندگی گزارنے کے لیے، اپنے دلوں میں یادِ الٰہی پیدا کرنے کے لیے، تقوی وطہارت کی زندگی گزارنے کے لیے اگر ہم کوشش کریں گے، اسی راستے پہ چلیں گے جس پر ہمارے اکابرین چلے تو یاد رکھیے! یہ اللہ کے قرآن کا فیصلہ ہے۔ جو ایمان والے اس دنیا سے چلے گئے اگر ان کی جسمانی یا روحانی اولادیں ہیں جیسا کہ ہم روحانی اولاد ہیں، اگر ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، جو کچھ کمی کوتاہی ہوگی، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے اور ہمیں ہمارے اکابرین کے قدموں میں بیٹھنا نصیب فرمادیں گے۔ آپ کو جو کچھ طریقہ نقشبندیہ کے بارے میں بتایا گیا، اس کو پلّے باندھ لیجیے اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کیجیے۔

وہ کیسا عجیب وقت ہوگا! جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں صدیقِ اکبرؓ موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں سلمان فارسیؓ موجود ہوں گے۔

ان کے قدموں میں مشائخ بیٹھے ہوں گے۔

پھر ہمیں ان کے قدموں میں بیٹھنا نصیب ہوگا،

اگر ہم اس راستے پر چلتے رہے تو

{وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ} (لقمان:۱۵)

''تم میرے ان بندوں کے راستے پر چلو، جنہوں نے میری طرف رجوع کیا''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان نیک بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

{وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ}

ضمیمہ: ۲ نقشہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	وفات	مدفن
۱	رحمۃ للعالمین ﷺ	۱۱ھ/ ۶۳۲	مدینہ منورہ
۲	سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۳ھ/ ۶۳۴	مدینہ منورہ
۳	سیدنا حضرت سلمان فارسیؓ	۳۳ھ/ ۶۵۴	مدائن
۴	حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ	۱۰۸ھ/ ۷۰۲۶	درمیان مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ
۵	حضرت امام جعفر صادقؒ	۱۰۴۸ھ/ ۷۶۵	جنت البقیع
۶	حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ	۲۶۱ھ/ ۸۷۵	بسطام (ایران)
۷	حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ	۴۲۵ھ/ ۱۰۳۳	خرقان
۸	خواجہ ابوالقاسم گورگانیؒ	۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸	گرگان
۹	حضرت خواجہ بوعلی فارمدیؒ	۴۷۷ھ/ ۱۰۸۴	طوس، مشہد، ایران
۱۰	حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ	۵۳۵ھ/ ۱۱۴۱	مرو (ترکمانستان)
۱۱	حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ	۵۷۵ھ/ ۱۱۷۹ء	غجدوان (نزد بخارا)
۱۲	حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ	۶۱۶ھ/ ۱۲۱۹ء	ریوگر، بخارا
۱۳	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ	۷۱۷ھ/ ۱۳۱۷ء	انجیر فغنہ، بخارا
۱۴	حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ	۷۱۵ھ/ ۱۳۱۶ء	رامیتن، بخارا
۱۵	حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ	۷۵۵ھ/ ۱۳۵۴ء	سماس، بخارا
۱۶	حضرت خواجہ سید امیر کلالؒ	۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء	سوخار، بخارا
۱۷	حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند	۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء	قصر عارفاں نزد بخارا
۱۸	حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ	۸۰۲ھ/ ۱۴۰۰ء	جغانیان (دیناؤ)
۱۹	حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ	۸۵۱ھ/ ۱۴۴۷ء	دوشنبہ تاجکستان

۲۰	حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ	۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹ء	سمرقند
۲۱	حضرت خواجہ محمد زاہدؒ	۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء	حصار
۲۲	حضرت خواجہ درویش محمدؒ	۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء	سرسبز
۲۳	حضرت خواجہ محمد امکنگیؒ	۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء	امکنگہ (بخارا)
۲۴	حضرت خواجہ محمد باقیؒ باللہ	۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء	قطب روڈ (دہلی)
۲۵	حضرت مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء	سرہند (پنجاب)
۲۶	حضرت خواجہ محمد معصومؒ	۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء	سرہند
۲۷	حضرت سیف الدین مجددیؒ	۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۴ء	سرہند
۲۸	حضرت خواجہ حافظ محمد محسنؒ	۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء	دہلی
۲۹	حضرت خواجہ سید نور محمد بدایونیؒ	۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء	دہلی
۳۰	حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناںؒ	۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء	دہلی
۳۱	حضرت خواجہ شاہ غلام علیؒ	۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۳ء	دہلی
۳۲	خواجہ شاہ ابو سعیدؒ	۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء	دہلی
۳۳	حضرت خواجہ شاہ احمد سعیدؒ	۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء	مدینہ منورہ
۳۴	حضرت خواجہ دوست محمد قندہاریؒ	۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۸ء	موسیٰ زئی ڈیرہ اسمٰعیل
۳۵	حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ	۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء	ڈیرہ اسمٰعیل
۳۶	حضرت خواجہ سراج الدینؒ	۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء	ڈیرہ اسمٰعیل
۳۷	حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشیؒ	۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء	مسکین پور
۳۸	حضرت خواجہ عبد المالک صدیقیؒ	۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء	
۳۹	مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندی	۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء	چکوال
۴۰	حضرت اقدس پیر ذوالفقار نقشبندی	ولادتِ شریفہ ۱۹۵۳ھ	بحمد اللہ بقید حیات

ضمیمہ: ۳۰

ماوراء النہر

وسطِ ایشیا کی سرحدیں شمال میں روسی سائبیریا کے یخ بستہ میدانوں کو چھوتی ہیں اور جنوب میں افغانستان و ایران سے ملتی ہے، یہ وسیع و عریض علاقہ ایک طرف چین کی سرحد سے ملتا ہے تو دوسری طرف لیسپچین کے ساحل تک جا پہنچتا ہے افغانستان اور وسط ایشا کے درمیان میں دریائے جیحون ملتا ہے اس لیے ہند و پاک کے لوگ اس علاقہ کو ''دریا پار'' یعنی عربی زبان میں ''ماوراء النہر'' کا علاقہ کہتے ہیں۔

یہ علاقہ سیر کارا، زرافشاں اور آمو دریاؤں کی سرسبز اور زرخیز زمین پر مشتمل ہے، جس کے بطن میں سونے، چاندی، یورینیم گیس اور تیل کے وافر ذخائر ہیں، اس کے میدانوں میں کپاس اگتی ہے اور سڑکوں کے دونوں جانب کے باغات پھلوں سے لدے رہتے ہیں اس کے ایک طرف پامیر کے برف پوش پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ترکمانستان کے وسیع و عریض ریگستان بھی ہیں۔

ماضی میں وسط ایشیا کی اس سرزمین میں چوں کہ شاہراہ ریشم گذرتی تھی لہذا یہ علاقہ زبردست فوجی اور اقتصادی اہمیت کا حامل رہا ہے اسی وجہ سے وقت کے طالع آزماؤں اور توسیع پسندوں کی یلغار کا مرکز بھی یہی جگہ رہی ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں یہ زمین سکندر اعظم کے تابع رہی ہے، پھر ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کے ذریعہ یہاں اسلام کی بہار آئی تیرھویں صدی میں منگولیا سے چنگیز خان کی سفاکی کا طوفان اٹھا اور اس نے اس علاقہ کی زندگی و تہذیب پر گہرے نقوش چھوڑے، قضا و قدر کے فیصلے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں اس قدر دینی تہذیب و تمدن رکھنے والی جگہ ایک مرتبہ پھر زار روس کی جارحیت کے نتیجے میں کفر کے ہاتھوں میں چلی گئی، ستر سال تک یہاں

کمیونسٹ کے سرخ انقلاب کا دور دورہ رہا حتی کہ اللہ تعالی نے ۱۹۹۱ء کے اخیر میں ان لوگوں کو آزادی کی نعمت عطا کی اور کمیونزم کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

فقیر کے لیے یہ معلومات دلچسپ ہی نہیں، بلکہ عبرت کا باعث بھی تھیں، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بہرے کانوں اور بند آنکھوں کو کھولنے کے لیے کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہیں۔ (لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند: ۲۰)

ازبکستان کا ذکر

ازبکستان کو وسط ایشا کی جمہوریاؤں میں مرکزی اہمیت حاصل ہے، اس کی آبادی دو کروڑ اور رقبہ ایک لاکھ ۵۸ ہزار مربع میل ہے، ازبک لوگوں کا سلسلہ منگولوں کے ان خاندانوں سے ملتا ہے، جنہوں نے اس وقت میں روس اور کیف تک بادشاہی کی، امیر تیمور نے اپنے دور میں تہذیب وثقافت کے وہ گہرے نقوش چھوڑے کہ جس کی جھلک سات سو سال کے بعد اب بھی سمرقند، بخارا اور خیوا کی حسین وجمیل مساجد اور عالی شان مدارس کی عمارتوں میں نمایاں ہے، ازبک لوگوں کو نہ صرف اس بات پر ناز ہے کہ یہ تیمور اور بابر کا وطن ہے، بلکہ اس بات پر بھی فخر ہے کہ یہ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام منصور ماتریدیؒ جیسے علما اور شیخ بہاؤ الدین نقشبندیؒ جیسے مشائخ اور علی شیر نوائی جیسے شاعر، ابن سینا جیسے سائنسدان اور البیرونی اور فارابی جیسے فلاسفروں کی سرزمین ہے۔ (لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند: ۳۲)

ازبکستان میں حالات کیسے بدلے

سمرقند، بخارا شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا لوگ علما کی قدر کرتے تھے روس کے یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے تو اس کے لیے انہوں نے بڑی گہری سازش تیار کی اپنے چند خاندانوں کو تجارت کے بہانے سے بخارا منتقل کیا یہ لوگ محنت کر کے تجارت کو چمکانے میں خوب کامیاب ہوئے انہوں نے اپنے بچوں کو بخارا کے بڑے بڑے مدرسے میں داخل کروایا، بچے چوں کہ بہت ذہین تھے اور خاندان میں

سے چن کر انہیں اس کام کے لیے مختص کیا گیا تھا اس لیے وہ اپنی پڑھائی میں بہت تیز تھے اپنے ہم جماعت لڑکوں کو پیچھے چھوڑنے والے تھے اساتذہ بھی ان کی عقلمندی کے مداح تھے لہذا وہ ہمیشہ امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے اور جب گھر آتے تو ماں باپ ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دیتے اور بتاتے کہ ہم تو یہودی ہیں مگر تمہیں ایک خاص مقصد کے لیے دین اسلام کا علم سکھا رہے ہیں۔

یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے رہے مگر اس کے نور سے محروم رہے چوں کہ ان کے دلوں میں شک بھر دیا گیا تھا جب کئی سالوں کے بعد تعلیم مکمل ہوئی تو ان بچوں کی ذہانت کی وجہ سے انہیں مدرسہ کا استاذ بنا دیا گیا، یہ طلبہ میں بہت مقبول ہوئے اور اپنی عقلمندی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے وقت کے ساتھ ساتھ یہ خاموش سازش پروان چڑھتی رہی حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ یہودی علما بخارا کے مفتی بن گئے، یہاں پر مفتی کی بات پر سب لوگ عمل کرتے تھے انہوں نے کچھ عرصہ تو اتنا اچھا کام کیا کہ لوگ عقیدت مند بن گئے اس کے بعد آہستہ آہستہ انہوں نے ایسے فتوے دینے شروع کر دیے جو آپس میں علمی اختلاف کا سبب بنے، شروع شروع میں تو علما نے چشم پوشی کی لیکن جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے تو انہوں نے ان کے خلاف علمی جنگ شروع کر دی علماء کی جماعت جو سیکڑوں سال سے متحد تھی اب اس میں دو دھڑے بن گئے ہر وقت مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی کیفیت رہتی، عوام الناس اس سے بڑے تنگ ہوتے حتی کہ ان کے دلوں سے علماء کا احترام جاتا رہا اور انہوں نے علما سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارنی شروع کر دی معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی وجہ سے جو برکات تھیں وہ ہٹ گئیں اور سازش کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

حالات میں تبدیلی کا دوسرا مرحلہ

ایسے حالات میں زار روس نے مسلمان ممالک پر قبضہ جمانے کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کیا، یہ سازش کا دوسرا مرحلہ تھا اس کا طریقہ کار یہ اپنایا گیا کہ تمام مسلمان ممالک سے

دوستی کی گئی چند سال بڑے اچھے تعلقات رکھنے کے بعد مسلم ممالک کو تجویز پیش کی گئی کہ ہم آپ کے ملک میں سائنسی ترقی لانا چاہتے ہیں، آپ کے ملک میں ریلوے لائنیں بچھائیں گے، صنعتیں لگائیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہوگی، مسلم ممالک کے حکام کو یہ پیشکش بہت اچھی لگی، علما نے منع بھی کیا، مگر کسی نے ایک نہ سنی، علما کا احترام پہلے ہی سے دلوں سے نکل چکا تھا، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ جب زار روس نے دیکھا کہ تمام ممالک کے اندر کے حالات مجھے اچھی طرح معلوم ہوگئے ہیں تو انہوں نے ہر ہر ملک کو یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو! تمہارا ملک تو سونے کی چڑیا ہے، معدنیات ہیں، تیل ہے، سونا موجود ہے، اگر آپ دوسرے ممالک سے جدا ہو جائیں گے، تو آپ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جائے گی، اگر اسی حالت میں وسائل ظاہر کر دیے گئے تو دوسرے ممالک بھی آپ سے حصہ مانگیں گے۔

یہ سازش اتنی کامیاب ہوئی کہ مسلم ممالک خود ہی ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے، جب اختلاف بڑھ گئے اور چند سال میں سب ممالک ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو زار روس نے ان میں سے سب سے کمزور کے ساتھ جان بوجھ کر ایک جھگڑا کھڑا کر لیا۔ دوسرے ممالک کو یہ یقین دہانی کرائی کہ تمہارا اور ہمارا تعلق تو نہ ٹوٹنے والا ہے مگر فلاں کو ہم مزہ چکھانا چاہتے ہیں لہذا ایک ملک پر قبضہ کر لیا، دوسرے سے دوستی کی پینگیں بڑھتی رہیں، مسلم ممالک کے حکمراں اس دھوکہ کو سمجھ نہ سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک ملک پر قبضہ کرتے کرتے وہ وقت بھی آیا جب انہوں نے تمام ممالک کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

علما پر سختیوں کی انتہا

وہاں کے مفتی صاحب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علما کو بنایا، ان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، پھانسی پہ لٹکا دیا گیا، علما کا اتنا قتل ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعہ اس پر مٹی ڈال دی گئی وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں، بعض علما کو جہاز میں لے جا کر

سائبریا کے برفانی سمندروں میں چھوڑ دیا گیا، ان میں سے اکثر سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مر گئے ، چند ایک جو بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے انہوں نے بتایا کہ وہ سردی سے بچنے کے لیے ہر وقت حرکت کرتے رہتے، جب بھوک ستاتی تو برف توڑ کر نیچے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑتے اور زندہ مچھلی کو کھا لیتے، دن رات کسی بھی وقت وہ سو نہیں سکتے تھے، ذرا نیند غالب آتی اور بدن پر سکون ہونے لگتا تو اعضا سردی کی وجہ سے شل ہونے لگتے، چار و ناچار پھر اپنے بدن کو حرکت دیتے رہتے جدھر اندازہ ہوتا کہ ادھر جانا چاہیے اس طرف چلتے رہتے، یوں دن رات گزرتے رہتے، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ سائبیریا کے برف سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض اوقات علما کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا، اور پھر ویرانے میں تیز رفتار ٹرینوں کو ٹکرا دیا اکثر مر جاتے اور کچھ لوگ معذور ہو جاتے پھر بہتان بھی علما پر لگایا جاتا کہ انہوں نے تخریب کاری کی ہے ان پر سختی اور زیادتی کی جاتی، غرض کمیونسٹوں نے علما کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ایک عالم کا آنکھوں دیکھا حال

سمرقند کے نزدیک ایک عالم ابھی زندہ ہیں، جو روسیوں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ ایک برتن میں کھانا ڈال کر کھانا کے لیے دیا جاتا، تاکہ ان کی طبیعت میں کراہت ہو، اور کھانا بھی نہ کھائیں، رہنے کے لیے چھوٹی سی جگہ دی جاتی تاکہ نہ بیٹھ سکیں، نہ لیٹ سکیں، نہ پاؤں پھیلا سکیں، سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈا پانی ان کے جسم پر ڈالا جاتا کبھی ساری ساری رات ٹھنڈے پانی میں بٹھا دیا جاتا، تاکہ سو نہ سکیں ، ظالموں نے اس قدر ظلم کیے کہ علما نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں پھانسی دے دو، یہ بات سن کر ظالم مسکرائے اور ماسکو والوں کو خوش خبری سنائی کہ ہم نے علما کو اتنا تنگ کیا کہ موت انہیں اچھی لگنے لگی ہے، آفریں ہے ان علما کرام پر جنہوں نے یہ ساری سختیاں برداشت کیں مگر کفر کو قبول نہ کیا۔

غار میں لاشوں کی داستاں

چند عجیب باتیں بھی سنیں کہ سمرقند کے قریب ایک غار ملا ہے جس میں ایک نیک آدمی اس حالت میں شہید پایا گیا کہ وہ التحیات پڑھ رہا تھا گولی اس کے سینے میں لگی، اور پشت سے نکل گئی اسی حالت میں جان نکل گئی اس کے ریش کے بال گر گئے، مگر بقیہ جسم سو سال کے بعد بھی سلامت ملا۔

ایک پہاڑ پر ایک غار میں کچھ پاک دامن و پاکباز عورتوں کی لاشیں ملیں، دروازے کے قریب ایک صاحب پہرہ دینے کی حالت میں قتل کر دیئے گئے تھے آج بھی کوئی آدمی اس غار میں جانے کے لیے اوپر چڑھے، تو اسے چھوٹے چھوٹے پتھر اس طرح سے آ لگتے ہیں، جیسے کسی نے نشانہ مارا ہو، جتنا اوپر چڑھتے جائیں پتھروں کی بارش تیز ہو جاتی ہے، اسی لیے اب کوئی آدمی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

سرخ انقلاب میں ہزاروں علما کو صرف اس لیے شہید کیا گیا کہ یہ خدا کے ماننے والے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(خاک و خون میں تڑپنے کی کیسی اچھی رسم کی بنیاد ڈالی، ان عاشقان پاک فطرت پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں)

دین مٹاؤ تحریک، تیسرا مرحلہ

علما کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے، اس کے لیے انہوں نے نہ صرف قرآن اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی، بلکہ قانون بنایا کہ عربی اور اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر میں سے نکل آیا تو اس کے گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی، لوگ اپنی جان

کے خوف سے دینی تعلیم سے بالکل محروم ہو گئے، ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے، انہوں نے اس کو بھی بدل ڈالا اور روسی زبان کو مسلط کر دیا، تا کہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائے۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا، اسکول و کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے، پھر اگر ان کے بال لمبے دیکھتے تو قینچی سے بال کاٹ دیتے، لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشہ کے مانند ہے، خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا، بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تعلیم دیتے کہ انسان کی کچھ ضروریات ہیں، جن کو پورا کرنے میں اسے شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے، مثلاً: جہاں بھوک لگے، وہاں کھانے میں کیا شرم، جہاں پیاس لگے وہاں پینے میں کیا شرم، جہاں نیند آئے وہاں سونے میں کیا شرم، اور جہاں شہوت محسوس ہو وہاں کسی قریبی لڑکی سے جماع کرنے میں کیا شرم؟

موسیقی کو اس طرح عام کیا گیا کہ ہر گھر کے اندر ریڈیو کا ایک رسیور لگوانا اور اسے ہر وقت چالو رکھنا ضروری تھا، حتی کہ چند ایک مساجد میں جو دکھانے کے لیے باقی رکھی گئی تھی، ان کے محراب میں بھی یہ اسپیکر لگوایا گیا، اس اسپیکر میں ہر وقت دہریت کی تعلیم دی جاتی، یا پھر موسیقی سنائی جاتی، ہر مرد و عورت کو نہ چاہتے ہوئے بھی موسیقی سننا پڑتی، لہذا ان میں عیاشی کا رجحان بڑھتا رہا۔

شراب کو اتنا عام کیا گیا کہ سیون اپ کی بوتل چار روبل کی اور شراب کی بوتل دو روبل کی ملتی، عام لوگ مجبوری کی وجہ سے سیون اپ کے بجائے شراب پیتے، شراب اس لیے عام کی گئی تا کہ شرم و حیا معاشرے سے ختم ہو جائے، لوگوں کے ذہن سے دین کا نام و نشان ختم ہو جائے۔ روبل روسی کرنسی کا نام ہے، آج کل ازبکستان میں سوموکرنسی ہے۔

سور کے گوشت کو عام کر دیا گیا، تا کہ حرام گوشت کھانے سے بے حیائی پیدا ہو، چناں

چہ بھنا ہوا گوشت اتنا سستا کہ لوگ کباب (شش لک) کھانے کے عادی بن گئے، عام آدمی جو پکا ہوا سالن نہیں خرید سکتا تھا، وہ سیخ کباب وغیرہ لے کر روٹی سے کھالیتا اور یوں اس کے جسم میں حرام سرایت کرتا۔

نام ونشان نہ رہے

جب کمیونسٹوں نے لوگوں کی زندگیوں سے دین مٹا دیا، تو انہیں خطرہ ہوا کہ کچھ لوگ چوری چھپے دین پر عمل نہ کرتے ہوں، اس کے لیے انہوں نے انقلاب کے تین سال بعد ایک مرتبہ اعلان کیا کہ ہم عبادت کرنے والوں پر نرمی کرتے ہیں، ہر بندہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے، مسلمان اس اعلان پر بہت خوش ہوئے، آہستہ آہستہ لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔

خفیہ ایجنسیاں ان کی رپورٹ بناتی رہیں، تین سال تک فہرستیں بنتی رہیں، پھر اچانک ایک دن ان تمام لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، جو دین کا نام لیتے تھے، اس آپریشن کے بعد کمیونسٹ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب ہم نے دین کا نام ونشان مٹا دیا۔

پوری دنیا سے رابطہ ختم

کمیونسٹ حکمرانوں نے اپنے نظام کو ٹھونسنے کے لیے عوام الناس کا بیرونی دنیا سے بالکل ہی رابطہ کاٹ دیا، اول تو باہر کا سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ ہی نہیں ملتا تھا، اگر کوئی لے لیتا تو اس کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں لگ جاتیں، ہر آدمی پر خوف مسلط رہتا، میاں بیوی ایک دوسرے کی مخبری کرتے، حتی کہ سگے بھائی بہنوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا، یوں ایک گھر میں رہنے والوں کا بھی ایک دوسرے سے پتہ کاٹ دیا گیا۔ ان تمام اذیت ناک باتوں کو سننے کے بعد فقیر (مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی) نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ پھر ستر سال کے بعد بھی دین کے آثار کیسے بچے؟ مفتی صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا:

اللہ تعالی نے دین کی حفاظت فرمائی

کمیونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی، جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور ''قلبہ مطمئن بالایمان'' (ان کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا گیا، روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کی ہر ممکن کوشش کی بعض پکڑے گئے اور بعض تک انکی رسائی نہ ہو سکی، مثلا: میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انہوں نے اپنی وضع قطع ایسی بنالی جیسے انہیں ''الف، ب'' بھی نہیں آتی ،وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہو کر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے حتی کہ سب لوگ ان کو ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہو کر گھر آتے، تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا، اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ : چائے بناؤ، پھر مجھے دستر خوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے، کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟ میں کہتا کہ نہیں، اس لیے کہ میں تو چائے کے دستر خوان سے اٹھ کر جاتا تھا، بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ بتاؤ! تمہارے والدین نے تمہیں عربی کا کوئی فقرہ یاد کروایا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے، اگر کسی بچے کو بسم اللہ کا لفظ یاد ہو تو اس کے والد کو جیل میں بھیج دیا جاتا، جو بچے اسکول جاتے ان کے استاذوں کی ذمہ داری ہوتی کہ اگر کسی بچہ کو عربی الفاظ آتے ہوں تو kgb جاسوس ایجنسی کو رپورٹ کریں۔

علما اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکے، مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے، پھر

اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور اس ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جا سکے، ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا تو اس کے دروازہ کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعہ پکا بند کر دیتے، آگے الماریاں رکھ دیتے، پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے، پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے کہ یہ کمیونسٹ لوگ ہیں، اس کا دین سے کیا واسطہ؟ وہ خوش ہو کر چلے جاتے، انہیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے، وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے، ہم استاذ اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے، بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے، لیکن جب باہر نکلتے تو پورا قرآن پڑھنا سیکھ چکے ہوتے تھے، مسلمان عورتوں کی بڑی قربانی ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتی، مگر ۶ مہینے تک اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں، ہمارے لوگ فرزانے ہوتے تو دین سے خالی ہو جاتے مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین سلامت رکھا:

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

(لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند: ۱۷۔۱۸)

ضمیمہ ۴۰ مقبرہ شاہ زنداں کا ایک عجوبہ

''شاہ زنداں'' کے تعلق سے ایک اور دلچسپ اور ناقابل فراموش روایت ہر سیاح کو سنائی جاتی ہے یہ مقبرے سطح زمین سے ۴۰،۳۰ فٹ کی بلندی پر ہیں احاطے میں داخل ہو کر اوپر تک پہونچنے کے لیے سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہے۔ سیڑھیوں پر قدم رکھنے سے پہلے اگر آپ کی پارٹی کے ساتھ کوئی رہبر ہو تو وہ اعلان کرتا ہے ''آپ لوگ نیچے سے اوپر چڑھتے ہوئے ہر سیڑھی کو گنیں اور ذہن نشین کریں جب واپس ہونے کے لیے نیچے اترنا شروع کرے تو پھر اپنی

سڑھیوں کو گنے اگر اوپر تک پہنچی ہوئی سیڑھیوں اور نیچے اترتے ہوئے سیڑھیوں کی تعداد ایک ہو تو وہ شخص ''شاہ زنداں'' کی سند کے ساتھ معصوم اور بے گناہ ہوگا''!!!

مجھے بتایا گیا کہ شاید ہی کوئی ایسا سیاح ہوتا ہے جو اس اعجاز کو حاصل کرتا ہو ہماری پارٹی میں کسی کی اوپر اور نیچے کی سیڑھیوں کی تعداد ایک سی نہیں ہوئی۔

قارئین اس بات سے جو کچھ نتیجہ اخذ کریں میں جب اوپر چڑھا تو میں نے ۳۷ سیڑھیاں گنی، جب نیچے اترا تو ۴۱ سیڑھیاں راستے میں ملیں۔ (ہر ملک، ملک ماست ص:۵۱)

نوٹ: لیکن اس عاجز نے اپنے بعض احباب کو مکلف کیا پورے احتیاط کے ساتھ گنتے چلیں، اور واپسی میں پورے دھیان کے ساتھ گنتے اتریں تو ۲ / رفیق سفر نے کہا کہ دونوں دفعہ میں چالیس چالیس ہی سیڑھی کا عدد ہے لہذا سمجھ میں آیا کہ یہ صرف گائیڈ لوگوں کا ایک بے سروپا کا لطیفہ ہے۔

ضمیمہ: ۵

بی بی خانم مسجد

تیمور لنگ کا دور حکومت تسخیر، تحصیر اور تعمیر کا دور تھا۔ اس کی جنگی مہمیں دو سے چار سال تک دراز ہوتی تھیں۔ ۱۳۹۹ اور ۱۴۰۱ کے درمیان تیمور ہندوستان کی مہم پر ملک سے باہر ہو گیا تھا۔ تیمور کے حرم میں سب سے خوب صورت بی بی خانم تھی جو چینی نژاد تھی، بی بی خانم کو تیمور سے بے حد محبت تھی، وہ اس کی ہر واپسی پر ہر مرتبہ ایک تہنیتی تحفہ پیش کرتی تھی اس مرتبہ بی بی خانم نے طے کیا کہ تیمور کی واپسی پر ایسا تحفہ دے گی جسے وہ اور ساری دنیا یاد رکھے۔

چنانچہ اس نے اپنے دور کے عظیم ترین معماروں کو جمع کیا اور ان سے ایک معرکۃ الآراء عمارت کے منصوبے کا حکم دیا۔ ازبکستان کے نامور ترین معمار نے بی بی خانم کو ایک عظیم الشان

مسجد کا نقشہ پیش کیا۔ بی بی خانم اس پلان سے بے حد متاثر ہوئی اور اس نے اس معمار سے اس منصوبے کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانے کی دعوت دی۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی اور جیسے جیسے اس عمارت کی تعمیر و ترقی کے مراحل سے گذری بی بی خانم اس سے زیادہ متاثر ہوتی گئی۔ تاہم شومئی قسمت یا شریر دل کہ۔ مسجد کے مکمل ہونے سے پہلے معمار بی بی خانم کے عشق میں گرفتار ہوگیا، بے چاری بی بی خانم معمار کی اس حرکت سے بے حد ناراض ہوئی، لیکن عمارت آدھی سے زیادہ تکمیل ہو چکی تھی، وہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی، ۔اور تیمور ملک سے باہر تھا ۔معمار نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر بی بی خانم اسے اپنے عارض کا ایک بوسہ نہ دے گی، تو وہ عمارت کو چھوڑ کر شہر سے باہر چلا جائے گا۔ بی بی خانم شش و پنج میں تھی، تاہم اس نے بادل ناخواستہ معمار کی خواہش کو پورا کیا، اسے اپنے عارض کا ایک بوسہ عطا کیا۔ پھر ایک مرتبہ روایت کے مطابق، خدا کا کرنا کہ معمار کے بوسے کے نشان بی بی خانم کے رخسار پر، مستقل یادگار بن کر باقی رہ گئے۔ جب تیمور مہم سے واپس آیا، تو اپنی چہیتی بیوی کو دیکھتے ہی اسے اس شرمناک داستان کا علم ہوگیا۔ تیمور نے پہلا کام یہ کیا کہ معمار کو موت کے گھاٹ اتارا، اور اس دن سے اس ازبکستان کی تمام عورتوں پر باہر نکلتے وقت نقاب یا حجاب کا حکم صادر کیا۔ تیمور کے مطابق ہر خوب صورت عورت کا حسن کسی بھی بھلے مانس مرد کے دماغ کو پراگندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔'' (ہر ملک، ملک ماست ص:۵۲)

تاہم اس کی حقیقت کہاں تک درست ہے؟ یا یہ صرف ایک افسانہ ہے خدا کو ہی معلوم ہے (مرتب)

ضمیمہ: ۵

قصہ شیریں فرہاد کا

ایک قصہ سن لیجیے جو روایت اور تاریخ کا حسین امتزاج ہے تاشقند کے شمال میں ایک برف پوش پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ گرما میں اس کی برف پگھل کر جنوب میں سمرقند کی جانب ایک موسمی دریا بن کر اس علاقہ کو پانی فراہم کرتی ہے۔

صحرا اب بھی موجود ہے لیکن صدیوں قبل تاشقند اور سمرقند کے درمیان ایک بڑا لق ودق صحرا ہوا کرتا تھا۔ پانی کی قلت سے سمرقند کے قرب وجوار کے باشندے تکلیفیں اٹھاتے تھے۔

شیریں جو سامانی (samanid) خاندان کی ایک شہزادی تھی اس سے عوام کی تکلیف برداشت نہ ہوسکی چناں چہ اس نے اعلان کیا: جو شخص پہاڑ کاٹ کر تاشقند سے پانی کی نہر سمرقند تک لا سکے گا میں اس سے شادی کرلوں گی۔

فرہاد اپنے دور کا ایک مشہور سنگ تراش اور کوہ کن تھا۔ اس نے شیریں کا چیلنج قبول کرلیا اور پہاڑ کو کاٹنے کا کام شروع کردیا۔ ایران کے بادشاہ خسرو نے جو شیریں کی محبت میں گرفتار تھا ،جلد بازی سے کام لے کر شیریں کو حاصل کرنے کا عزم کیا، چنانچہ اس نے ایک رات سارے صحرا میں سبز گھاس بچھوادی، جو چاند کی روشنی میں نہر جیسی نظر آنے لگی اور فوراً شیریں کو مظاہرے کی دعوت دی۔ شیریں کو اپنے وعدے کو پورے کرتے ہوئے خسرو سے شادی کرنی پڑی۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد ایسی ہوا چلی کہ ساری گھاس منتشر ہوگئی اور خسرو کی دغابازی کا پول کھل گیا، اور اسی ہوا نے فرہاد کو یہ خبر پہنچائی کہ شیریں نے خسرو سے شادی کرلی۔ اس بری خبر نے اسے اتنا صدمہ پہنچایا کہ وہ یک لخت ایک چٹان میں تبدیل ہوگیا، دوسری صبح جب شیریں کو اس چال کا علم ہوا تو اس نے فرہاد کی قربت کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائے لیکن روایت کے مطابق بہت دیر ہوچکی تھی شیریں کچھ ہی دیر میں اپنے آنسوؤں سے بنے ہوئے ایک دھارے میں تبدیل ہوگئی ۔۔۔ یہ دھارا آج ''شیریں دریا'' کہلاتا ہے اور دریا کے اوپر جو ڈیم (dam) بنا ہے وہ آج فرہاد ڈیم کے نام سے مشہور ہے اور پہاڑی کے چٹان کے نیچے سے جو دو نہریں نکلتی ہیں وہ ''نہر فرہاد'' کہلاتی ہیں۔ (ہر ملک، ملک ماست ص: ۵۵)

مسلم دورِ حکومت کا اجمالی خاکہ و نقشہ

دہلی کے مسلم حکمراں

سلطان قطب الدین ایبک	۱۲۰۵ء	۴ سال چند ماہ
سلطان آرام شاہ بن قطب الدین ایبک	۱۲۱۰ء	چند ماہ
سلطان شمس الدین التمش	۱۲۱۰ء	۲۶ سال
سلطان رکن الدین فیروز شاہ	۱۲۳۵ء	۶ ماہ ۲۸ دن
رضیہ سلطان بیگم بنت شمس الدین التمش	۱۲۳۶ء	۳ سال ۶ ماہ
معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش	۱۲۳۹ء	۲ سال ایک ماہ
سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ	۱۲۴۱ء	۴ سال ایک ماہ
سلطان ناصر الدین بن محمود شاہ بن شمس الدین التمش	۱۲۴۵ء	۲۰ سال چند ماہ
الغ خاں، سلطان غیاث الدین بلبن (غلام التمش)	۱۲۶۵ء	۲۱ سال چند ماہ
سلطان معز الدین کیقباد بن ناصر الدین بغرا خان	۱۲۸۷ء	۲ سال
سلطان شمس الدین کیورث بن بلبن	۱۲۹۰ء	چند ماہ
سلطان جلال الدین خلجی بن بغرش	۱۲۹۰ء	۶ سال چند ماہ
رکن الدین ابراہیم شاہ بن جلال الدین فیروز شاہ	۱۲۹۵ء	چار ماہ
سلطان علاء الدین خلجی بن شہاب الدین مسعود	۱۲۹۵ء	۱۹ سال چند ماہ
شہاب الدین عمر بن علاء الدین خلجی	۱۳۱۵ء	۳ ماہ چند یوم
قطب الدین مبارک شاہ ابن علاء الدین خلجی	۱۳۱۶ء	۵ سال ۲ ماہ
حسن خاں، سلطان ناصر الدین خسرو خاں	۱۳۲۱ء	۴ ماہ چند دن

سلطان غیاث الدین تغلق بن ملک تغلق	۱۳۲۱ء	۴ سال چند ماہ
سلطان محمد عادل شاہ تغلق بن غیاث الدین تغلق	۱۳۲۴ء	۲۷ سال
سلطان فیروز شاہ بن سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ	۱۳۵۱ء	۷ ماہ ۲۰ دن
غیاث الدین محمد بن تغلق شاہ	۱۳۵۱ء	۸ سال
شہزادہ فتح خاں بن فیروز شاہ	۱۳۵۹ء	تقریباً ۱۶ سال
ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ	۱۳۸۷ء	۱ سال
سلطان غیاث الدین تغلق ثانی بن شہزادہ فتح خاں	۱۳۸۸ء	۵ ماہ
بوبکر شاہ بن جفر خاں بن فیروز شاہ	۱۳۸۸ء	۱ سال چند ماہ
ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ	۱۳۸۹ء	۳ سال پانچ ماہ چند دن
علاء الدین سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ	۱۳۹۳ء	۱ ماہ چند دن
ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ	۱۳۹۴ء	۸ ماہ
ناصر الدین نصرت شاہ بن فتح خاں بن فیروز شاہ	۱۳۹۴ء	تقریباً ۳ سال
اقبال خاں عرف ملو پٹھان	۱۳۹۷ء	چند ماہ
امیر تیمور بن امیر ترا غان چغتائی، فتح دہلی	۱۳۹۸ء	۱۵ دن
دولت خاں لودھی	۱۴۱۳ء	۱ سال
سید خضر خاں بن ملک سلیمان	۱۴۱۴ء	۷ سال
معز الدین مبارک شاہ بن خضر خاں	۱۴۲۱ء	۱۳ سال ۱ ماہ
سلطان محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں	۱۴۳۳ء	۱۲ سال
سلطان علاء الدین عالم شاہ بن محمد شاہ	۱۴۴۵	۶ سال چند ماہ
سلطان بہلول لودھی بن ملک کالا	۱۴۵۱ء	۳۸ سال ۵ ماہ

سلطان سکندر لودھی بن بہلول لودھی	۱۴۸۸ء	۲۸ سال ۵ ماہ
سلطان ابراہیم لودھی بن سکندر لودھی	۱۵۱۷ء	۸ سال چند ماہ
ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ بن عمر شیخ میرزا چغتائی	۱۵۲۵ء	۴ سال چند ماہ
نصیر الدین ہمایوں بن ظہیر الدین بابر (بارِ اول)	۱۵۳۰ء	۱۱ سال ۵ ماہ چند دن
شیر شاہ سوری (فرید خان بن حسن سوری)	۱۵۴۰ء	۴ سال ۴ ماہ ۱۵ دن
اسلام شاہ سوری بن شیر شاہ سوری	۱۵۴۵ء	۹ سال ۲ ماہ
فیروز شاہ سوری بن اسلام شاہ سوری	۱۵۵۲ء	۳ دن
محمد عادل شاہ سوری بن نظام خاں	۱۵۵۲ء	تقریباً دو سال
سلطان ابراہیم سوری	۱۵۵۴ء	۲ ماہ ۳ دن
سکندر شاہ سوری بن حسین خاں سوری	۱۵۵۴ء	۲ ماہ
نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ بن بابر بادشاہ (دوسری بار)	۱۵۵۴ء	۶ ماہ چند دن
شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بن نصیر الدین محمد ہمایوں	۱۵۵۵ء	۵۱ سال ۲ ماہ ۱۱ دن
نور الدین جہاں گیر بادشاہ	۱۶۰۵ء	۲۱ سال ۸ ماہ ۱۳ دن
میرزا بلاقی عرف سلطان داور بخش بن شہزادہ خسرو بن شاہ جہاں گیر	۱۶۲۶ء	۲ ماہ
شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ بن شاہ جہاں گیر	۱۶۲۶ء	۳۲ سال چند ماہ
اورنگ زیب عالم گیر بن شاہ جہاں بادشاہ	۱۶۵۷ء	۵۰ سال ۲۷ دن
محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالم گیر	۱۷۰۶ء	۱ سال ۲۱ دن
محمد اعظم شاہ عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالم گیر	۱۷۰۷ء	تقریباً ۵ سال
معز الدین جہاں دار شاہ بن شاہ عالم بہادر شاہ	۱۷۱۲ء	۱۱ ماہ ۵ دن
جلال الدین فرخ سیر بن عظیم الشان بن بہادر شاہ	۱۷۱۲ء	۶ سال ۳ ماہ

ابوالبرکات سلطان رفیع الدرجات بن رفیع الشان بن بہادر شاہ	۱۷۱۸ء	۳ ماہ ۱۲ دن
شمس الدین رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی بن رفیع الشان بن بہادر شاہ	۱۷۱۸ء	۴ ماہ
محمد شاہ بادشاہ (رنگیلے) بن نجستہ اختر بن بہادر شاہ	۱۷۱۸ء	۲۹ سال ۸ ماہ
سلطان ابراہیم بن رفیع الشان بن بہادر شاہ	۱۷۱۹ء	-
نادر شاہ	۱۷۳۸ء	-
مجاہد الدین ابوالنصر احمد شاہ بہادر بادشاہ بن بہادر شاہ	۱۷۴۸ء	۶ سال ۳ ماہ ۸ دن
عزیز الدین عالم گیر ثانی بن معز الدین جہاں دار شاہ	۱۷۵۳ء	۵ سال ۸ ماہ
ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ بن عالم گیر ثانی	۱۷۵۹ء	-
احمد شاہ درانی	۱۷۵۹ء	-
شاہ جہاں ثانی بن کام بخش بن عالم گیر ثانی	۱۷۵۹ء	۲۸ سال
بیدار بخت بن احمد شاہ	۱۷۸۷ء	۱۶ سال
معین الدین اکبر شاہ بن شاہ عالم (اقتدار: کنگ جارج سوم)	-	۱۷ سال ۹ ماہ ۲۱ دن
کنگ جارج چہارم بن جارج سوم	۱۸۲۰ء	۱۰ سال ۵ ماہ ۲ دن
کنگ ولیم چہارم بن جارج سوم	۱۸۳۰ء	۶ سال ۱۱ ماہ ۲۶ دن
ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر	۱۸۳۷ء	۲۰ سال
ملکہ وکٹوریہ بنت جارج	۱۸۳۷ء	۶۴ سال
ایڈورڈ ہفتم	۱۹۰۱ء	-
جارج پنجم	-	-
جارج ششم	تا ۱۹۴۷ء	-

آزاد ہندوستان کے صدورِ جمہوریہ

	نام صدر جمہوریہ	مدت کار
۱	عزت مآب راجندر پرساد	۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء تا ۱۳ مئی ۱۹۶۲ء
۲	عزت مآب سروپلی رادھا کرشنن	۱۳ مئی ۱۹۶۲ء تا ۱۳ مئی ۱۹۶۷ء
۳	عزت مآب ڈاکٹر ذاکر حسین	۱۳ مئی ۱۹۶۷ء تا ۳ مئی ۱۹۶۹ء
۴	عزت مآب وراہ گری وینکٹ گیری	۳ مئی ۱۹۶۹ء تا ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء
۵	عزت مآب محمد ہدایت اللہ	۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء تا ۲۴ اگست ۱۹۶۹ء
۶	عزت مآب وراہ گیری وینکٹ گیری	۲۴ اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۴ اگست ۱۹۷۴ء
۷	عزت مآب فخر الدین علی احمد	۲۴ اگست ۱۹۷۴ء تا ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء
۸	عزت مآب بسپا جنپا جتی	۱۱ فروری ۱۹۷۷ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء
۹	عزت مآب نیلم سنجیوا ریڈی	۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء
۱۰	عزت مآب گیانی ذیل سنگھ	۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۸۷ء
۱۱	عزت مآب راماسوامی وینکٹ رمن	۲۵ جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۹۲ء
۱۲	عزت مآب ڈاکٹر شنکر دیال شرما	۲۵ جولائی ۱۹۹۲ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۹۷ء
۱۳	عزت مآب کوچیری رمن نارائنن	۲۵ جولائی ۱۹۹۷ء تا ۲۵ جولائی ۲۰۰۲ء
۱۴	عزت مآب اے پی جے عبدالکلام	۲۵ جولائی ۲۰۰۲ء تا ۲۵ جولائی ۲۰۰۷ء
۱۵	محترمہ پرتبھا سنگھ پاٹل	۲۵ جولائی ۲۰۰۷ء تا ۲۵ جولائی ۲۰۱۲ء
۱۶	عزت مآب پرنب مکھرجی	۲۵ جولائی ۲۰۱۲ء

آزاد ہندوستان کے وزرائے اعظم

	نام وزیر اعظم	مدت کار
۱	جناب پنڈل جواہر لعل نہرو	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تا ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء
۲	جناب گلزاری لال نندہ	۲۷ مئی ۱۹۶۴ء تا ۹ جون ۱۹۶۴ء
۳	جناب لال بہادر شاستری	۹ جون ۱۹۶۴ء تا ۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء
۴	جناب گلزاری لال نندہ	۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء تا ۲۴ جنوری ۱۹۶۶ء
۵	محترمہ اندرا گاندھی	۲۴ جنوری ۱۹۶۶ء تا ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء
۶	جناب مرار جی ڈیسائی	۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء تا ۲۸ جولائی ۱۹۷۹ء
۷	جناب چودھری چرن سنگھ	۲۸ جولائی ۱۹۷۹ء تا ۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء
۸	محترمہ اندرا گاندھی	۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء
۹	جناب راجیو گاندھی	۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء تا ۲ دسمبر ۱۹۸۹ء
۱۰	جناب وشوناتھ پرتاپ سنگھ	۲ دسمبر ۱۹۸۹ء تا ۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء
۱۱	جناب چندر شیکھر	۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء تا ۲۱ جون ۱۹۹۱ء
۱۲	جناب پی وی نرسمہا راؤ	۲۱ جون ۱۹۹۱ء تا ۱۶ مئی ۱۹۹۶ء
۱۳	جناب اٹل بہاری واجپائی	۱۶ مئی ۱۹۹۶ء تا ۱ جون ۱۹۹۶ء
۱۴	جناب ایچ ڈی دیوگوڑا	۱ جون ۱۹۹۶ء تا ۲۱ اپریل ۱۹۹۷ء
۱۵	جناب اٹل بہاری	۱۹ مارچ ۱۹۹۸ء تا ۲۲ مئی ۲۰۰۴ء
۱۶	جناب ڈاکٹر منموہن سنگھ	۲۲ مئی ۲۰۰۴ء تا ۲۶ مئی ۲۰۱۴ء
۱۷	نریندر مودی	۲۶ مئی ۲۰۱۴ء تا حال

میں دلی ہوں

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ

میں دلی ہوں، ہندوستان سے بولتی ہوں۔ میں ہندو ہوں میں ترک ہوں، میں افغان ہوں میں مغل ہوں۔ اور اب میں انگریز بھی ہوں، میں عارین قوموں کا دل ہوں۔ میں ایران و یونان و ترکستان و تران و عرب کا بازو ہوں۔ میں دنیا کا ایک نامی شہر ہوں۔ اجڑتی ہوں، بس جاتی ہوں۔ ویران ہوتی ہوں پھر آباد ہو جاتی ہوں میں جمنا کے کنارے بستی ہوں، میری ہی نسبت اکبر الہ آبادی نے کہا ہے:

میری نظروں میں اب کچھ رنگِ دہلی جم نہیں سکتا
وہی مٹی کے تودے ہیں وہی جمنا کا پانی ہے

دنیا کے سب بڑے شہر ایک جگہ گڑے رہتے ہیں مگر میں حرکت میں رہتی ہوں، کیوں کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے، اور میری اتنی زیادہ عمر ہونے کا راز بھی یہی ہے کہ میں حرکت کرتی رہتی ہوں۔ میری حرکت شرق و غرب کی حرکت نہیں ہے، بلکہ شمال و جنوب کی حرکت ہے۔ یعنی میں کبھی جنوب میں آباد ہوتی ہوں اور کبھی شمال کی طرف حرکت کر کے آباد ہو جاتی ہوں۔ اور پھر جب حرکت میں آتی ہوں تو شمال سے جنوب کی طرف حرکت شروع کرتی ہوں۔ آج کل میں شمال سے جنوب کی طرف چل رہی ہوں اور جب کوے بگلے بن جائیں گے اور جب بگلے مچھلیاں کھا کر اپنے دیش کو چلے جائیں گے تو میں جنوب کی طرف اور بڑھوں گی اور ایک ایسا لباس اختیار کروں گی کہ میری شناخت کرنا مشکل ہو جائے گا اور کسی کی طاقت اور مجال نہ ہوگی جو مجھ سے کہے:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشی

من انداز قدت را می شناسم

(تو جسے چاہے پہن لے میں تو تیرے قد کے انداز سے تجھ کو پہچان لیتا ہوں کہ تو کون ہے) کیوں کہ آئندہ زمانے میں میرا لباس نہ ترکی ہوگی نہ افغانی، ہندو ہوگا نہ مسلمانی، انگریز ہوگا نہ جاپانی بلکہ میں آسمانی رنگ کا جوڑا پہن لوں گی اور چہرے پر گھونگھٹ ڈال کر کہوں گی:

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما

باشد گہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

(بے چارہ خسرو تمہارے شہر میں آن پڑا ہے کیا ممکن ہے کہ تم مجھ جیسے غریبوں کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھ لو) میں چار دن کی چاندنی بھی ہوں اور شاہ جہاں کے جشن ماہ تابی کو دیکھ چکی ہوں اور اندھیری رات بھی ہوں۔ چاندسی صورتوں کو اپنی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے۔

میں نے اندر پرستھ کے پرانے قلعے میں شری کرشن جی کو دیکھا تھا۔ ان کی چاندسی صورت، موہنی مورت دیکھ رہی تھی۔ راجہ یدھشٹر کا بڑا شہنشاہی دربار تھا سارے ملک کے چھوٹے بڑے راجے جمع تھے۔ جراسندھ کے سپہ سالار ششوپال نے شری کرشن جی کی شان میں گستاخی کی اور کرشن جی کے چکر سے سر کٹوایا۔ جوئیں کی بازی ہوئی مہابھارت ہند کی جنگِ عظیم یہیں سے شروع ہوئی پھر محمود غزنوی گھروں کے ٹاپوں سے خاک اڑاتا میری چھاتی کو روندتا ہوا متھرا چلا گیا۔ پھر پرتھی راج کی فوج نے لال کورٹ قلعے کے سامنے قطب الدین ایبک، شہاب الدین غوری کے ترک غلام سے لڑائی لڑی اور ایبک جیت گیا، اس نے قطب مینار بنایا اور غلام بادشاہت کا سکہ چلایا اس وقت میں جنوب میں تھی۔

غالم خاندان کے آخری بادشاہ کیقباد نے کیلوگ ہری نام کا محل بنایا اور مجھے شرق میں جمنا کے کنارے بسایا، اس کو خلجی لے مارا اور علاء الدین خلجی نے پھر غرب کی طرف قطب مینار کے قریب مجھے سری نام سے آباد کیا جس کو مسلمان 'سیری' کہتے تھے۔ کیوں کہ لفظ 'سری' یعنی

پاک شہر کے مطلب کو وہ نہ سمجھتے تھے۔

اس کے بعد تغلق آئے اور سری سے بہت دور جنوب میں جا کر تغلق آباد کے نام سے مجھے آباد کیا اور جمنا کے کنارے ایک قلعہ ''کوٹلے'' کے نام سے تیار کیا۔ پھر لودھی آئے اور انہوں نے ''سری'' کو رونق دی اور میں دور دور تک پھیل گئی۔ تیمور آیا اور فیروز شاہ کوٹلے کے سامنے افغانوں سے لڑائی ہوئی پھر آخری لودھی پانی پت میں بابر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بابر کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ افغان نے بھگا دیا۔ پھر شیر شاہ نے اندر پرستھ کے پرانے قلعہ کو بنیاد سے اٹھایا اور 'دین پناہ' نام رکھا۔ ایک مسجد اور مکانات بنوائے ہمایوں ایران سے واپس آیا تو میں شمال کی طرف چل رہی تھی وہ بھی پرانے قلعے میں ٹھہرا اور شیر شاہ کے بنائے ہوئے 'شیر منڈل' سے گر کر مر گیا۔

ہمایوں کے بیٹا اکبر آگرے میں رہا۔ جہاں گیر لاہور میں مرا مگر یہ دونوں بھی میری آبادی کی رونق بڑھاتے رہے، پھر جہاں گیر کا بیٹا شاہ جہاں آگرے میرے ہاں آیا۔ اور اس نے کہا جنوب سے چل اور شمال میں آ میں۔ آ میں آگے بڑھی اور شاہ جہاں آباد کے نام سے بس گئی، شاہ جہاں نے میرے اندر لال قلعہ بنایا۔ جامع مسجد بنائی اور مجھے خوب آراستہ کر دیا میری گود میں جامع مسجد بن چکی تو میر عمارت نے شاہ جہاں کو خبر دی اور کہا لاکھوں بلیاں پاڑ میں ہیں۔ ہزاروں پتھر مسجد کی تعمیر سے بچے ہوئے صحن میں ہیں۔ دو مہینے میں صاف ہو جائیں گے۔ تو حضور وہاں جا کر جمعہ کی نماز ادا فرمائیں۔ شاہ جہاں نے خفا ہو کر کہا کہ آج بدھ ہے پرسوں جمعہ کو ہم وہاں نماز پڑھیں گے۔ ابھی انتظام شروع کرو۔ وزیر اور میرِ عمارت نے بادشاہ کے بگڑے تیور دیکھ کر ہاتھ جوڑے اور عرض کی جہاں پناہ کے اقبال سے پرسوں تک صفائی ہو جائے گی۔ شاہ جہاں نے حکم دیا کہ ہماری ہندوستان رعایا کو خبر دے دو کہ ہم نے مسجد تیار ہر جانے کی خوشی میں ان سب کو پاڑ کا سامان اور بچے ہوئے پتھر انعام دیے، سب آئیں اور لوٹ کر لے جائیں یہ سنتے ہو ہندو مسلمان دوڑے اور ایک رات اور دو دن میں ساری مسجد اور اس

کے اطراف صاف ہو گئے اور گھر گھر شاہ جہاں کی فیاضی کی دھوم مچ گئی۔ میں دیکھتی تھی کہ اگر پاڑ کھولنے اور صاف کرانے اور اٹھوانے کی مزدوری دی جاتی تو سامان کی قیمت سے بڑھ جاتی اس انعام کے طفیل بہت جلد کام ہوا اور بڑا نام ہوا۔

۱۸۵۷ء میں انگریز بادشاہ ہوئے۔ میرے اندر انہوں نے تخت بچھایا، کلکتے اور شملے بھی جاتے تھے، مگر راجدھانی مجھ ہی کو سمجھتے تھے۔ آخر ۱۹۱۱ء میں بادشاہ نے مجھے راجدھانی کا جوڑا پہنایا اور میں میم صاحب بن گئی اور ہند کی ملکہ بھی کہی جانے لگی۔

عادت یاد آئی۔ اور میں شاہ جہانی حد سے پھر جنوب کی طرف بڑھی اور انگریزوں نے مجھے ۱۹ کروڑ روپے کے خرچ سے بنایا۔ کہنے کو تو شاہ جہانی دہلی ست ملی ہوئی ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ شمال سے پھر جنوب کی طرف حرکت کی ہے۔

مجھے تیمور نے لوٹا۔ نادر شاہ نے لوٹا۔ احمد شاہ درانی نے لوٹا۔ مرہٹوں نے لوٹا، مگر انگریزوں نے ۱۸۷۰ء میں زیادہ نہ لوٹا، البتہ اپنی زبان کی ڈکشنری میں لفظ 'لوٹ' شریک کر لیا۔

کہتے ہیں میں ہند کا پایۂ تخت بھی ہوں اور صوبہ بھی ہوں۔ یہاں ایک چیف کمشنر حکومت کرتے ہیں جن کا درجہ گورنر کے برابر ہے، مگر میرا صوبہ دوسرے صوبوں کے ضلعوں سے بھی چھوٹا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کالے حبشی کا نام کافور رکھا ہے ہند کلیا کو دیغ کا خطاب دے دیا ہے۔

دل کی بات زبان پر آئے بغیر نہیں رہتی۔ میں ہوں تو ایک صوبہ اور پایۂ تخت مگر درحقیقت نہ میں صوبہ ہوں نہ پایۂ تخت ہوں، کیوں کہ مجھے پنجاب کی باندی ۱۸۴۷ء سے بنا دیا گیا ہے۔ میرے بچے حسرت سے منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور ان کی روٹی پنجاب کے سامنے رکھ دی جاتی ہے، کہنے کو راجدھانی ہوں لیکن سچ یہ ہے کہ راج رانی پنجاب ہے اور میں اس کی لونڈی باندی اور داسی ہوں۔ کیوں نہ ہو:

کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات

میرے حدودِ اربعہ پوچھو تو آج کل یہ ہیں۔ شمال میں وہ پہاڑی جہاں سے ۱۸۵۷ء

میں انگریزی فوج فاتحانہ اندر آئی تھی، جنوب میں پرانی دہلی کے کھنڈر فیروز شاہ کا کوٹلہ۔ پرانا قلعہ ہمایوں کا مقبرہ درگاہ حضرت الدین اولیا اور گوشہ غریب وجنوب میں نئی دلی کی نئی عمارتیں اور باغ۔ غرب میں صدر بازار قرول باغ کی بڑی آبادی شرق میں لال قلعہ اور سلیم گڑھ اور جمنا دریا

۔

اندر پریڈ کا میدان، نئے پارک اور جامع مسجد اور اردو بازار، اور چاندنی چوک اور گھنٹہ گھر اور یہ ہارڈنگ لائبریری جہاں آج میرے بچے جمع ہوئے ہیں اوپر آسمان، نیچے زمین ،آسمان کے بیچ میں بجلی کے تار اور ہوائی جہازوں کی غوں غاں اور دوڑ، گھنٹہ گھر اور ہارڈنگ لائبریری کے پاس کمیٹی گھر ہے جہاں ہندو مسلمان اور انگریز جمع ہو کر کہتے ہیں: دلی کی اولاد سے رہنے کا ٹیکس لو، کھانے کا ٹیکس لو، پینے کا ٹیکس لو، یہ روٹی کھائیں تو کہو لاؤ ٹیکس، یہ پانی پئیں تو کہو لاؤ واٹر ٹیکس، یہ تماشا دیکھنے جائیں تو کہو لاؤ ٹیکس۔

یہ لوگ لال چمڑے کی کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو منہ چڑاتے ہیں۔ آستین چڑھا کر لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ میرے اندر مولوی، پنڈت، پادری بھی رہتے ہیں، اور وہ سب بھی لال کرسی والوں کی طرح آپس میں لڑائی کرتے ہیں۔

میرے بازاروں مین دکاندار ہیں جن کو مجبور کیا جاتا ہے کہ سات دن میں ایک دن دکانین بند رکھا کرو وہ کہتے ہیں کہ منڈا ایسا ہی کہ ہر دن دکان بند رہتی ہے، ہمارا ایک دن کیوں برباد کرتے ہو، مگر یہ لال کرسی والے خفا ہوتے ہیں، اور مار مار کر سو جانے کو کہتے ہیں، اور میرے بچوں کو لاچار سونا ہی پڑتا ہے۔ اور جب وہ سو جاتے ہیں تو میں بھی بولتے بولتے چپ ہو جاتی ہوں، مگر مجھے چپکا کون رہنے دیتا ہے۔ جونہی زبان روکتی ہوں آوازیں آتی ہیں، بڑی بی ذرا اپنا پچھلا حال تو سناؤ کہ تم نے یہاں کیا کیا دیکھا؟

بڑی بی لفظ سن کر مجھے غصہ آجاتا ہے۔ میری عمر ہی کیا ہے! دلی کے ایک بدھے ہر سال شادی کیا کرتے تھے کسی نے وجہ پوچھی تو جواب دیا۔ جب نکاح کے بعد زنانے مکان میں آرسی

مصحف کے لیے جاتا ہوں تو عورتیں کہتی ہیں۔ بوا پردہ کر لینا لڑکا اندر آتا ہے۔ لڑکے کا لفظ سن کر میں بوڑھاپے کو بھول جاتا ہوں۔ اور میرے اندر جوانی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس مجھے بھی جو بڑی بی کہتا ہے تو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ ہر شخص مجھ کو نئی نویلی دلہن کہا کرے تاکہ میرے اندر جوانی قائم رہے۔

جب شیر شاہ افغان نے ہمایوں بادشاہ دے مجھے چھین لیا اور میرے بازاروں میں گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تو گلی میں دو بڑھیاں عورتیں کھڑی تھیں۔ شیر شاہ کی سفید داڑھی دیکھتی تو ایک نے دوسری سے کہا، بوا دلی کو دلہا تو ملا مگر بڈھا ملا۔ شیر شاہ نے بھی یہ بات سن لی۔ اس لیے ذرا سینہ تان کر چلنے لگا۔ یہ حالت دیکھتی تو دوسری بڑھیا نے ہنس کر کہا ہاں بوا وہ بڈھا بھی ہے اور نقال بھی ہے۔ جوانی کی نقل کرتا ہے۔

میں پچھلی کہانی سناتی ہوں اور کہتی ہوں کہ جب راج پرتھی راج اور ان کے ساتھی شہاب الدین غوری کے ہاتھ سے تھانیسر کے میدان میں مارے گئے تو ان کی باقی بچی ہوئی فوج میرے پاس آ گئی اور میں نے لال کورٹ قلعہ میں ان کو جگہ دے دی۔ ایکا ایکی خبر سنی کی شہاب الدین غوری کا ترک غلام قطب الدین ایبک فوج لے کر آیا ہے۔ لال کورٹ کی فوج نے خوب مقابلہ کیا مگر قسمت کی ہار کو سنبھالنا کس کے بس کی بات ہے۔ ایبک نے لال کورٹ لے لیا اور میں صدیوں کے لیے مسلمانوں کی لونڈی بن گئی۔

ایبک کے بعد شمس الدین التمش ترک بادشاہ ہوا پھر غیاث الدین بلبن ہوا پھر بلبن کا پوتا معز الدین کیقباد کے نام سے سلطان ہند بنایا گیا۔ یہ اپنے باپ بغرا خاں حاکم بنگال سے لوٹنے پر آمادہ ہوا مگر خدا کے نیک بندوں نے باپ بیٹے میں صلح کرا دی تو کیقباد نے 'کے لوگ ہری' محل بنوایا اور جمنا دریا کے کنارے عیش کرنے لگا جلال الدین خلجی نے عیاشی کی خبر سنی تو فوج لے کر دلی میں آیا۔ اور بچارے کیقباد کو کمبل میں لپیٹ کر دریا میں پھینک دیا اور خوب بادشاہ بن گیا۔ جلال الدین خلجی کو اس کے بھائی کے لڑکے علاء الدین خلجی نے مار ڈالا۔ اور میرا مالک بیٹھا

۔علاء الدین خلجی مرا تو اس کے چھوٹے بیٹے قطب الدین خلجی نے اپنے بڑے بھائی حضرت خاں کو مار کر تخت حاصل کر لیا۔ اور بادشاہ ہو جانے کے بعد گجرات کے ایک ہندو لڑکے پر ایسا فریفتہ ہوا کہ سب کچھ اس کے حوالے کر دیا۔ اسی لڑکے نے موقع دیکھ کر اس قطب الدین خلجی کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔

اس کو ملتا کے گورنر غیاث الدین تغلق نے مغلوب کیا۔ اور میری فصیل کے سامنے ایسی خوں ریز لڑائی ہوئی کہ خون کے نالے بہنے لگے۔ آخر ہندو لڑکا مارا گیا اور تغلق کی بادشاہی ہو گئی ۔اس کے بعد غیاث الدین تغلق ایک مکان کے نیچے دب کر مر گیا تو اس کا محمد تغلق بادشاہ ہوا۔ وہ مرا تو فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہوا اس کے بعد لودھی خاندان کی حکومت ہوئی ۔ پہلے بہلول لودھی بادشاہ ہوا پھر سکندر لودھی ۔ پھر ابراہیم لودھی ۔ ابراہیم لودھی کو مغل بادشاہ بابر نے پانی پت کے میدان میں قتل کر دیا اور میرا نکاح مغلوں سے ہو گیا، بابر کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ نے نکالا تو میں نے شیر شاہ سے نکاح کر لیا پھر اس کے بیٹے سلیم شاہ سے میری شادی ہوئی دونوں کی داڑھیاں لمبی تھی اور دلی والے لڑتے تھے کہ داڑھی شیر شاہ کی بڑی یا سلیم شاہ کی؟ یہ کہاوت اردو زبان میں آج تک بولی جاتی ہے۔ ہمایوں پھر آیا اور شیر شاہ کے افغانوں کا سپہ سالار ہمو بقال ہمایوں کے مرنے کے بعد دلی پر چڑھ دوڑا اور مجھے جیت کر اپنا نام بکر ماجیت رکھا۔

ہمایوں کا بیٹا اکبر پنجاب میں تھا۔ ہیمو اس سے لڑنے پنجاب کی طرف گیا۔ پانی پت میں لڑائی ہوئی اکبر کی فوج سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ اکبر نے اپنے باپ ہمایوں کا ایک بڑا شاندار مقبرہ میرے اندر بنوایا۔ اکبر کے بعد جہاں گیر بادشاہ ہوا۔ پھر شاہ جہاں پھر اورنگ زیب مگر جہاں گیر بھی باہر رہا اور عالم گیر اورنگ زیب بھی اور شاہ جہاں بھی آگرے میں جا کر مرا ،اورنگ زیب کے پوتے جہاں دار شاہ اور فرخ سیر میرے اندر رہے ان کے بعد محمد شاہ بادشاہ ہوا۔ اس کے وقت میں نادر شاہ ایران سے آیا اور میرے بچوں کا قتل عام کیا پھر محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے زمانے میں پونا کی مرہٹہ حکومت کے تاجدار پیشوا نے اپنے بیٹے بسواس راؤ اور اپنے

بھائی کے بیٹے سدا شیو بھاؤ کو تین لاکھ فوج کے ساتھ بھیجا۔ اور ان دونوں نے مجھے خوب لوٹا اور قتل عام بھی کیا اس کے بعد ان دونوں کی پانی پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی سے لڑائی ہوئی جس میں یہ دونوں مارے گئے اور مرہٹوں کی تین لاکھ فوج کا بھی خاتمہ ہو گیا ابدالی دلی میں آیا اور اس کی فوج نے بھی میری میرے بازاروں کو لوٹا اور لوٹ مار کر قندھار چلا گیا میدان خالی دیکھ کر انگریزوں کا جنرل لیک یہاں آیا اور اس نے مرہٹوں کو نکالا پھر شاہ عالم بادشاہ کی لڑائی بکسر (بہار) کے میدان میں انگریزوں سے ہوئی۔ شاہ عالم نے شکست کھا کر پٹنے میں انگریزوں کو مل گئی جو ایک لاکھ روپے مہینہ شاہ عالم کو دیتی تھی اور شاہ عالم میرے لال قلعہ میں رہتے تھے ملک خدا کا تھا حکم کمپنی بہادر کا تھا اور شاہ عالم آرام سے زندگی بسر کرتے تھے ان کے بیٹے اکبر ثانی کا بھی یہی حال رہا۔ اکبر ثانی مرے تو سراج الدین بہادر شاہ ابو ظفر تخت نشین ہوئے جو ۱۸۳۳ء میں بادشاہ ہوئے تھے اور ۱۸۵۷ء تک لال قلعہ میں نام چار کی بادشاہی کرتے رہے۔

۱۸۵۷ء کی ۱۱/مئی کو انگریز کمپنی کی فوج نے انگریزوں سے بغاوت کی اور میرٹھ چھاؤنی سے دلی میں آئی اور بہادر شاہ کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ سوائے پنجاب کے ہندوستان کی سب چھاؤنیوں کی انگریزی فوجیں باغی ہو گئیں۔ اور ۱۱/مئی سے ۱۴/ستمبر تک دلی میں یہ باغی فوجیں انگریزی فوجوں سے لڑتی رہیں۔ ۱۴/ستمبر کو باغیوں نے شکست کھائی۔ ۱۹/ستمبر کو بہادر شاہ لال قلعے سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں آئے اور وہاں گرفتار ہوئے۔ ان کے بیٹے پوتے جو باغی فوجوں کے افسر بنے تھے ہڈسن صاحب کی گولیوں سے مارے گئے اور ان کے سر کاٹ کر بہادر شاہ کے سامنے رکھے گئے۔ بہادر شاہ کے خلاف لال قلعہ میں مقدمہ چلا جس میں بہادر شاہ مجرموں کی طرح انگریز ججوں کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ آخر ججوں نے جلاوطنی کو سزا دی اور بہادر شاہ اپنی ملکہ زینت محل اور اپنے بیٹے جواں بخت کے ساتھ مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو کر برما کے شہر رنگون میں بھیج دیے گئے جہاں وہ کئی سال زندہ رہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں جیسی بے رحمیاں باغی فوج نے انگریزوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کی تھیں اس سے زیادہ بے رحمیاں انگریزوں کی اس فوج کے ہاتھوں میں دلی والوں نے برداشت کیں جو فاتحانہ دلی میں داخل ہوئی تھی۔ ہزاروں بے گناہ پھانسیوں پر چڑھا دیے گئے۔ بہادر شاہ کی اولاد میری گلیوں میں بھیک مانگنے نکلتی تھی تو مجھے رونا آتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے آدھی رات کا وقت تھا دلی والے سب پڑے سوتے تھے چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ ایک مصیبت زدہ شہزادہ دلی کی جامع مسجد اور لال قلعے کے بیچ میں کھڑے ہو کر دردناک آواز میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

اونچے اونچے مکان تھے جن کے بڑے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے — آج دیکھا تو خار بالکل تھے
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے — نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی ان کے خال ہوئے
ذاتِ معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ کہ ہے یہ فانی ہے
صبح دم طائران خوش الحان — پڑھتے ہیں کل من علیھا فان

بہادر شاہ بادشاہ کے ایک نواسے مرزا قمر سلطان بہت خوب صورت تھے۔ غدر سے پہلے بن سنور کر گھوڑے پر سوار ہو کر لال قلعہ سے چاندنی چوک میں آتے تھے تو سب بازار والے ان کی صورت و شان دیکھنے کے لیے دکانوں سے اتر اتر کر جمع ہو جاتے تھے۔ غدر کے بعد دیکھا کلو خواص کی حویلی سے ایک اندھا فقیر سورج چھپنے کے بعد نکلتا تھا۔ لمبا قد، لمبی داڑھی، پھٹے ہوئے کپڑے، ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا پیالہ، پھٹے ہوئے بانس کی لکڑی کے سہارے ٹٹولتا ہوا سڑک پر آتا تھا اور ایک دردناک صدا میں کہتا تھا۔ ''یا اللہ ایک پیسے کا آٹا دلوا دے، تو ہی دے گا تو ہی دلوائے گا، ایک پیسے کا آٹا دلوا دے۔'' نیک دل لوگ اس کے پیالے میں پیسے ڈالتے تھے اور وہ کلو خواص کی حویلی سے جامع مسجد تک جاتا تھا اور پھر الٹا چلا آتا تھا۔ مگر کسی کو یہ بات معلوم نہ

تھی کہ یہ وہی قمر سلطان ہے جس کی پیاری صورت وشان وشوکت دیکھنے کے لیے دلی کے لوگ چاندنی چوک میں ٹوٹ پڑتے تھے۔

جو لوگ میری کہانی سننے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اپنی اچھی صورت اور اپنی حکومت اور اپنی دولت اور اپنی شان وشوکت پر ناحق گھمنڈ کرتے ہیں۔ میں نے اپنے اندر ہزاروں برس سے بے شمار تماشے دیکھے ہیں مگر وہ تماشے کٹھ پتلی کے تماشے تھے، پردہ گرا تو کچھ بھی باقی نہ رہا۔

''میں دلی ہوں۔ میں دلی تھی، میں دلی رہوں گی۔ کوئی مجھے دہلی کہتا ہے کوئی مجھے دلی کہتا ہے کوئی مجھے لکھتا ہے، تو 'دل' الگ اور 'لی' الگ لکھتا ہے۔ یعنی دل چھین لینے والی۔ گورے لوگ مجھے انگریزی میں لکھتے ہیں تو 'دہلی' لکھتے ہیں۔ خبر نہیں اس 'ہی' کا کیا مطلب ہے؟۔ اگر میں دلی ہوں تو کوئی مجھے بتائے کہ میں کیسا دل ہوں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل ہو تو ٹوٹا ہوا، غم واندوہ میں ڈوبا ہوا۔ آج میرے اندر چوڑی چوڑی سڑکیں بھی ہیں، ہری ہری گھاس کے پارک بھی ہیں۔ بجلی کے قمقمے بھی ہیں، تماشے گھر بھی ہیں، مال واسباب سے بھری ہوئی اونچی اونچی دکانیں بھی ہیں مگر مجھ غریب کو کوئی اپنے ہاتھوں میں نہیں لیتا، اگر میں 'دل' ہوتی تو میرے دل دار بھی ہوتے۔ میرے خریدار بھی ہوتے مگر اب تو میں ہارڈنگ لائبریری کے جلسے میں یہ شعر پڑھتی ہوں:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں

پھر کہتی ہوں:

بے کل ہے ہائے کیسا دل جاتی رہی ہے اس کی کل
پاتی نہیں آرام میں اس کی بدولت ایک پل
ہاتھ میں سے یہ تھمتا نہیں جاتا ہے ہاتھوں سے نکل
دارم ولے اما چہ دل صد گنا حرما در بغل''